

عقیدہ، علم، اصلاح، اخلاق اور ادب پر پینتیس سالہ
مطالعے، تجزیے اور تجربے کا مجموعہ

رِزْوۃُ الْمَاسِ

افادات علمیہ

مفت محمد سعید خان

(ظہریہ مدرسہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند، علی گڑھ یونیورسٹی)



Toobaa-elibrary.blogspot.com

الندوة المجو كیشنل سنٹ اسلام آباد

ریزۃ الماس

افاداتِ علمیہ

مفتی محمد سعید خان صاحب

خلیفہ مجاز مفکر اسلام حضرت مولانا سید

ابوالحسن ندویؒ

بحکم و اجازتِ خصوصی: شیخ مفتی محمد سعید خان صاحب

پیشکش: طوبی ریسرچ لائبریری

toobaa-elibrary.blogspot.com

عقیدہ، علم، اصلاح، اخلاق اور ادب پر پینتیس سالہ
مطالعے، تجزیے اور تجربے کا نچوڑ

رِزۃُ الْمَکَسِرِ

افادات علمیہ

مفتی محمد سعید خان

(خلیفہ ہماز حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی طاب ثراو)

ندوة المصنفین

الندوة المصنفین کیشنڈ سنٹ اسلام آباد

جملہ حقوق بحق ﷺ محفوظ ہیں۔

مترقات: ①

سلسلہ اشاعت:

ریح و الماس

نام کتاب:

منشی محمد سید خان

افادات علمیہ:

616

صفحات:

۱۴۳۹ھ / 2014ء

سال اشاعت:

محمد اور نگ زیب اموان

پروف ریڈر و مرتبہ ہارس:

0300-5203983

نعمیم اقبال

کمپوزنگ و ڈیزائننگ:

0342-9206176

ندوة المصنفین، اسلام آباد

ناشر:

بی بی ایچ پرنسز ٹرانسمیوٹ

مطبع:

=/1500 روپے

قیمت

لئے کا پتہ: ادارہ السناء، شفیق پلازہ وینک روڈ صدر راولپنڈی

0333-5134333 051-5111725

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
1	خطبہ	27
2	خطبہ چھٹے مرتبہ جرات دل کا	28
3	نعت النبی ﷺ — صل علی	29
4	موضوعات	33
5	لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَالْقُدْرَةُ وَالْقُوَّةُ	34
6	رفعات	35

عقائد

7	دو باتیں جن میں بہت احتیاط درکار ہے۔	39
8	سلطان صلاح الدین ایوبیؒ اور صحیح عقیدے کی ترویج۔	40
9	معتزل کے وضع کردہ پانچ بنیادی اصول اور ان کا انجمن سے انحراف۔	40
10	حنفیہ سکتے اللہ سوا دھم کے نزدیک خلافت راشدہ کا انکار۔	42
11	جن مشائخ کے عقائد ہی اہل اللہ والجماعہ کے مطابق نہ ہوں وہ دوسروں کی کیا رہنمائی کریں گے؟	43
12	شقاوت، برحق اور اسے ماننا صحیح عقیدے میں شامل ہے۔	44

13	شفاعت کبریٰ تو حضرت رسالت پناہ ﷺ ہی کا خصوصی مرتبہ اور مقام ہے۔	45
14	دجال ایک متعین فرد ہے۔	47
15	کیا آخرت میں اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کی زیارت نصیب ہوگی؟	48
16	حضرت رسالت مآب ﷺ کے ”اُمّی“ ہونے کی وضاحت۔	49
17	کیا بروز قیامت ہر مومن کے اعمال کا وزن ہوگا؟	50
18	جنہم موصدین سے خالی ہو جائے گی کافروں سے؟ ایک شبے کا جواب۔	51
19	جب خلافت راشدہ کی توہین برسر منبر کی جانے لگے تو صحیح عقیدے کا تحفظ اور تشہیر ضرور کرنی چاہیے۔	52
20	قیامت سے قبل بے شمار جموں سے امت کا واسطہ پڑے گا۔	54
21	بروز قیامت کن کن کو منصب شفاعت پر فائز کیا جائے گا؟	57
22	عملی منافق اور اعتقادی منافق ————— بدتر کون؟	66
23	جنات کے وجود کا انکار گمراہی ہے۔	67
24	دور نبوی ﷺ کی تعین خواتین ————— جو بہت لمبا سا نظر آتی ہیں۔	68
25	ایک سوال اور اس کا جواب۔	72
26	روضہ مبارک پر دعا کی درخواست.....!	72
27	توحید الہی کے چار مراتب۔	73
28	رسالت پناہ۔	76

تفسیر القرآن الکریم

29	علامہ بخاری کی تفسیر "کشاف" سے شیعہ پہنچاری کی وجوہ	79
30	تعلیم و تقدس نبوی ﷺ اور علامہ بخاری!	80
31	وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَىٰ. فَجَعَلَهُ خُثَاةً أَخَوِيًّا کی اہلیہ تفسیر	81
32	كُلُّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ کی تفسیر مولانا درود رحمہ اللہ کی زبان	82
33	ہر سے خانے کا محروم مگر مرحوم رہے گا	83
34	حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی کتاب "تائیل الا حادیث" سے مفسرین نے استفادہ نہیں کیا	85
35	بعض صوفیاء کے عقیدے میں بگڑا اور صاحب روح المعانی.....!	86
36	قبض ارواح کی مختلف صورتیں	87
37	حضرت صہارن اسود رحمہ اللہ کا نام محدثین میں شمار کرنا درست نہیں	89
38	کیا دنیا میں قرآن کریم کی دولا کھتا سیر موجود ہیں یا کبھی گئی ہیں؟	92
39	کیا واقعہ معراج میں حضرت رسالت مآب ﷺ کو رویت باری تعالیٰ کا شرف حاصل ہوا تھا؟	94
40	کسی کے جنتی یا جہنمی ہونے کی پیشین گوئی اس کرنے والے چاہل صوفیاء اور متعصب مولوی!	95
41	کیا صالح بندوں کو جنت میں رویت باری تعالیٰ نصیب ہوگی؟	97

42	کیا میدان جہاد میں شہید ہونے والا اور اللہ کی راہ میں وفات پانے والا دونوں مجاہد، آجر و ثواب میں برابر ہیں؟	99
43	قرآن کریم حفظ کرنا زیادہ ضروری ہے یا اس پر عمل کرنا؟	100
44	علامہ شہاب الدین آلوسی رحمہ اللہ اور نوایت پاری تعالیٰ۔	102
45	عقل جب وحی کے تابع ہو تو، پاک ہوتی ہے۔	103
46	مشکلات کے حل کے لیے قرآنی وظیفہ۔	104
47	امام قرطبی رحمہ اللہ اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مقام و مرجع۔	105
48	امام مالک رحمہ اللہ کا فرمان کہ ہمارے زمانے میں سوائے انصاف کے باقی ہر چیز کثرت سے ہے۔	105
49	علم میں اضافے کی دعا مانگتے رہنا چاہیے۔	107
50	اللہ ذی المعارج کے پاس قدر دانی آپ بھی دیکھی ہی ہے مگر.....!	108
51	اپنے منہ میاں مضمونیں بنانا چاہیے۔	111
52	تفسیر قرآن کریم کے دو بنیادی اصول۔	112

حدیث مبارکہ

53	حضرت مولانا مفتی محمد سعید خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا اجازت نامہ سلسلہ حدیث مبارکہ۔	115
54	اٹل حدیث کو ستانے والے کے لیے بددعا اور اس کی فوری قبولیت۔	116

55	حضرت حفصہؓ سے متعلق جمہور امت کا مسلک۔	116
56	غیر متاط افراد کے کلام اور لائینی باتوں کے سننے سے گریز۔	116
57	گنج بخاری کے اختتام پر پڑھنے کے لیے ایک خاص دعا۔	117
58	دوسروں کو کھانا کھلانے کی فضیلت۔	118
59	سادات کرام کے ساتھ نیکی کا سلسلہ۔	119
60	موت کی آزمائش اور ابن عربیؒ کی تشریح۔	119
61	کیا ”ہرقل“ نے آپائی مشرکانہ مذہب چھوڑ کر بیسائیت اختیار کر لی تھی؟	120
62	ذہرے آجری بخاریت کن صحابہ کرامؓ کے لیے ہے؟	120
63	حضرت ابو ہریرہؓ کے حافظے کے لیے نبوی ﷺ دعا کے اثرات۔	122
64	مرویات سیدنا معاذؓ کی تعداد۔	124
65	حضرت عائشہؓ اور ذوق شعر و شاعری۔	125
66	چھ صحابہ کرامؓ کا کثرت سے احادیث روایت کرنا۔	125
67	نماز عصر کی حفاظت اور اسے اپنا امتداد کرنے کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔	127
68	اگر اذان قویہ کی بنیاد پر اسلاف کے علمی تسامحات سے اختلاف کیا جائے تو یہ مضبوط نہیں ہے۔	128
69	امام عبداللہ بن وہب بن مسلمؒ کی تالیف کردہ ”موطا“!۔	129
70	عقل جب وحی کے تابع ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔	130
71	بخاری کے راوی ابن ابی فدیكؒ سے مراد محمد بن اسمعیلؒ یا محمد بن ابراہیمؒ؟۔ اور حافظ ابن حجرؒ	130

72	مورخین کے تحریر کردہ واقعات ضروری نہیں کہ سچائی پر ہی مبنی ہوں۔	131
73	دور نبوی ﷺ کے محض اور ان سے متعلق اہم تصدیقات۔	134
74	بیچ کی پیداوار پر چھ اہم کام۔	140
75	غزوہ بدر میں امیہ بن خلف مارا گیا تھا یا اس کا بھائی ابی بن خلف —؟	144
76	مشرکین مکہ کے قائد بن کیا اپنی اہل اور ضد میں فرعون سے کم تھے؟	144
77	کیا حضرت رسالت مآب ﷺ نے کبھی گرم پانی سے وضو یا غسل فرمایا تھا؟	145
78	کسی کے خلاف شریعت کام پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا رد عمل کیا ہوتا تھا؟	146
79	کتاب و سنت میں جہاں بھی سات اور ستر کا عدد آیا ہے اس سے مراد کس قدر اور مالو بھی ہو سکتا ہے۔	148
80	فتح الباری اور علم حدیث میں فقہ کا استخراج۔	149

سیرت النبی ﷺ

81	حضرت رسالت مآب ﷺ مشرکین و کفار کو دعوت الی اللہ کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔	153
82	پانچ فرائض کی تعلیم دینے اور سنت کا پکے۔	154
83	انسانوں کی خوبیوں اور اچھے اعمال پر ہی ہمیشہ نظر پڑتی چاہیے۔	156
84	حضرت رسالت مآب ﷺ سے پہلے ”محمد“ نام کے چار افراد۔	158

85	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صاحبزادگان کے نام "محمد" اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی محبت رسول ﷺ کا نفاذ رنگ۔۔۔۔۔!	158
86	حضرت کریم بن علقمہ رضی اللہ عنہ اور ان کے قبیلے کی اہم خصوصیت۔	160
87	شاہد حبشہ "عیاشی" سے متعلق اہم حقائق۔	162
88	شاہد مصر "معتوقس" کا بیٹا ہوا غیر، جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذریعہ زکوٰۃ دیا۔	164
89	گھروں میں سلام کرنے کی سنت فنی چلی جا رہی ہے۔	164
90	امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "نزال المعادی فی مدی خیر العباد" اور ان کے تسامحات۔	165
91	غیر اور علم کی نماز میں طویل قرأت کی شکستیں۔	167
92	حضرت رسالت مآب ﷺ ایک لگا کر کھانا کھانے کو ناپسند فرماتے تھے۔	169
93	احادیث مبارکہ کو سوچ سمجھ کر بیان کرنا چاہیے۔	173
94	حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ صلیبہ رضی اللہ عنہا۔	176
95	چھبلی کی فطرت میں شراب سے مارنے کا حکم۔	177
96	کسی بھی مومن شخص کا جنازہ ضرور پڑھا اور پڑھایا جائے خواہ وہ کتنے ہی برس سے کبیرہ گناہ کا مرتکب کیوں نہ ہو اور۔	178
97	حضرت رسالت مآب ﷺ عمر بھر اللہ تعالیٰ کو تمنا ہی میں یاد کرنے کا اہتمام فرماتے رہے۔	180
98	ذرائع معاش کی تحقیق۔	187
99	حضرت رسالت پناہ ﷺ کے خدام رضی اللہ عنہم۔	188

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

191	مقام ابراہیم علیہ السلام اور اس کی تحصیب۔	100
191	عام الزامات و اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اقدامات۔	101
192	حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا شرف۔	102
192	نماز فجر کی جماعت کی اہمیت نگاہ فاروقی رضی اللہ عنہ میں۔	103
192	حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، نگاہ نبوت میں۔	104
193	حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ پر عتابیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔	105
193	یمن کے پانچ حصے اور ان کے گورنر۔	106
196	قانون اور انصاف کے فروغ کے لیے فاروقی رضی اللہ عنہ اقدامات۔	107
196	حضرت خالد بن ولید، عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم کا قبول اسلام۔	108
197	خطبہ جیزہ الوداع کن کی درخواست پر تحریر کیا گیا؟	109
198	علوم وحی میں سے بعض علوم اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ !	110
198	جوانی اور بڑھاپا، تکالیف اور عتابیات۔	111
200	خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے بعد امت کے سب سے بڑے فقیہ۔	112
200	جنگ بدر کے موقع پر کن صاحبزادی صاحبہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا؟	113
201	حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے امتیازات۔	114
202	حضرت عبداللہ بن زید الانصاری رضی اللہ عنہم کے دو صحابہ اور ان میں فرق!	115

202	حضرت عبداللہ بن زید انصاری <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی محبت رسول <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کا انوکھا انداز۔	116
203	زبان نبوت سے صحابہ کرام <small>رحمۃ اللہ علیہم</small> کے لیے تقابلات۔	117
204	اشین النامہ۔۔۔۔۔ حضرت ابوسعیدہ بن جراح <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> ۔	118
204	حضرت طحیہ بن خویلد اسدی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا اسلام، بارگاہِ اودود و بارہ قبول اسلام۔	119
206	امام باقر <small>علیہ السلام</small> کی کتاب ”مناقب الامامۃ الاربعہ“۔	120
206	حضرت ام کلثوم <small>رحمۃ اللہ علیہا</small> بت سیدہ مہملی <small>رحمۃ اللہ علیہا</small> کے حالات۔	121
208	حضرت ابوبکر اور سیدنا عتاب بن اسید <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا وصال، ایک ہی دن۔	122
208	حضرت زید بن عارضا اور سیدنا عمر <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> ۔	123
209	حضرت ابوسفیان <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کے بیٹوں میں سب سے زیادہ افضل اور کچھ ارکون؟	124
210	سیدنا ابوبکر صدیق <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> اور ابوالہبہ کی محبت رسول <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> ۔	125
213	ایک حدیث مبارکہ اور سیدنا معاویہ <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا طریقہ عمل۔	126
214	خود اپنے ہی اسلحہ سے شہید ہو جانا اور حضرت مولانا نور محمد صاحب <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی شہادت۔	127
216	دو اہل حدیث <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> جن کی چارہشتیں شرف صحابیت سے مشرف ہوئیں۔	128
217	علم کی قضیات و اہمیت۔	129
218	سیدہ مہملی <small>رحمۃ اللہ علیہا</small> کے ”مولیٰ“ ہونے کی حدیث متواتر ہے۔	130
218	حضرت ام انس <small>رحمۃ اللہ علیہا</small> کی دعا اور خواہش۔	131
219	حضرت ام ایمن <small>رحمۃ اللہ علیہا</small> کی خوش نصیبی۔	132
219	حضرت علیہ <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا خوبصورت استملا لال۔	133

134	حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روزہ مبارک پر ماضی۔	220
135	حضرت رسالت مآب ﷺ کا حضرت رطلہ بنت ابوسلیمان رضی اللہ عنہا سے نکاح اور اس کی تفصیلات۔	221
136	برکتیں تو دنیاویوں کے ساتھ ہی ہوتی ہیں۔	222
137	حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ہجرت۔	224
138	حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی جنگ صفین میں شہادت۔	225
139	علم کے مختلف شعبے.....!	225
140	صحابہ نور الانوار پر تنقید ————— وہ برا معیار کیوں؟	226
141	عباد اللہ اربعہ سے مراد کون ہیں؟	227
142	صحابہ کرام میں جلالہ سے مقتیان کرام۔	228
143	وہ صحابہ کرام جلالہ جن کی روایات کی تعداد ہزاروں میں ہے۔	228

فقہ

144	حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور فقیر کے تین اوصاف۔	231
145	”مسلم اثبوت“ اور اس کی پہلی شرح۔	231
146	پٹے (Lease) پر دی جانے والی زمین کے احکامات۔	232
147	خواتین کا قبرستان جانا۔	233
148	وقف کی حیثیت کی تبدیلی۔	233

234	149	نماز جنازہ اور نماز عید کے قضاء ہونے کا قطرہ اور حجم۔
234	150	جانوروں میں فضیلتی اور ان کا حکم۔
234	151	قرہانی کے متعین جانور۔
235	152	آلو سے متعلق اہم معلومات۔
236	153	جہاں کوئی مسلمان شرعی حاکم موجود نہ ہو وہاں علماء کرام اس کے قائم مقام سمجھے جائیں گے۔
237	154	تکمران وقت کا حاشیہ مقرر کرنا۔
237	155	درجہ دو وراثت سے محروم کرنے والے، خود نکلیں جنت سے محروم نہ کر دیئے جائیں۔
238	156	گھر علیہ استعمال کی اشیاء اور ان کی ملکیت کا حکم۔
238	157	اولاد کو وراثت سے محروم کرنا۔
239	158	منصوص مسائل اور لوگوں کا تعامل۔
239	159	فتہاء نے جن اقوال کو مرجوح قرار دیا ہے ان کے مطابق فتویٰ دینا جائز نہیں۔
240	160	سود کے متعلق احکامات۔
240	161	امام ابو بکر خصاصہ <small>رضی اللہ عنہ</small> کا فتویٰ اور باقی آئمہ کی رائے۔
242	162	امام ابو بکر خصاصہ <small>رضی اللہ عنہ</small> کا فقہی مقام و خدمات۔
244	163	تقلید کیا ہے؟
244	164	قرہانی کی کمال کے احکامات۔

244	نکاح ایک پائنت مہد۔	165
245	جو شخص حرام مال چھوڑ کر مر جائے تو.....!	166
245	دعوت دلیہ اور اس کا قبول کرنا۔	167
246	جانور کو ذبح کرتے وقت عجیر کا حکم۔	168
246	حرابی کا فرا اور صدقہ۔	169
247	بد نظری کی نیت اور فقہاء کرام۔	170
247	سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور فتح روم کی شرط۔	171
248	قادیانی قاضی خان کا ایک اہم مسئلہ۔	172
251	ازدواجی تعلقات قائم کرنے میں تین مقاصد۔	173
251	مشتبہ مال اور اس کا مصرف۔	174
252	حضرت رسالت مآب ﷺ کے لیے دعائے مغفرت۔	175
252	خطبہ جمعہ کے احکام۔	176
252	وقف کو رو پارہ وقف کرنا۔	177
253	فاسق اور عدالت میں گواہی۔	178
253	زکوٰۃ کا کیل اگر خود مستحق ہو تو.....!	179
253	چاہیے ہونے کی تقسیم اور تالاق اولاد۔	180
254	قرآن کریم کی تلاوت اور فرض نماز کی جماعت۔	181
255	بغیر ہڈے کے زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر۔	182
255	نماز کا ایک اہم مسئلہ۔	183

255	ملحق کو جب وہ صحیح قول مل جائیں تو.....!	184
256	چند مسافروں کا اپنے طور پر نماز جمعہ ادا کرنا۔	185
256	محدثین اور فقہاء کا کسی حدیث کو موضوع قرار دینے میں معیار۔	186
257	سزا و عہد میں فرق۔	187
258	کتاب و سنت کا باہمی تعلق۔	188
259	ادب اور بے ادبی کا معیار۔	189
259	فقہاء کا یہ فرمانا کہ یہ بات نہ کرنا بہتر ہے کی وضاحت۔	190
260	بدعت جب اہل بدعت کا شعار نہ رہے تو.....!	191
263	علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور "فتح القدیر"۔	192
266	امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب "السیاسة الشرعية"۔	193
267	عیدین کی نماز اور زمین کا وقف ہونا۔	194
267	بلغاریہ کی موسمی صورتحال ——— شمس الاعترطوطانی رحمہ اللہ کا فتویٰ اور شیخ کبیر بھٹائی رحمہ اللہ کی ذہانت۔	195
269	بیوی کی موجودگی میں سالی سے نکاح کا حکم۔	196
269	صاحب چراغیہ رحمہ اللہ کا فقہ ماہگی پر اعتراض.....!	197

تصوف

273	اہل بات نامے سلسلہ ہائے تصوف۔	198
-----	-------------------------------	-----

199	کیا خلیفہ آرم ہنری ٹیٹل اپنے شیخ حضرت مجدد الف ثانی سرہندی ٹیٹل کی تعلیمات سے مخرف ہو گئے تھے؟
279	"مکاشفات عینہ" کی نسبت خلیفہ محمد ہاشمی ٹیٹل کی طرف درست نہیں۔
280	مولانا محمد ہاشمی ٹیٹل کی دو کتابیں دیکھئے اور پڑھنے کی حسرت!
280	امام غزالی ٹیٹل کی کتاب احیاء علوم الدین — جھوٹی احادیث اور من گھڑت روایات۔
281	ابن عربی ٹیٹل اور "نردیانہ" نام کا رکھا جانا۔
282	ابن عربی ٹیٹل کی کتابیں پڑھانے اور سمجھانے والے علماء اب برصغیر میں نہیں رہے۔
282	ابن عربی ٹیٹل کی معراج اور مختلف انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقاتیں
289	"ماوردی" اور "ہاشمی" نسبوں کی اصل.....؟
289	عام طور پر بدگمانی کا سبب۔
289	تخلص آدمی کی ناؤ ڈوبنے ڈوبنے بھی سائل پہ جاگتی ہے۔
290	حضرت خلیفہ مبارکگیری ٹیٹل کے مستند حالات و واقعات کی مدت سے تلاش!
291	عقنبی اور صوفی میں فرق۔
291	علامہ اقبال ٹیٹل کا حالت عراق میں مرزا قادیانی کی روح سے استقاؤ۔
294	پہنچی ہوئی ڈکڑہر اوقات ذات و مقامات میں مصروف رہنے والے۔
296	سچے عقیدہ سے ناواقف صوفی کی صحبت سمجھنا ہے۔
297	جس صوفی کا عقیدہ درست نہ ہو اس سے بیعت تو دور کنارہ.....!

297	اورنگ زیب عالمگیر بیخود کے زمانے میں دھڑا لوجہ کا قلعہ	215
298	جابلہ مشائخ کا ایک آدھ صدی کے بعد نام بھی نہیں رہتا	216
299	صوفیاء کرام بیخود کے کشف والہام کو شریعت کے ترازو میں تولنا چاہیے	217
300	اکثر صوفیاء کی نماز کے مسائل سے عدم واقفیت	218
301	اللہ تعالیٰ نے سلسلہ نقشبندیہ کو ہندوستان میں عروج نصیب فرمایا	219
302	گمنامی — مشائخ چشت کا شیوہ	220
304	عالم کا محض بندگی اور احاطہ علی اللہ	221
304	صوفیاء کے مکاشفات قلعہ ہونے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں	222
306	کمالات نبوت اور کمالات ولایت	223
306	سلاسل طریقت میں بدعات کو رائج کر بضرارت ویرکات سے محرومی کا سبب ہے	224
308	کافروں کی مذہبی رسومات سے دلی طور پر نفرت ہونی چاہیے	225
309	کیا ابن عربی بیخود ارواح کا طین کے قدم اور ازلیت کے قائل تھے؟	226
310	اتباع امت کے مقابلے میں ناقص صوفیاء کے کشف کی حیثیت ہی کیا؟	227
310	دل کا اصل مرض اس کا غیر اللہ کی محبت میں گرفتار ہونا ہے	228
311	شیخ محمد الدین ابن عربی بیخود کے متعلق مختلف نظریات!	229

تاریخ

315	واقعہ خرو و واقم اور اعلیٰ بیت نبوی ﷺ کی دوراندیشی	230
-----	--	-----

231	تاریخ نمک "روح الروح" کا قلمی نسخہ اور اس پر کام کی ضرورت۔	316
232	شیعہ سنی اتحاد کے لیے شرائط اور "تاریخ ثوری"۔	317
233	ان غلدون اور امیر تیمور کی ملاقات۔	317
234	خارجیت اور تاصیبت۔	319
235	شہر قسریں، جسے حضرت خالد بن ولیدؓ نے فتح کیا تھا۔	322
236	قرامطی کی تاریخ اور امام غزالیؒ کی کتاب "فضائل اہل طیبہ"۔	322
237	حضرت ابو ہریرہؓ کا نوٹوں کی حکومت سے پناہ مانگنا۔	325
238	کیا جنت البقیع اور جنت المعلیٰ میں تدفین قابلِ فخر ہے؟	326
239	حاج خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن	327
240	شیخ فرید الدین گنج شمسؒ کا فیض روحانی اور حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا۔	333
241	وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے نظریات کا تاریخی پس منظر۔	337
242	بیت اللہ کے مقابلے میں بیت المقدس کی عظمت دشمنانِ بڑھانے والے اور ان کا انجام۔	346
243	قانون التواؤیل	350

تخصیصات

244	ہر وہ مال اور مولا تا برکت اللہ بھوپالی امریکہ میں۔	353
245	مواہن سنگھ درلچہ مندر پر تاب اور نذر اخبار۔	355

246	مولوی ذکا اللہ اور تاریخ ہند۔	358
247	علامہ شبلی نعمانی، خوبہ حسن نگاہی اور لالہ چند دلال۔	359
248	قرآن کریم کے انگریزی تراجم۔	361
249	نکیم عہد انلوپاں انصاری اور علامہ اقبال۔	362
250	گاندھی جی اور عروہ پانی۔	363
251	دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہما جو بڑے دور حکومت میں باعث آتش فشاں بن سکتے تھے؟	364
252	خلیفہ ہارون الرشید، عہد اللہ بن مبارک اور ابو سعید خدری۔	365
253	تاج بن یوسف اور عبدالرحمن بن مسلم خراسانی۔	366
254	علامہ صدر اور ان کی کتابیں۔	367
255	مولانا حکیم محمود احمد برکاتی رحمۃ اللہ علیہ اور فلسفہ و عقائد۔	368
256	امام ابو بکر خضاف الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ ——— خاندان، نو ماہ و منتظر۔	368
257	مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور جوزف ہورٹس۔	370
258	ان تلامذہ طاہری اور ابن عربی کا خواب۔	370
259	خواجه الطائف حسین حالی اور ان کی اہلیہ۔	371
260	خواجه الطائف حسین حالی اور شمس العلماء کا خطاب۔	372
261	”پہلے گورے کی قید میں قراپ کا لے کی“۔	372
262	میراجیس کی جلی کا چوری ہونا۔	373
263	درس نگاہی کی کتاب ”مطول“۔	374
264	ہنوز دلی دور است ——— محاورے کی اصل۔	374

265	مولانا آزاد اور جوش ملیح آبادی	375
266	جواہر لال نہرو اور جوش	376
267	علامہ انور صابری اور تصویر	377
268	جوش کی نظم اور مہینہ رنگینگی کی داد	377
269	شکر لال اور اخلاقیات	377
270	مجید لاہوری اور سکھان	378
271	بابا تاجپے شاہ اور درجیت سنگھ	379
272	اورنگ زیب عالمگیر اور شاہجہاں علی آبادی لکھنؤ	380
273	نواب گل علی خان اور داغ دہلوی	381
274	داغ دہلوی کا استغنی اور نواب صاحب کی عنایت	381
275	ابن عربی کا ایک خواب	383
276	بارہویں، تیرہویں صدی ہجری اور عالم اسلام	384
277	جمہد ارواح اور علامہ اقبال کی مرزا غالب و مولانا روم سے ملاقات	385
278	احسان فراموش ملتوں کے مجلس رہنما	387

ادب

279	شاہ عظیم آبادی اور مولانا تاجنا محمدی کے اشعار	391
280	نصیر حسین کی جہلی اور مولانا محمدی کا جواب	392

281	حک آئے نہیں جن کو اور وحدے ساقی۔	393
282	دو شاعر جن کا مولد، سات مرتبہ موجیں اور جہازات سے بھر گیا۔	395
283	میر انیس کی وفات اور یوسف مرزا کا قطع تاریخ وفات۔	395
284	خولید میر درد اور لوگوں کی مدح و قدح۔	396
285	اتش کا صحیح تلفظ۔	396
286	نشی فیض الدین دہلوی کی کتاب ”بزم آفر“۔	397
287	بمعشر شعر امارت و اردو فانی۔	397
288	شاعری میں مبالغہ اور حالی کی مثال۔	398
289	بجز شاعر اور بجز گوئیے۔	399
290	اردو محاورات اور غائب۔	399
291	نفس زندگی اور انطاس حیات کی تشبیہ۔	399
292	حک مسجد کے زیر سایہ اک گھر بنایا ہے۔	400
293	پختی ڈلی اور غائب۔	400
294	فنون لطیفہ اور خواہشیں۔	401
295	بولی سینا اور جان استوار مل۔	404
296	علامہ اقبال کی معاشی پریشانیوں۔	406
297	علم اور معرفت میں فرق۔	407
298	میر بہادر علی حسینی کی ”تھیات“۔	407
299	حک زمین بگم تہیدن کنارہ وی کردی۔	409

300	علاؤ دھبہ میں جب تک سرور ہوتا ہے	410
301	علا نہیں معلوم اب کے سال سے خاتمے پر کیا گذری	411
302	لیریوں کی تعظیم میں دست خوان بچاؤ۔	411
303	خواب حیدر علی آتش اور وحدۃ الوجود۔	412
304	شعاع غلام احمدی مصطفیٰ کی شاعری۔	413
305	انشاء اللہ خان انشاء کی شاعری۔	415
306	میر انیس کی مرثیہ نگاری۔	417
307	میر تقی میر شاعر فطرت۔	417
308	میر تقی میر شاعری کا دریائے نہیں، سمندر تھے۔	420
309	میر کی شاعری کا اعتراف۔	421
310	علا ایک ڈھیری راکھ کی تھی صبح جائے میر پر	423
311	علا آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم	424

اوراد و وظائف

312	مولانا مائی کے نواسے کی مرگی اور ایک عامل کا سورہ مزمل پڑھنا۔	427
313	شب براءت میں یہ دعا بھی پڑھی جائے۔	427
314	سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی التجا۔	430
315	استغفار کے وہ جملے جنہیں کہنے کے لیے گیارہ فرشتے دوڑتے ہیں۔	431

433	ایسی دعا جس کے پڑھنے سے سکون اور دل کا اطمینان مل جائے۔	316
435	مال میں برکت کی نبوی دعا۔	317
436	بنجار کے مریض کے لیے حضرت رسالت مآب ﷺ کی عطا فرمودہ تحریر۔	318
437	ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے غلو، ورگزر، آسانی اور سہولت کی انتظار ہے۔	319
438	غلوں، مصیبتوں اور ٹیٹل سے رہائی پانے کے لیے دو نبوی دعائیں۔	320
441	شدید ہواؤں کا طوفان اور حضرت رسالت مآب ﷺ کی دعا۔	321
441	بیشمار اپنی عاجزی، نالائقی اور بے بسی پر نظر رہے اور دعا مانگتا رہے۔	322
443	اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنا ہی تمام مسائل کا حل ہے۔	323
443	حضرت رسالت مآب ﷺ ایک ایک مجلس میں سو سو مرتبہ سے زیادہ جو دعا مانگتے تھے؟	324
444	حضرت رسالت مآب ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو دعا خاص طور پر ارشاد فرمائی۔	325
455	استغفار کے وہ کلمات جنہیں کثرت سے پڑھنا چاہیے اور ”سید الاستغفار“۔	326
463	جو دعا کے ذکر کو لے ہیں وہی قبولیت کا ذریعہ بھی کھولتے ہیں۔	327
465	اللہ تعالیٰ کی رحمت کو مستوجب کرنے کے لیے خاص کلمات۔	328

منصرفات

471	تیسویں صدی کا سب سے بڑا تحفہ۔	329
-----	-------------------------------	-----

471	استعماری راج نے دنیا کو جنم کدہ بنا دیا۔	330
472	شرح اشارات کہ جرح اشارات؟	331
472	۵۸۲ھ میں مصر کے نجومیوں کی پیشین گوئی اور اس کا انجام۔	332
474	یورپ کی سائنسی ترقی میں مسلمانوں کا حصہ۔	333
475	اونٹ اور ہندوستان کی معاشرتی زندگی۔	334
475	دنیا میں حسد اور آخرت میں جہنم کی آگ میں جلنے والے	335
476	اہل علم تجارتی گھے اور جہاں کی تحفیں گرم ہو گئیں۔	336
477	کیا غفلت میں گزری، زندگی کی بھی قطعاً ممکن ہے؟	337
477	حصولِ علم کے مختلف مراحل اور نیت کی درنگی	338
478	دربار الہی میں حاضری اور ناپاکی کا کوئی میل نہیں۔	339
478	حاتم طائی کی فصاحت	340
479	”رتجھ“ اور مرزا غالب کی وضاحت	341
479	سکھن، انباغ اور سوتن	342
480	دنیا نے سیاست حاکب الذہن شخص کی طلبکار ہوتی ہے۔	343
482	جراث اور جوارش چالائوس	344
483	سبز یوں کا گہرا رنگ اور کلوروفل	345
483	قریش کی فصاحت و بلاغت	346

487	ابن خلدون پر ڈاکٹر طحسین کوڑھٹا چاہیے۔	347
487	کتاب ”سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم“ اور ”حسن تواریخ“	348
488	منہدی بہاؤ الدین سے شائع ہونے والا رسالہ ————— ”صوفی“	349
489	سندھ کی پہلی مفصل اور مستقل تاریخ	350
489	لاہوری نمک	351
489	کاغذ سازی اور سیالکوٹ	352
490	کاغذ کے علاوہ اور کسی چیز پر کتابت نہ کی جائے، خلیفہ ہارون الرشید کا شاعر فرمان	353
490	کیا پشٹانوں اور افغانوں کے آپاؤ اچھا دوسرا نکلی تھے؟	354
492	علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی ”سیرۃ النبی ﷺ“ اور ”الفاروق“ کے لیے بیگم بھوپال اور سرکار آصفیہ حیدر آباد کی مالی سرپرستی	355
493	دو دس خوش نصیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہیں ہار ہر جنت کی خوشخبری سنائی گئی۔	356
495 کرنے کا ایک کام۔	357
495	تاج محل آگرہ۔	358
498	قبر پرستی، جاہل جبر اور من گھڑت کرامات۔	359
499	بادشاہی فقیری اور علم۔	360
501	کتب عقیدہ۔	361
502	قصیدہ در مدح حضرت زین العابدین علیہ السلام	362

505	عربوں کا معاہدہ اور یمنین.	363
505	چراغ حسن حسرت اور زاہد خشک.	364
506	شورش کاشمیری اور مولانا حسرت کی عیادت.	365
506	ماسوا فیروز اور اس کی نفی لازم ہے.	366
507	اشاریہ — رینڈ آلس.	367

کہتا ہے کون نالہ بلبل کو بے اثر
پردے میں گل کے، لاکھ جگر چاک ہو گئے



عَزَّ وَجَلَّ وَتَسْتَغْفِرُ لَهُ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ
 وَفَعُولٌ إِنَّ اللَّهَ جَدُّكَ وَأَنْتَ بَيْنَ يَدَيْهِ أَعْلَمُ
 مَنْ خَلَقَ اللَّهُ فَكَفَيْتَ الْوَسْطَى وَنَحْنُ بَيْنَ يَدَيْهِ
 وَتَشَدُّدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَتَشَدُّدُ أَنْ لَا شَرِيكَ لَهُ
 وَتَشَدُّدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَتَشَدُّدُ أَنْ لَا شَرِيكَ لَهُ
 وَتَشَدُّدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَتَشَدُّدُ أَنْ لَا شَرِيكَ لَهُ

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي



نہ پوچھ شمسہ مرہمِ چراغِ دل کا
کہ اُس میں ریزہ الماسِ جزوِ عظم ہے

مَدَنی مَدَنی

صَلِّ عَلٰی

اے نادرِش آدم صَلِّ عَلٰی
اے مُرسلِ خاتم صَلِّ عَلٰی
اے رافت و رحمت صَلِّ عَلٰی
اے عُلق مجسم صَلِّ عَلٰی
اے حاضرِ محشر صَلِّ عَلٰی
اے رجبِ پیہم صَلِّ عَلٰی
یا اسمک احمد صَلِّ عَلٰی
اے کامِ محمد صَلِّ عَلٰی

تو شوق و عقیدت کا مرکز
تو منزل ہے تو رہبر ہے
تو گلِ جگ کی ہدایت کا ضامن
تو صدق و صفا کا پیکر ہے
تو غیب کا خیرِ صادق ہے
تو جنتِ وادِ محشر ہے

اے رافعِ اِزْکَع صَلِّ عَلٰی
اے شافعِ اِخْلَع صَلِّ عَلٰی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وہ شاہ بنے مظلوم تھے جو
 پابوش ہوئے ، محجور ترے
 پھر ظلم کی رسوں کو روکنا
 سب میر زماں ، مجبور ترے
 انصاف و ظلم کو عام کریں
 خدام صفا ، دستور ترے
 ترے قلب کی راحت صَلَّی عَلَیْ
 تری روح کی بہت صَلَّی عَلَیْ
 جو ہجرت پہ مجبور ہوئے
 اور درد اور دکھ سے چور ہوئے
 انصار جنہوں نے نصرت کی
 وہ حاضر اور منصور ہوئے
 تری آنکھوں کے تارے، پیارے تھے
 وہ قاتل اور مغفور ہوئے
 اے قاتل کیا صَلَّی عَلَیْ
 میرے آقا ، مولیٰ صَلَّی عَلَیْ
 کل خلق جو غرق عسایاں تھی
 وہ تیری وجہ سے بخشی مئی

وہ راہ جو تو نے دکھائی تھی
 وہ نسبت بیشاؤ ، واصل تھی
 احسان ترا ہے تاپہ ابد
 اس راہ پہ جو کہ موصول تھی
 اے محسن و موصول صلّ علی
 اے ہادی و مرسل صلّ علی
 اب قُرب و بعد کا فرق مئے
 اب شام و غائب یکساں ہو
 اب دل کے سارے روگ مٹیں
 اب اس کو حضوری حاصل ہو
 بس دل ہی دل بن جاؤں میں
 کل عمر کے عشق کا حاصل ہو
 ہے صبح و مساء اب صلّ علی
 اے ہادی و مہدی اب صلّ علی
 اسراء و لقاء کی منازل کے
 اک تم ہی صاحب عرقاں ہو
 اک تم ہی وفا کا مرکز ہو
 اک تم ہی جان جاناں ہو

سب شاہ و گدا خادمِ ظہرے
 اب تم ہی میرے میراں ہو
 اب درد ہے ہر دمِ خلقِ علی
 اب آنکھیں پُر دمِ خلقِ علی
 جس شخص پہ حیرتی نظر اُٹھی
 وہ حاضرِ خلقِ خدا ظہرے
 جس جا پر تیرے پاؤں پڑے
 عشاق نے واں پر سجدے کیے
 جب در پر حاضر تیرے ہوئے
 سو شوق سے سب یہ کہنے لگے

اے نافع و ارفعِ خلقِ علی
 اے رافع و ارفعِ خلقِ علی
 اے درد کے مرہمِ خلقِ علی
 اے سرورِ عالمِ خلقِ علی
 اے ساقیِ کوثرِ خلقِ علی
 اے منزل و رہبرِ خلقِ علی
 اے قہرِ تاجاںِ خلقِ علی
 ہر درد کے درماںِ خلقِ علی

عناوین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
1	عقائد	37
2	تفسیر القرآن الکریم	77
3	حدیث مبارکہ	113
4	سیرت النبی ﷺ	151
5	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم	189
6	فقہ	229
7	تصوف	271
8	تاریخ	313
9	شخصیات	351
10	ادب	389
11	اورادو و وظائف	425
12	مترقات	469

جَوَادٌ كَرِيمٌ، نَبِيُّ الرَّحْمَةِ وَالْهُدَى
 شَمَائِلُهُ عَفْوٌ، مَنَبَعُ الْجُودِ وَالْوَقَا
 لَهُ الْمَكَارِمُ وَالْحَوْضُ وَالشَّفَاعَةُ وَاللَّوَا
 لَهُ السَّلَامُ مِنْ رَبِّهِ مَا تَبَارَتْ الصَّبَا
 مَلِكُ الْمَلِكِينَ سَيِّدُ السَّيِّدِينَ

ترجمہ: نہایت نئی، بہت عزت والے، رحمت اور ہدایت کے نبی،
 جن کا طرز عمل ہمیشہ دشمنوں کو معاف کرنا رہا اور جو سخاوت کا مرکز اور
 وعدوں کو پورا کرنے کا منبع رہے۔ جتنی بہت بلند مقامات ملے،
 حوض کوثر ان کا ہے، شفاعت کا مقام انہیں ملے گا اور قیامت میں
 سب سے بلند انہیں کا جہنم ہوگا۔ ان کے پروردگار کی طرف سے
 ہمیشہ ان کو سلام پہنچتا رہے، جب تک کہ باوجود باطنی رہے۔

رشحات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بفضلہ سبحانہ و تعالیٰ تقریباً پچھلے پینتیس برس سے دنیا کے مختلف ممالک اور مختلف مقامات پر دروس کا سلسلہ جاری ہے اور بعض احباب ان دروس اور فنی محافل میں بھی علمی اور تحقیقی مضامین کو ریکارڈ یا قلمبند کرتے رہے۔

ان کی طباعت کے لیے بھی مدت سے اصرار تھا لیکن ”ایمانا قدس اعود ہشفاں“ کے قاعدے سے احساسی مسئولیت ہمیشہ طبیعت پر غالب رہا۔ ادھر چند برس سے حالات نے ایسا پلان کھایا کہ ہاؤس ٹنڈو است و بکراہت اس کمزوری دوا کی جرہ ریزی کرنی پڑی۔ سہارا صرف یہ ہے کہ قَسَمُ اَنْ نُّکْرَهُوَ شَبْنًا وَنَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ مختلف احباب نے بہت باتیں قلمبند کر کے بھجوا دیں، لیکن ایک تو اب نئے سرے سے ان تمام علمی و تحقیقی باتوں کے لیے مراجعت کتب اور ان کی استناد پر اطمینان اور دوسرے، زبان کی تبدیلی کہ گفتگو اور تحریر کی زبان بالعموم مختلف ہوا کرتی ہے، تو اس تبدیلی کے لیے محنت کرنا، یہ دونوں کام جہاں وقت طلب تھے وہاں عرق ریزی بھی کرنا پڑی۔

بفضلہ سبحانہ و تعالیٰ یہ ہفت خواں رسم (A Herculean Task) مکمل ہوا اور اب یہ یقین و اطمینان ہے کہ جو کچھ اس خرچیلے میں ہے، مستند ہے، قابلِ مجرورہ ہے اور اہل السنہ و الجماعت کے مسلک کے مطابق ہے۔

طباعت و اشاعت وغیرہ کے جان لیوا مراحل ابھی باقی ہیں اور یہ ”قطرہ“ کب

”گوہر“ ہے؟ غلت ہے نہ

۔ پڑا وہ اسے دل وابستہ، چٹائی سے کیا حاصل

مگر پھر تاپ زلف پر چمن کی آزمائش ہے؟

کتا ہوں کا کوئی حوالہ نہیں۔ ضرورت مند خود محنت کر کے اپنی تسکین کا سامان پیدا کریں
اگر بدرجہ اضطراب کوئی ضرورت پیش آئی جائے اور مراجعت کتب کے باوجود
گوہر مقصود ہاتھ نہ آئے تو خط کی زحمت اٹھائیں۔

مختر شین و حسا سے دست بستہ معافی، سہی الا حاصل نہ فرمائیں۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ صرف نظر فرمائیں اور چشم پوشی سے، محض اپنے فضل و کرم،
عتایت و نوازش سے، اسے قبول فرمائیں تو ”ہضاعۃ مزہ جاف“ لٹکانے لگی اور اگر یہی
حاصل نہ ہوا تو پھر مختر شین و حسا کو مبارک ہو۔

۔ إن كان لي عند مسلمٍ قبول

فلا أسالي بما يقول العذول

والحمد لله الذی بنعمته تم الصلحت .

سعید

۲۵، جمادی الثانی ۱۴۳۵ھ

برطانیہ 28، اپریل 2014ء بروز جمعہ

عقائد

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ
وَالْكِتَابِ الَّذِي آتَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَخْفَرْ بِاللَّهِ وَعَلَيْكُمُوعْتَابُهُ وَرُسُلِهِ
وَالنَّبِيِّمُ الْأَخِيرِ فَقَدْ حُصِّلَ خَلْدُكُمْ بِعَيْنِنَا.

(پ: ۵، سورۃ النساء، آیت: ۱۳۶)

اے ایمان والو! ایمان لاؤ

① اللہ تعالیٰ پر

② اور اس کے رسول (ﷺ) پر

③ اور اس کتاب (قرآن کریم) پر جو اس نے اپنے رسول (ﷺ) پر نازل کی ہے۔

④ اور ان تمام کتابوں پر جو اللہ تعالیٰ اس (کتاب) سے قبل نازل کر چکا ہے۔

اور پھر جو شخص بھی انکار کرتا ہے

① اللہ تعالیٰ کا

۱

② اس کے فرشتوں کا

۱

③ اس کی کتابوں کا

۱

④ اس کے رسولوں کا

۱

⑤ قیامت کے دن کا

تو یہ شخص گمراہی میں بہت دور جا پڑا ہے۔

دو باتیں، جن میں بہت احتیاط درکار ہے۔

(فرمان)

دو باتوں میں بہت احتیاط درکار ہے۔ کبھی غفلت نہ برتنی چاہیے۔ ایک تو ”نَفُوْلٌ عَلٰی اللّٰہ“ (اپنی طرف سے کوئی جھوٹ گھڑ کر اللہ تعالیٰ کے ذمے لگا دینا) مثلاً اپنے مفاد کے لیے دین کو استعمال کرنا، اپنے مخالف کو ڈرانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسی وعید اور خوف کی بات سنانا جو اللہ تعالیٰ نے نہیں کہی، کسی سے خوش ہو کر اسے ایسی بشارتیں دیتے پھرنے جو اللہ تعالیٰ نے نہیں دیں۔ اپنی ذات کے تَزْلُوع اور غفلتی کے لیے اللہ تعالیٰ کا نام لے لے کر اپنے متعلق اچھے جملے کہنا۔ اللہ تعالیٰ کے ذمے ایسے ایسے مسائل لگانا جن کا شریعت میں کوئی وجود نہیں، جہالت اور بدعات و رسومات کو گھڑنا اور لوگوں سے یہ کہنا یا یہ تاثر دینا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، یہ سب کچھ نَفُوْلٌ عَلٰی اللّٰہ یعنی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہے۔

اور دوسری بات جس سے بہت بچنا چاہیے وہ یہ ہے کہ اپنی زبان سے کوئی بات کہے اور پھر پوری نہ کرے۔ دعویٰ کرنا کہ میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی بھی کام کرنے کو تیار ہوں اور پھر جب موقع آئے تو بھاگ کھڑے ہوں، دعویٰ کرنا کہ ہم غرباء و فقراء کے حجاب و مادی چیزیں اور وقت آنے پر اپنی دولت و سنت کر رکھ لینا، دعویٰ اسلام کا اور اعمال منافقت پر مبنی، اظہار ایمان اور درونِ خانہ کفر۔

یہ دونوں اعمال ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے غصے اور غضب کی آگ پر تیل ڈالنے کے مترادف ہیں۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ تَعَالٰی مِنْ جَمِیعِ الْاِثْمِ وَالْفِتَنِ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ اور صحیح عقیدے کی ترویج۔

﴿فرمایہ﴾ اسلامی حکومت کے فرائض میں سے ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے عوام کو صحیح عقیدے کی دعوت دے اور اس کی ترویج بھی کرے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ عقیدے کے اعتبار سے اشعری اور مسلک کے اعتبار سے شافعی تھے۔ عوام کے عقیدے کی ایسی فکر تھی کہ امام محمد بن ہدہ لکھی رحمۃ اللہ علیہ نے اشاعرہ کی تصریحات کے مطابق عقیدے پر ایک کتاب لکھی اور اس کا نام رکھا "حدائق الفصول وجواهر العقول" یہ کتاب صحیح عقیدے کی وضاحت میں لکھی گئی اور امام نے اسے نثر کی بجائے نظم میں تحریر فرمایا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ نظم پیش کی گئی تو انہوں نے ملاحظہ فرمایا۔ نہایت خوش ہوئے اور حکم دیا کہ پوری مملکت کے مدارس میں اس نظم کو داخل نصاب کیا جائے۔ بچے اسے یاد کریں تاکہ ان کا عقیدہ صحیح اور پختہ ہو۔ سو اسوہ پر قلم یہ مصرعے چھپی تھی اور اب نایاب ہے۔ کتاب کیا ہے، سالہ ہے لیکن حضرات اہل السنۃ والجماعۃ (اشاعرہ) کے عقائد کی خوب ترجمانی کی گئی ہے۔

معتزلہ کے وضع کردہ پانچ بنیادی اصول اور ان کا انہی سے انحراف۔

﴿فرمایہ﴾ تمام معتزلہ اور ان کا پورا اعتزال خود انہی کے وضع کردہ پانچ اصولوں پر مشتمل ہے۔
① التوحید: توحید اگرچہ ہر مسلمان ماننا ہے اور اس کے بغیر ایمان ہی درست نہیں ہوتا لیکن معتزلہ توحید میں اتنا مبالغہ کرنے لگے کہ صفات باری تعالیٰ تک میں اعتدال سے

ہٹ کر گمراہی کی راہ اختیار کی۔

① عدل: یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے بغیر دین ہی قائم نہیں ہوتا لیکن انہوں نے عدل میں اتنا مبالغہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت مفقوت اور صفت رحمت سے صرف نظر کر لیا۔

② وعدہ وعید: یہ مسئلہ اگرچہ حق ہے اور امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اس مسئلے پر بحث کی ہے لیکن معتزلہ نے یہاں بھی اپنے کو ”اہل السنۃ والجماعۃ“ کی راہ سے الگ کر لیا۔

③ المعتزلۃ بین المنزلین: یہ مسئلہ بھی بہت واضح تھا جو شخص بھی اسلام سے خارج ہوا، کفر میں داخل ہو گیا لیکن معتزلہ نے مرتکب کبیرہ کے متعلق یہ دعویٰ کیا کہ نہ وہ شخص مطلقاً مومن ہے اور نہ مطلقاً کافر ہے بلکہ دونوں کے درمیان کی منزل میں ہے۔

④ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر: یہ اسلام کی اساس ہے لیکن انہوں نے تشدد کی راہ اپنائی اور اپنے معاصرین محدثین کو نہ صرف گمراہ قرار دیا بلکہ تشدد سے بھی باز نہ رہا۔

جس شخص نے بھی معتزلہ اور اعتزال کو سمجھنا ہو وہ ان پانچ اصولوں پر ان کے موقف کو غور سے پڑھ لے تو نہ صرف یہ سمجھ جائے گا کہ معتزلہ کیا ہیں بلکہ اسے بتو بی معلوم ہو سکے گا کہ اہل تشیع نے اپنے عقائد و حقیقت کہاں سے لیے ہیں۔ اہل تشیع جو جادو کا انکار کرتے ہیں، رویت باری تعالیٰ کو نہیں مانتے، حضرات صحابہ کرام رحمہم اجمعین پر طعن و تشنیع کرتے ہیں اور توحید اور عدل کی دعوت دیتے ہیں تو ان کا اصل مقصد کیا ہے اور یہ نظریات کہاں سے اخذ کیے گئے ہیں؟

۱۳۶ھ میں شریعت دار مولوی سید علی الحارثی لاہوری نے ”منہاج اسلامہ“ کے نام سے شیعہ عقائد پر، کتاب مکھی تھی اور وہ کتاب اسی وقت لاہور میں مطبع اسلامیاہ پریس میں

مولوی کرم بخش صاحب کی حسن عنایت سے چھپ بھی گئی تھی، انہوں نے اس کتاب میں توحید، عدل اور شیعہ عقائد وغیرہ کو بہت آسان زبان میں لکھا ہے، اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے عقائد اور معتزلہ کے عقائد میں کیا اتفاق اور کیا اختلاف ہے۔ اس کتاب کی فوٹو کاپی ہمارے ہاں کے ذخیرہ کتب میں موجود ہے اور معتزلہ کے جن پانچ اصولوں کا ابتداء میں ذکر کیا گیا ہے، ان کا بھی اگر تفصیلی مطالعہ کرنا ہو تو محمود بن محمد الملاحی الخوارزمی کی کتاب ”کتاب الفائق فی اصول الدین“ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ یہ کتاب بھی اپنے ہاں کے ذخیرے میں محفوظ ہے اور اس کے مصنف رکن الدین محمود الاصولی بن عبید اللہ الملاحی الخوارزمی المتوفی ۵۳۶ھ قاضی عبدالبہار معتزلی کے اس مدرسے کے مدرس تھے جس مدرسے کی بنیاد عتاف، جعفر بن حرب، جہانگیر، جہانگیر، ابوعلی بن خلاد اور ابو ہاشم ہشید یو، جیسے اکابر معتزلہ کے افکار و نظریات پر تھی۔ یہ محمود الملاحی معتزلہ کے بارہویں طبقہ سے تعلق رکھتا تھا اور ابو عمر وقاشانی، ابو محمد خوارزمی، ابو رشید سعید نیشاپوری وغیرہ کے ہم پلہ معتزلی تھا۔

حنفیہ کثر اللہ سوادہم کے نزدیک خلافت راشدہ کا انکار۔

فرمایا: حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی خلافت راشدہ اگرچہ قطعی طور پر کتاب و سنت سے ثابت ہے لیکن اگر کوئی شخص ان حضرات کی خلافت کا راشدہ ہونے سے انکار کرے تو فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ کے نزدیک وہ کافر نہیں ہوگا کیونکہ وہ ضروریات دین جو کافر کو دائرۃ اسلام میں داخل کرتی ہیں ان کا انکار ہی اسے اسلام سے خارج کرے گا ہر ایک

قطعی چیز کا اقرار نہ تو کافر کو اسلام میں داخل کرتا ہے اور نہ ہی ہر ایک قطعی چیز کا انکار مسلمان کو اسلام سے خارج کرتا ہے۔ مولانا احمد رضا خان صاحب کے والد مرحوم نے اس موضوع پر تفصیل سے ایک فتویٰ لکھا تھا جس کا تذکرہ ”فتاویٰ رضویہ“ میں بھی کیا گیا ہے۔

جن مشائخ کے اپنے عقائد ہی اہل السنۃ والجماعۃ کے مطابق نہ ہوں
وہ دوسروں کی کیا رہنمائی کریں گے؟

فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ نصیب فرمائے اور تمام عمر کوئی کشف، صحیح خواب، ووجد، الہام، کچھ بھی نہ ملے، صرف یہ عقیدہ اور اتباع سنت کی دولت ملے تو اسے سب کچھ ملا۔ تمام کائنات سے بڑی دولت ملی۔ کوئین عطا فرمائے تو ان دونوں نعمتوں کے مقابلے میں اس کی کچھ حقیقت نہیں اور اگر یہ دونوں نہیں تو ہر شب اپنے کو عرش معلیٰ کا طواف کرتے دیکھے اور ہر دن حضرت رسالت پناہ ﷺ کی زیارت بھی خواب میں ہوتی رہے تو بھی خسارے میں رہا۔ برباد ہوا اور جہنم کا کندہ بنا۔ حضرت خولید عبید اللہ احرار رضی اللہ عنہ کیے ازا کا برین سلسلہ عالیہ نقشبندیہ نے کیا خوب فرمایا:

اگر احوال و مواجید را بما و بند و حقیقت ما را با عقائد اہل سنت و جماعت
نوازند جز خرابی نیچہ نمیدانیم و اعتقاد اہل سنت و جماعت را بد بند و
از احوال نیچہ نہ بندنم نہ اریم۔

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ اگر تصوف کے تمام احوال و وجد وغیرہ تمام دلیلیں بخشے اور ہمارا عقیدہ اہل السنۃ والجماعۃ کے مطابق نصیب نہ فرمائے تو سوائے بربادی

کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ اور اگر صرف عقیدہ اہل السنۃ والجماعہ کا عطا فرمادیں اور تصوف کے احوال اور وہ غیرہ کچھ نہ عطا ہو تو کوئی غم نہیں۔
اس لیے جن مشائخ کے عقائد ہی اہل السنۃ والجماعہ کے مطابق نہ ہوں، وہ خود ہی گمراہ ہیں، کسی اور کی رہنمائی کیا کریں گے؟

﴿شفاعت، برحق اور اسے ماننا صحیح عقیدے میں شامل ہے۔﴾

﴿۹﴾ ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ روز محشر اللہ تعالیٰ کی اجازت اور اس کی خوشی کے مطابق اپنی امت کے نیک و بد، ہر شخص کی مدد فرمائیں گے۔ ان کی اسی مدد اور سفارش کا نام ”شفاعت“ ہے اور اہل السنۃ والجماعہ کے نزدیک ”شفاعت“ برحق اور اسے ماننا صحیح عقیدے میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام شفاعت کرے گا، حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کے لیے شفاعت کریں گے۔ فرشتے شفاعت کریں گے، علمائے راسخین اور حضرات اولیاء کرام رحمہم اللہ شفاعت کریں گے۔ حفاظ شفاعت کریں گے۔ جو لوگ حساب و کتاب سے خارج ہو کر جنت جا رہے ہوں گے، وہ شفاعت کریں گے۔ والدین اور اولاد ایک دوسرے کی شفاعت کریں گے حتیٰ کہ وہ بچہ جو ولادت سے پہلے ہی انتقال کر گیا تھا، اپنے والدین کی شفاعت کرے گا اس لیے شفاعت سے انکار کرنا گمراہی ہے۔ اہل السنۃ والجماعہ کا یہ عقیدہ کتاب و سنت کی واضح نصوص سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام شفاعت کرنے والوں کو اجازت مرحمت فرمائیں گے اور خوش ہوں گے کہ آج کے دن ان گنہگاروں کو جہنم سے بچانے کے لیے ان کی مدد کرو، تو اللہ تعالیٰ کی خوشی اور

اجازت کے بعد ہی یہ شفاعت یا مدد ہوگی۔

شفاعت کبریٰ تو حضرت رسالت پناہ ﷺ ہی کا خصوصی مرتبہ اور مقام ہے۔

فرمایا: جن احادیث میں اس طرح کے قبیلے آئے ہیں کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے اپنے اہل خانہ اور اپنے قبیلے کے افراد سے یہ ارشاد فرمایا کہ وہ قیامت میں ان کے کام نہیں آئیں گے تو اس سے مراد شفاعت کی نفی نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اگر اس دن تم لوگ، ایمان ساتھ لے کر نہ آئے اور کافروں کے گروہ میں شامل ہوئے تو پھر میں تمہاری مدد نہیں کر سکوں گا کیونکہ شرعی کافر کے لیے کوئی شفاعت کلی طور پر کام نہ آئے گی البتہ جزوی طور پر ایسے کام آ سکتی ہے کہ کسی کافر کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے جیسا کہ آگ کے جوتے پہنانے کا صحیح حدیث میں آیا ہے۔

حضرت رسالت پناہ ﷺ کی یہ مدد یا شفاعت ان کے لیے تو ہوگی ہی جو اس امت کے مسلمان افراد تھے اور کبیرہ گناہوں سے توبہ کیے بغیر دنیا سے رخصت ہو گئے یا توبہ تو کی لیکن اللہ تعالیٰ نے قبول نہیں فرمائی تھی تو اب شفاعت سے بخشے جائیں گے۔ یہ شفاعت مبارکہ ان لوگوں کے لیے بھی ہوگی اور انہیں بھی نفع پہنچائے گی جو نیکو کار اور صالح و متقی افراد تھے چنانچہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں بارگاہ خداوندی میں لے جائیں گے اور عرض کریں گے کہ یہ انس بن مالک ہیں، میری بہت خدمت کی ہے ان کو جنت میں داخلے کا پروانہ عطا ہو۔ حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ تو ویسے بھی جنتی ہی تھے یہ ایک خاص اعزاز ہو گا کہ

تمام کا ہاتھ اپنے آقا صوفی، حضرت سید الکونین، رسالت مآب ﷺ کے ہاتھ میں ہوگا۔
 حضرت رسالت پناہ ﷺ کی یہ مدوان لوگوں کو بھی ان شاء اللہ پہنچے گی جو اس دن آپ
 سے ہاتھ ٹٹانے کی درخواست کریں گے۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سائی پادری تھے اور
 ”قدس“ کے گرجے میں رہتے تھے جب حضرت رسالت پناہ ﷺ کی خبر ملی تو ایک بہت
 بڑے مشقت سفر کے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ اور عرض کیا کہ مجھے کچھ عطا
 فرمادیں۔ حضرت رسالت مآب ﷺ کا جو دستخط اپنے حلقہ میں تھا ارشاد فرمایا کہ
 ”قدس“ کا پورا علاقہ تم کو دے دو۔ یہ علاقہ اس کا اور اس کی اولاد کا ہے۔ ان کے پچازاد
 بھائی حضرت سیدنا عبدالجبار بن حارث رضی اللہ عنہ بھی مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ حضرت
 رسالت پناہ ﷺ نے حسب معمول نام دریافت فرمایا تو انہوں نے عرض کیا ”جبار“ ارشاد
 فرمایا نہیں، یوں کہیے کہ عبدالجبار، اسلام قبول کیا اور بیعت ہوئی۔ عرض کیا گیا کہ عبدالجبار
 بہت اچھے گھڑ سوار ہیں۔ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے گھوڑا منگوایا، انھیں سوار کرایا۔ کچھ
 عرصہ ان کا قیام ہوا مختلف غزوات میں شرکت بھی کی اور چونکہ خود ماہر گھڑ سوار تھے اس
 لیے گھوڑوں کی خاص نگرانی کرتے رہے۔ گھوڑے اپنی جنسی خواہش کے اظہار کے لیے
 اور بعض دیگر وجوہ کی بنا پر بھی نہہنا تے ہیں اور ایک مرتبہ ان کا نہہنا ناہند ہو گیا۔ جب کئی
 دن تک حضرت رسالت مآب ﷺ نے نہہنا نہیں سنا تو حضرت عبدالجبار رضی اللہ عنہ کو
 طلب فرمایا اور وجہ دریافت کی۔ انہوں نے عرض کیا کہ مجھے معلوم ہوا تھا کہ ان گھوڑوں کی
 آواز سے آپ کو (نیند و فیورہ) میں وقف محسوس ہوتی ہے اس لیے میں نے ان کی جنسی
 خواہشات ختم کرنے کے لیے انھیں خصی کر دیا ہے۔ حضرت رسالت مآب ﷺ نے

آئندہ گھوڑوں کو اس عمل سے گنہگار منع فرمادیا۔

حضرت مہدیاؑ لہجہٴ جلال سے کسی شخص نے کہا کہ آپ کے چچا زاد بھائی حضرت قسیم داریؑ نے جیسے حضرت رسالت پناہ ﷺ سے ”قدس شہر“ تھے میں لیا تھا آپ بھی کوئی درخواست دے دیں۔ تو فرمانے لگے کیا مانگوں، کیا کوئی ایسی چیز جو مجھے دنیا میں نفع دے؟ یا پھر کوئی ایسی بات جو آخرت میں نفع دے؟ مشورہ یہ ملا کہ وہ چیز مانگھی چاہیے جو آج بھی کام آئے تو حضرت مہدیاؑ لہجہٴ جلال نے فرمایا چاہتا تو میں بھی یہی ہوں کہ جلدی سے کچھ مانگ لوں لیکن میں نے حضرت رسالت پناہ ﷺ سے درخواست کی ہے کہ روز محشر جب اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی ہو، اس وقت میری مدد فرمائیں۔

اب یہ جو قیامت میں مدد کے لیے عرض کیا گیا یہ کیا ہے؟ یہ شفاعت یا مدد ہی تو ہے، جو حضرت رسالت مآب ﷺ قیامت میں کریں گے۔ شفاعت صغریٰ تو بہت سے کریں گے لیکن شفاعت کبریٰ تو حضرت رسالت پناہ ﷺ ہی کا خصوصی مرتبہ اور مقام ہے اور اہل السنۃ والجماعہ کا عقیدہ و شفاعت یہی ہے۔ رزقنا اللہ سبحانہ و تعالیٰ بمنہ و بکرمہ۔

دجال ایک متعین فرد ہے۔

فرہ

حضرت رسالت مآب ﷺ نے دجال کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اور صحیح سند سے جو کچھ ہم تک پہنچا ہے، اس کے مطابق، ہم اہل السنۃ والجماعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ دجال ایک متعین فرد ہے، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا امتحان لے گا۔ اس شخص، دجال کو غیر معمولی طاقت اور قدرت دی جائے گی اور وہ اس شخص کو بھی

زندہ کر سکے گا جسے اس نے قتل کیا ہوگا۔ زمین کے خزانوں پر اسے دسترس حاصل ہوگی اور وہ خشک زمینوں پر بارش بھی برسا سکے گا۔ اس کی یہ حرکتیں ہی لوگوں کا امتحان ہوں گی۔ وہ پہلے نبوت کا اور پھر خدائی کا دعویٰ کرے گا اور اس کے یہی کام دیکھ کر لوگ اسے خدا مانیں گے حتیٰ کہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قتل کریں گے۔ کچھ گمراہ فرقوں خوارج، معتزلہ اور جہمیہ نے دجال کا وجود ماننے سے ہی انکار کر دیا اور صحیح احادیث، جو دجال کے بارے میں کتب احادیث میں آئی ہیں، ان کے منکر ہوئے اور اس وجہ سے بھی ان فرقوں کو گمراہ قرار دیا گیا۔

معتزلہ میں سے ابوطی جہانی نے البتہ بعض احادیث کا اقرار کر کے اگرچہ دجال کو ایک حقیقت قرار دیا ہے لیکن پھر بھی بہت سی احادیث اور تفصیلات کا انکار کر کے اپنی گمراہی کو بھی ثابت کیا ہے۔

کیا آخرت میں اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کی زیارت نصیب ہوگی؟

فرمایا: ہم اہل السنۃ والجماعۃ کا یہ عقیدہ ہے کہ آخرت میں اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کی زیارت نصیب ہوگی۔ اور وہ وقت جب وہ اپنے پروردگار کو دیکھیں گے، انتہائی مبارک اور خوشی کا وقت ہوگا۔ جب کہ کافر اپنے پروردگار کی زیارت سے محروم رہیں گے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے پردے میں ہوں گے اور اس نعمت عقلی سے محروم رہیں گے۔ خوارج، معتزلہ، روافض اور مرجہ میں سے بھی ان کے بعض آئمہ، ان سب نے آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رویت کا انکار کیا ہے اور ان کی گمراہی کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

حضرت رسالت مآب ﷺ کے ”انّی“ ہونے کی وضاحت۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت رسالت مآب ﷺ کو ”انّی“ فرمایا ہے اور اس مقام پر ”انّی“ سے مراد ہرگز ہرگز اُن پڑھ، جاہل اور غافل نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص حضرت رسالت مآب ﷺ کے متعلق یہ کہے گا تو اس کا ایمان ہی جاتا رہے گا۔ حضرت رسالت پناہ ﷺ کا ادب، ان کا احترام، ان کے لیے ہمیشہ بلند پایہ الفاظ کا استعمال، ان کا ذکر جمیل اور ان کی تعریف و توصیف ایمان کی اصل اور اس کی جتاء و شادابی کی علامات ہیں۔

”انّی“ کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ”مکہ مکرمہ“ کا رہنے والا۔ مکہ مکرمہ کا ایک نام ”ام القرئی“ بھی ہے۔ قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے دو مقامات پر مکہ مکرمہ کو ”ام القرئی“ فرمایا ہے تو اس نسبت سے ہر وہ شخص جو ”ام القرئی“ (مکہ مکرمہ) کا رہنے والا ہے وہ انّی بمعنی مکی ہے۔ حضرت رسالت مآب ﷺ بھی چونکہ ام القرئی (مکہ مکرمہ) کے رہائشی تھے اس لیے انھیں ”انّی“ یعنی معنی ”مکی“ ارشاد فرمایا گیا۔

یا پھر انھیں اس لیے ”انّی“ فرمایا گیا کہ عربی میں ”امّ“ ہر اس چیز یا شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی دوسری چیز یا شخص کی تربیت کر سکے۔ ماں کو بھی اسی لیے ”امّ“ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کے وجود میں آنے کا سبب یا اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کا سبب بنتی ہے۔ حضرت رسالت مآب ﷺ اپنی بہت مبارکہ کے بعد پوری کائنات کے لوگوں کی تربیت کا سبب ہیں۔ لوگ اگر ان کی تعلیمات کے مطابق تعلیم و تربیت حاصل کریں

گے تو قلاح پائیں گے اس لیے انھیں ”انّی“ بمعنی مصلح و مربی فرمایا گیا۔

یا پھر یہ کہ عربی میں ”الّاٰلہ“ کے معنی ہیں صحیح طور پر، کسی بھی طرف جھکے بغیر، ٹھیک اپنے مقصد کی طرف متوجہ رہنا۔ چونکہ حضرت رسالت مآب ﷺ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ فطرت اور صحیح راہ سے کبھی بھی دائیں بائیں نہیں ہوئے بلکہ ہمہ تن متوجہ الی اللہ رہے اس لیے وہ ”انّی“ قرار پائے۔

باقی ”انّی“ سے جو مراد جہالت یا غفلت ہے تو وہ عام عوام کے لیے ہے کہ انھیں معرفت ہاری تعالیٰ حاصل نہیں ہوتی۔ اُنہیں اس معنی میں کر کے انّی (جاہل اور غافل) ہوا کرتی ہیں اور ان کی طرف مبہوت شدہ حضرات انبیاء ﷺ انھیں علم و معرفت سے روشناس کراتے ہیں نہ یہ کہ حضرات انبیاء ﷺ انّی (جاہل اور غافل) ہوتے ہیں۔ معاذ اللہ۔ اس لیے جو لوگ خود جاہل ہوتے ہیں اور اپنی جہالت کو چھپانے کے لیے یہ کہتے ہیں کہ ہم انّی نبی کے انّی امتّی ہیں تو انھیں سوچنا چاہیے کہ نبی اور امتّی کی ”امتّیت“ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اگر ان دونوں کو ایک ہی معنی میں لیا جائے گا تو حضرات انبیاء ﷺ کی توہین لازم آئے گی۔

کیا بروز قیامت، ہر مومن کے اعمال کا وزن ہوگا؟

(فرمایا)

قیامت میں مومن کے اعمال کا وزن کیا جائے گا یا اس کے اعمال تو لے جائیں گے۔ جن کی نیکیاں زیادہ ہوں گی اللہ تعالیٰ کا فضل ان کے شامل حال ہوگا اور وہ جنت بھیج دیے جائیں گے اور جن کی برائیاں زیادہ ہوں گی وہ یا تو جہنم روانہ کیے

جائیں گے اور یا پھر اللہ تعالیٰ کا فضل، اس کی طرف سے معافی یا شفاعت ان کے کام آئے گی اور وہ بھی جنت میں داخلے کے مستحق ٹھہریں گے۔ جن لوگوں کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں گے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنت بھیج دیے جائیں گے۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر مومن کے اعمال کا وزن ہو۔ آخر اہل السنۃ والجماعہ کا یہ عقیدہ ہے۔ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے بعض لوگوں کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے کہ وہ لوگ بغیر کسی حساب و کتاب کے جنت میں داخل کر دیے جائیں گے تو یہ ظاہر ہے کہ ان کے اعمال کا وزن نہیں کیا جائے گا اور یہ اہل السنۃ والجماعہ کے آخر کی دلیل ہے کہ ہر مومن کے اعمال کا وزن نہیں ہوگا۔ اللہم اجعلنا منهم۔

جنہم مومحدین سے خالی ہو جائے گی کہ کافروں سے؟ ایک شبیہ کا جواب۔

فرمایا: بعض لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جہنم پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ اس میں کوئی کافر باقی نہیں رہے گا۔ جہنم کے دروازے ہواؤں کے چلنے سے بجتے رہیں گے اور وہاں پر کوئی نہیں ہوگا۔ ہمارے دور میں اس عقیدے کا پرچار زیادہ تر وہ لوگ کر رہے ہیں جو یہ باور کرنا چاہتے ہیں کہ تمام دین یہودیت، عیسائیت، اسلام، بدھ مت، ہندومت وغیرہ ایک ہی ہیں اور کوئی بھی مذہب مانو یا لا خرنجات پا جاؤ گے اور یا پھر اس عقیدے کے قائل وہ ہیں جو ختم نبوت کا انکار کرتے ہیں یعنی قادیانی، کہ وہ ختم نبوت کی تاویل کرتے ہیں اور بہر حال اجرائے نبوت کے قائل ہیں۔

ایک تیسرا گروہ کچھ اہل علم کا بھی رہا ہے جنہوں نے اپنی کتابوں میں ایسی آراء کا ذکر کیا

ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے بعض اقوال سے اس عقیدے کو مضبوط کرنا چاہا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ مسلک اور عقیدہ بالکل ردی اور بے کار ہے۔ نہایت گمراہ کن ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ نے اس عقیدے کو مردود قرار دیا ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے مسلک کی وضاحت کی ہے کہ ان حضرات کا فرمانا یہ تھا کہ جہنم پر ایک ایسا وقت آئے گا جب اس میں کوئی مومن باقی نہیں رہے گا۔ یعنی کوئی شخص کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو اگر اس کی موت ایمان پر واقع ہوئی ہے تو یقیناً جہنم پر ایک ایسا دور آئے گا، جب ایسے تمام موصدین اس سے نکال لیے جائیں گے اور انھیں جنت بھیج دیا جائے گا۔ سو جہنم ایسے موصدین سے خالی ہو جائے گی۔ نہ یہ کہ جہنم کبھی کافروں سے خالی ہو جائے گی۔ اور یہی اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے۔

جب خلافت راشدہ کی توہین برسرِ منبر کی جانے لگے
تو صحیح عقیدے کا تحفظ اور تشہیر ضرور کرنی چاہیے۔

فرمایا: ہمارا عقیدہ ہے کہ امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے۔ ان کے دور میں جنگِ بکین اور جنگِ صفین ہوئیں اور وہ ہر اعتبار سے حق پر تھے۔ ان کا مو قف بالکل درست تھا اور ان کے بالمقابل جتنے بھی صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم آئے خواہ وہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، زبیر اور امیر شام سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ جیسی ہستیاں ہی کیوں نہ ہوں، ان سب سے اجتہادی خطا ہوئی ان کا مو قف درست نہیں تھا اور

امیر المومنین سیدنا علیؑ کے دور سے لے کر آج تک اہل حق، اہل السنۃ والجماعہ کا عقیدہ یہی رہا ہے۔ حضرت رسالت مآب ﷺ نے جس صحابیؓ کو سب سے زیادہ ان واقعات، آزمائشوں اور فتنوں کی خبر دی تھی، جو اس امت کو پیش آئیں گے اور ان میں حق پر کون ہوگا اور ان سے زیادہ کسی اور سے ایسی راز کی باتیں ارشاد نہیں فرمائی تھیں، وہ حضرت حذیفہؓ تھے۔ حضرت حذیفہؓ لوگوں کی نصیحت فرماتے تھے کہ دیکھو سیدنا علیؑ کے ساتھ رہنا انہی کا گروہ حق پر ہوگا۔ اور پھر حضرت عمارؓ کی شہادت نے تو بالکل فیصلہ ہی کر دیا کہ خلافت راشدہ بالکل درست ہے اور ان کے خلاف خروج درست نہیں۔ حضرت عمارؓ نے اپنی شہادت سے پہلے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص یہ چاہے کہ اسے جنت میں حورِ مین ملے اسے چاہیے کہ وہ آج صغین کے میدان میں آئے اور شام والوں کا احتساب کرے۔ لیکن خلافت راشدہ کے برحق ہونے اور امیر المومنین سیدنا علیؑ کے موقف کے ہر طرح سے درست ہونے کے باوجود کسی بھی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ان کے خلاف دوسرے گروہ کے صحابہ اور تابعینؓ کی توہین کرے۔ اسے چاہیے کہ ان حضرات کے معاملے میں بھی خدا سے ڈرے، البتہ عقیدہ وہی ہونا چاہیے جو کہ تمام امت کا رہا ہے۔ حضرت معاویہؓ کے بارے میں تو وہ رویہ رہنا چاہیے جو حافظ الحدیث حضرت ابو زرہؓ کا تھا۔ جس شخص نے بھی علم حدیث پر محنت کی ہے وہ جانتا ہے کہ حضرت ابو زرہؓ محدثین میں کیا مقام رکھتے تھے۔ اپنے دور میں یہ ”امیر المومنین فی الحدیث“ کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے ان کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ مجھے حضرت معاویہؓ

سے نفرت ہے۔ انہوں نے جب دریافت فرمائی تو وہ کہنے لگا اس لیے کہ انہوں نے بغیر کسی دلیل کے سیدنا علیؑ کے خلاف جنگ کی۔ تو حضرت ابو زرہؓ نے اسے سمجھاتے ہوئے فرمایا دیکھو حضرت معاویہؓ کا پروردگار بہت رحم ہے اور ان کے فریق مخالف سیدنا علیؑ بہت کریم تھے۔ تو رحیم اور کریم کے درمیان تم دخل دینے والے کون ہوتے ہو؟

مطلب یہ تھا کہ بلا ضرورت حضرات صحابہ کرامؓ کے باہمی اختلافات کو زیر بحث نہیں لانا چاہیے لیکن اگر آج کے دور جیسا زمانہ آجائے اور خلافت راشدہ کی توہین برسرِ منبر کی جائے لگے تو پھر اہل السنۃ والجماعہ کو اپنے عقیدے کا تحفظ اور تفسیر کرنی چاہیے۔

قیامت سے قبل بے شمار جھوٹوں سے امت کا واسطہ پڑے گا۔

فرمان حضرت رسالت مآب ﷺ نے یہ خبر دی کہ ان کی امت میں تمیں ایسے افراد ہوں گے جو نبوت کا دعویٰ کریں گے۔ وہ تمام کے تمام انتہائی جھوٹے اور پرلے درجے کے فریبی بھی ہوں گے۔ اور ان تمیں میں سے ستائیس مرد ہوں گے اور چار خواتین۔ اس اعتبار سے یہ تعداد اکتیس ہو جاتی ہے۔ پھر ایک اور روایت میں آتا ہے کہ ایسے افراد کی تعداد ستر ہوگی۔ اب ستر سے یا تو یہ مراد ہے کہ ان گمراہ قائدین کی تعداد ستر ہوگی یعنی عدد شمار فرمایا اور یا پھر یہ مراد ہوگی کہ بے شمار افراد ہوں گے۔ ستر کا عدد بخیر کے لیے استعمال کیا گیا اور اگر یہی مراد لے لی جائے تو تمیں اور اکتیس جھوٹے دعویداروں کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے کہ ان گمراہ قائدین میں تمیں تو ایسے ہوں گے جو دعویٰ

نبوت کریں گے اور وہ جھوٹے ہوں گے اور باقی بے شمار ایسے گمراہ لوگ انھیں گے جو دعویٰ نبوت تو نہیں کریں گے لیکن ان کے عقیدے گمراہی پر مشتمل ہوں گے۔

حضرت رسالت مآب ﷺ نے جن عقائد کو دین کی بنیاد ارشاد فرمایا اور اُمت جن عقائد پر ہمیشہ متفق رہی اور نسل در نسل ان عقائد کی حفاظت کی جاتی ہے، ان عقائد سے یہ گمراہ قائلین اور داعیین انحراف کریں گے۔ گمراہی کی دعوت دیں گے اپنی جماعتیں تشکیل دیں گے اور عام عوام کو گمراہیوں میں مبتلا کریں گے۔ امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن کواہ کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ وہ جو سرگمراہ ہوں گے، تم بھی ان میں ہو۔ اور امر واقع یہ ہے کہ اس نے نبوت کا دعویٰ تو نہیں کیا لیکن خوارج میں چلا گیا۔ خوارج کے پہلے امیر عبداللہ بن وہب المرادی کے ہاتھ پر سب سے پہلے اسی نے بیعت کی۔ پھر اس نے بارہ ہزار خارجیوں کو جمع کر کے امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت بھی کی اور ان کی تکفیر بھی کی۔ ایک انہی کو کیا، اس ظالم نے تو بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قتل کیا اور کوفہ کے قریب ”حروراء“ کے مقام پر ”یوم التمرہ“ میں امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فوج کے ہاتھوں مارا گیا۔ حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں عبداللہ بن الکواہ کو خلاۃ ردائض میں شمار کیا ہے۔ حیرت ہے کہ ان جیسے باخبر مؤرخ کی نظر اس معاملے میں کیسے چمک گئی حالانکہ یہ عبداللہ بن الکواہ تو امرائے خوارج اور مکملین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھا۔

سو کہنے کا مقصد یہ کہ یہ ضروری نہیں کہ ہر گمراہ نبوت ہی کا دعویٰ کرے بلکہ اُمت میں بہت سے گمراہ قائلین ایسے ہیں اور ایسے ہوں گے جو دعویٰ نبوت تو نہیں کرتے لیکن

عقیدے کے اعتبار سے گمراہ اور گمراہی کی طرف دعوت دینے والے ہوتے ہیں۔
 باطنی فدائی، روانفش کے آخر، وحدۃ الوجود کے مسلک میں ایسے گمراہ صوفی جنہوں
 نے وجود کی وحدت کی بجائے موجودات کی وحدت کا گمراہ کن نظریہ پیش کیا، اللہ تعالیٰ
 کے حلول کے قائل، اسلامی حکومتوں کے خلاف بغاوت کرنے والے اور وہ تمام گمراہ
 جن کے پاس حکومت کے ساتھ نکل لینے، حکومت کو تبدیل کرنے اور پہلے سے بہتر
 نظام لانے کے لیے نہ اسباب ووسائل موجود تھے، نہ نظام کا کوئی خاکہ ان کے پاس تھا
 اور نہ ہی حکومت بنا کر اسے سنبھالنے کے لیے کوئی اہل افراد کی جماعت موجود تھی اور
 ان شرائط کے مفقود ہونے کے باوجود انہوں نے حکومتوں سے ٹکر لے کر بے گناہ گمراہ
 جذباتی مسلمانوں کو شہید کروایا، مملکتوں میں قتل عام کیا، یہ تمام خوارج، یہ سب گمراہ
 افراد اور قائدین انہی ستر میں شامل ہیں جن کے متعلق حضرت رسالت مآب ﷺ
 نے فرمایا تھا کہ قیامت سے قبل ستر یعنی بے شمار جموںوں سے امت کا واسطہ پڑے گا۔
 اس لیے ہمیشہ یہ دیکھنا چاہیے کہ قائد کا عقیدہ اہل السنۃ والجماعۃ کے مطابق ہے یا نہیں
 اور اگر عقیدہ درست ہے تو پھر اس کا علم مضبوط، وسیع اور شہسوں یعنی راسخ فی العلم ہے یا
 نہیں، پھر وہ راسخ فی العلم بھی ہے تو اس نے خود کہیں وہ کرتبیت بھی حاصل کی ہے یا
 نہیں۔ تربیت حاصل کر کے وہ انسان بنایا پھر خود کا شہ پودا ہے ابھی تک اخلاقیات کی
 منازل اس نے طے نہیں کیں اور یہ بھی ہو جائے تو پھر وہ قیادت کا اہل ہے بھی یا نہیں
 پھر وہ اہل بھی ہو تو یہ تمام تحریک اور دعوت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے یا پھر اپنی ذات کی
 تشہیر یا کچھ اور عزائم ہیں۔ ان شرائط پر پورا اترنے والا فرد قیادت کا اہل ہوتا ہے۔

روز قیامت کن کن کو منصب شفاعت پر فائز کیا جائے گا؟

فرمایا: بہت سے گمراہ فرقوں نے قیامت میں شفاعت کے مسئلے کا انکار کیا ہے۔ خوارج، معتزلہ کے بعض فرقے اور دور جدید کے بعض نام نہاد مفکرین اسلام کی سوچ بھی یہی ہے۔ ان کے نزدیک حضرات انبیاء کرام علیہم السلام، علماء، اولیاء و شہداء رضی اللہ عنہم کا شفاعت کرنا، قرآن کریم کا گنہگار لوگوں کی شفاعت کرنا، جلیل القدر فرشتوں کا شفاعت کرنا، جو بچے بچپن میں انتقال کر گئے یا کسی خاتون کا حمل ساقط ہو گیا اس بچے کی شفاعت، بیٹیوں کا اپنے والدین کی شفاعت اور خاص طور سے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبریٰ، یہ سب بے کار باتیں ہیں۔ معاذ اللہ۔ حالانکہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبریٰ سے بجز کسی اذنی شقی کے اور کون بے نیاز ہو سکتا ہے؟ ہم اہل الہدٰی والبرکات کا عقیدہ یہ ہے کہ جن جن صحیح احادیث میں شفاعت کا ذکر آیا ہے، ان کے مطابق قیامت میں یقیناً شفاعت ہوگی۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک پوری امت کا مسئلہ شفاعت پر اجماع بھی ہے اور معنوی اعتبار سے متواتر احادیث سے یہ مسئلہ ثابت بھی ہے اس لیے جو شخص بھی اس کا انکار کرے گا وہ بدعتی اور فاسق ہو جائے گا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر شفاعت ہے کیا چیز؟ لغوی معنی کے اعتبار سے ”خلف“ عربی زبان میں ”طابق کو جفت“ کرنے کے معنی میں آتا ہے یعنی ایک عدد کو دو کر دینا۔ جیسے جڑواں بچے پیدا ہوں تو جو دوسرا بچہ ہے اسے ”خلف“ کہیں گے کیونکہ

اس نے پہلے بچے کو جو تعداد میں ایک تھا، اپنی پیدائش سے دو کر دیا تو یہ طاق سے ہفت ہو گیا۔ ”فَلَاحُ“ ”دو گنا“، ”نماز کی دو رکعتیں“۔ اسی وجہ سے عرف عام میں شفاعت کا مطلب یہ ہے کہ اپنے علاوہ دوسرے کے لیے خیر یا اچھائی کا سوال کرنا یہاں بھی انسان چونکہ کسی دوسرے کے لیے خیر طلب کر کے، دوسرے کو شریک بنا رہا ہے اس لیے یہ شفاعت کہلائی اور شریعت کی اصطلاح میں شفاعت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ایسی خیر اور اچھائی کا سوال یا سفارش کرنا جس کا نفع سفارش کرنے والے اور جس کے لیے سفارش کی جا رہی ہے، دونوں کو پہنچے۔

قیامت میں جتنے بھی شفاعت کرنے والے شفاعت یا سفارش کریں گے۔ اس سفارش کا نفع خود انھیں تو یہ ملے گا کہ ان کی عزت، احترام میں اضافہ اور ان کی وجاہت کا اظہار ہوگا اور جن لوگوں کو ان کی سفارش سے فائدہ پہنچے گا، اس کا فائدہ تو ظاہری ہے۔

قرآن کریم میں جتنی بھی آیات میں یہ کہا گیا ہے کہ قیامت کے دن کسی کو کسی کی سفارش نفع نہیں پہنچائے گی تو ان آیات سے سفارش کے فائدہ کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ یہ تمام آیات کافروں کے متعلق ہیں۔ ان کے پاس تو ایمان ہی نہیں ہوگا اس لیے انھیں سفارش نفع بھی نہیں دے گی اور جن لوگوں کے پاس ایمان ہوگا یہ آیات ان لوگوں کے متعلق نہیں ہیں۔ ایمان کی وجہ سے سفارش کرنے والوں کی سفارش انھیں نفع دے گی۔

سفارش صرف ان لوگوں کی ہوگی جن کی موت ایمان پر واقع ہوئی۔ مرتے وقت وہ

مسلمان تو تھے لیکن سخت گنہگار تھے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ خود بھی یہ چاہے گا کہ انھیں معاف فرمادے اس لیے اللہ تعالیٰ کی رضا کے بغیر کسی کی مجال نہیں کہ کوئی کسی کی سفارش کر سکے اور تیسرے اللہ تعالیٰ خود جس جس کو سفارش کی اجازت دے گا بس وہی سفارش کر سکیں گے۔ تو شفاعت کے لیے تین امور ضروری ہیں۔

① جس کی شفاعت کی جائے گی اس کا مسلمان ہونا۔

② اللہ تعالیٰ کی اپنی خوشی کہ وہ اس گنہگار کو بخشنا چاہے گا۔

③ اللہ تعالیٰ کا کسی کو سفارش کی اجازت دینا۔

اللہ تعالیٰ جن کو بھی شفاعت کی اجازت دے گا۔ قیامت میں پوری دنیا پر یہ ظاہر کر دے گا کہ دیکھو اس سفارش کرنے والے کی میری نگاہ میں یہ قدر و قیمت ہے کہ آج ان کی سفارش قبول کی جا رہی ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ کسی بھی سفارش کرنے والے کو یہ آزادی نہیں ہوگی کہ وہ جس کے لیے خود چاہے سفارش کر دے بلکہ وہ صرف انہی گنہگاروں کی سفارش کر سکے گا جن کی اجازت اللہ تعالیٰ مرحمت فرمائیں گے اور سفارش کرنے والے کو یہ آزادی بھی نہیں ہوگی کہ وہ جس کو چاہے اس کے گناہ معاف کروادے یہاں بھی مطلقاً ناک و مختار اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے، وہ خود جس کے بارے میں یہ چاہے گا کہ ان گنہگاروں کی خطا کوں معاف کرے، تو کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کی اجازت اور خوشی کے بغیر کسی سفارش کرنے والے کو سرے سے یہ اجازت ہی نہیں ہوگی کہ وہ سفارش کرے۔ اسی لیے حضرت رسالت مآب ﷺ نے بھی یہ فرمایا کہ سفارش کے متعلق بھی میرے لیے

پابندی لگائی جائے گی کہ آپ صرف اس حد تک گنہگاروں کی شفاعت کر سکتے ہیں۔
حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت ابو عبیدہ بن جراح، معاذ بن جبل،
ابو موسیٰ اشعری، ابوطحہ انصاری اور عوف بن مالک رضی اللہ عنہم وغیرہ سے یہ بات بالکل
ثابت ہے کہ یہ تمام حضرات حضرت رسالت مآب ﷺ کی شفاعت کی رغبت اور
اس کے لیے دعا مانگتے تھے، اس نعمت کبریٰ کے متقی تھے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
میں سے ایک شخص بھی ایسا ثابت نہیں کیا جاسکتا جو شفاعت کا انکار کرتا ہو۔ انہوں نے
حضرت رسالت مآب ﷺ سے یہ ارشاد گرامی سن رکھا تھا کہ اس امت کے کبیرہ
گناہوں پر اصرار کرنے والے شفاعت کی وجہ سے جہنم سے نکال دیے جائیں گے۔
حضرت عبید بن عیسٰی رضی اللہ عنہ جو کہ تابعی ہیں، حدیث شفاعت بیان کر رہے تھے تو ایک
خارجی، ابو موسیٰ ہارون، جو شفاعت کا منکر تھا، اٹھ کھڑا ہوا اور ناراض ہو کر کہنے لگا
حضرت آپ یہ کیا حدیث بیان کر رہے ہیں؟

تو انہوں نے فرمایا اگر اس حدیث شفاعت کو میں نے تمیں (30) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
سے نہ سنا ہوتا تو ہرگز یہ روایت بیان نہ کرتا۔ خوارج بدعتی تھے اور شفاعت کا انکار
کرتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے انکار کو تسلیم نہیں کرتے تھے اور انہیں گمراہ کہتے
تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ تو صاف کہتے تھے کہ جو شخص بھی حضرت رسالت مآب ﷺ
کی شفاعت کا انکار کرتا ہے، قیامت میں اسے شفاعت میں سے حصہ نہیں ملے گا اور
امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے خطبے میں یہ بات ارشاد فرمائی
کہ لوگو! دیکھو اس امت میں ایسے لوگ بھی آئیں گے۔

- جو رجم کا انکار کریں گے۔
 - دجال کو نہیں مانیں گے۔
 - قبر کے عذاب کا انکار کریں گے۔
 - شفاعت کا انکار کریں گے۔
 - اس بات کا بھی انکار کریں گے کہ گنہگار مسلمان جہنم سے نکال لیا جائے گا۔
- حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جو ضلیفہ راشد اور حلیل القدر تابعی تھے، جب بنو امیہ کے ظالموں کو بدو عادیتے تھے تو یہ فرماتے تھے کہ اس ظالم کو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب نہ ہو۔ اس لیے اب جو بھی شخص اس عقیدے سے انکار کرے گا تو وہ امت کے اس عقیدے سے ہٹ جائے گا جو قرون اولیٰ عی میں طے ہو چکا تھا۔
- اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِمَّنْ تَنَالَهُ شَفَاعَةُ نَبِيِّهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم۔
- اللہ تعالیٰ قیامت میں جب شفاعت کی اجازت دیں گے تو حضرت جبریل امین علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے، بعض گنہگاروں کی شفاعت کریں گے۔ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام بھی اپنی اپنی امتوں کی شفاعت کریں گے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام میں سے جس جس کو اجازت ہوگی وہ تمام حضرات شفاعت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام قرآن مجید بعض لوگوں کی شفاعت کرے گا۔ حضرت کعب بن احبار کی روایت کے مطابق تو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو شفاعت کا اختیار دیا جائے گا۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو شفاعت کے لیے طلب کیا جائے گا، وہ شفاعت کریں گے۔

اس اُمت کے علماء کرام شفاعت کریں گے اور ہر ایک وہ عالم دین جو اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت پائے گا اسے تین سو ایسے گنہگاروں کی شفاعت کی اجازت ملے گی جن کے لیے جہنم کا فیصلہ ہو چکا ہوگا۔ صدیقین کو بلا یا جائے گا کہ وہ شفاعت کریں اور علیہ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کون صدیق ہوگا؟ اولیاء اللہ رضی اللہ عنہم کو شفاعت کی اجازت ملے گی۔ شہداء کرام کو بلا یا جائے گا وہ بھی شفاعت کریں گے۔ عام مسلمانوں میں سے بچیوں کو حق ملے گا کہ اپنے ماں باپ کے بارے میں سفارش کریں۔ جن لوگوں نے معاشرے میں نیکی کے کام کیے ہوں گے انھیں بھی اختیار ملے گا اور سب سے بڑی شفاعت جسے شفاعت عظمیٰ یا شفاعت کبریٰ کہا جاتا ہے، وہ حضرت خاتم النبیین، شفیع المذنبین، سید الکونین حضرت رسالت مآب ﷺ کی شفاعت ہوگی۔ بعض اہل علم نے اسی شفاعت کو مقام محمود بھی کہا ہے اور حضرت رسالت مآب ﷺ کی یہ شفاعت کئی طرح کی اور بار بار ہوگی۔ مثلاً سب سے پہلے تو اس دن کی سختیاں ہوں گی۔ ظالموں پر خدا کا غضب برے گا اور حساب و کتاب کا آغاز ہی نہیں ہوگا۔ لوگ مارے مارے پھریں گے اور حضرت آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ رضی اللہ عنہم کے پاس جائیں گے اور پالا خر حضرت رسالت مآب ﷺ کی شفاعت سے حساب شروع ہوگا۔ پھر حضرت رسالت مآب ﷺ کی شفاعت سے ہی بعض لوگ بغیر حساب و کتاب کے جنت میں بھیج دیئے جائیں گے۔ اگر چنانچہ کی شفاعت کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے لیکن ایک مؤقف یہ بھی ہے کہ شفاعت یہاں بھی نفع دے گی۔ تیسری قسم کی شفاعت یہ ہوگی کہ جن لوگوں کو

حساب و کتاب کے بعد جہنم کا مستحق ٹھہرا دیا جائے گا انھیں شفاعت کا نفع ہوگا اور وہ بغیر عذاب کے ہی جنت میں بھیج دیے جائیں گے۔ پھر جو لوگ جہنم میں ڈال دیئے گئے تھے حضرت رسالت مآب ﷺ کی شفاعت ان کے کام آئے گی اور ایسے گنہگاروں کو جہنم سے چھٹکارا مل جائے گا۔ ان میں وہ لوگ بھی ہوں گے جن کے اعضاء سجدہ، پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے، دونوں پاؤں یعنی سات اعضاء پر نشانات پڑ گئے ہوں گے اور چونکہ سجدہ کرنے والوں کے سجدے کی جگہوں کو جہنم کی آگ جلائے گی نہیں اس لیے ان کی اسی پہچان سے انھیں شفاعت کے بعد جہنم سے نکال لیا جائے گا۔ یہ فائدہ ان لوگوں کے لیے ہے جو اگرچہ بہت گنہگار تھے لیکن نماز کی پابندی کرتے تھے، حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے والد علی بن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے کیا خوبصورت اشعار میں، کیسی عمدہ دعا مانگی ہے۔

بَارَبِّ افْضَاءِ الْمُحْجُودِ عَقَّتْهَا
مِنْ غُيْبِكَ الْحَاسِي وَ اَلَّتِ الْوُفَى
وَالْجَنَى بُسْرِي بِالْغِنَى نَادَا الْغِنَى
فَامْسُكْ عَلَى الْقَاسِي بِجَنَّتِي الْبَاقِي

(ترجمہ) اے اللہ تو نے اپنے اس گنہگار بندے کے سات اعضاء (اعضائے سجدہ) کو تو جہنم کی آگ سے محفوظ فرما دیا اور درحقیقت محفوظ فرمانے والا تو ہی ہے۔ اے بے نیاز ذات، بے پروا مالک کے لیے قصور وار غلام کو آزاد کرنا تو بہت آسان ہوتا ہے۔ اپنے اس فانی غلام پر احسان فرما

اور (ان سات اعضاء کی طرح) باقی جسم کو بھی جہنم سے محفوظ فرما دے۔

پانچویں قسم کے لوگ وہ ہوں گے جو جنت میں تو پہنچ جائیں گے لیکن حضرت رسالت مآب ﷺ کی شفاعت سے ان کے درجے بلند کر دیے جائیں گے۔ حضرت رسالت مآب ﷺ کی اس شفاعت کبریٰ سے کافر بھی محروم نہیں رہیں گے اور یہ آپ کی چھٹی قسم کی شفاعت ہوگی اور کافروں کے عذاب میں کمی کر دی جائے گی۔ ساتویں قسم کی آپ کی شفاعت اہل مدینہ کے لیے ہوگی اور اس میں وہ تمام لوگ شامل ہوں گے جنہوں نے مدینہ طیبہ میں رہنے میں جو تکالیف پیش آئیں صبر کیا۔ حضرت رسالت مآب ﷺ ان کے ایمان کی گواہی دیں گے اور ان کی سفارش فرمائیں گے۔ پھر اہل مکہ اور اس کے بعد طائف والوں کی شفاعت ہوگی۔ پھر آپ اپنے اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کی شفاعت کریں گے، جس شخص کا رشتہ حضرت رسالت مآب ﷺ سے جتنے قریب کا ہوگا اسے اس شفاعت سے اتنا ہی نفع پہنچے گا۔ پھر آپ تمام عربوں کے لیے شفاعت فرمائیں گے اور اس کے بعد عجمیوں کی باری آئے گی۔ آٹھویں شفاعت حضرت رسالت مآب ﷺ ان لوگوں کے لیے کریں گے، جن کی نیکیاں اور گناہ برابر ہو چکے ہوں گے اور خدا کی رحمت یہ چاہے گی کہ انہیں کوئی سہارا ملے اور یہ لوگ جنت میں بھیج دیئے جائیں۔ اس شفاعت کبریٰ سے انہیں سہارا ملے گا اور یہ جنت میں بھیج دیئے جائیں گے۔ کچھ علماء کا خیال یہ ہے کہ اصحاب اعراف بھی انہی میں شامل ہوں گے۔ اسی دور ان حضرت رسالت مآب ﷺ بار بار جنت میں تشریف لے جائیں گے اور بار بار محشر میں

حاضری ہوگی۔ اپنے خدام سے بھی خاص شفقت کا معاملہ فرمائیں گے۔ اور حضرت انس، حضرت بلال، حضرت کعب بن علقمہ وغیرہ خاص عنایات کا موردِ مہربانی رہ جائیں گے۔ پھر آخر کار جہنم میں کچھ ایسے مومن رہ جائیں گے جنہوں نے صرف کلمہ ہی پڑھا ہوگا اور ان کے نامِ عمل میں کوئی نیکی نہیں ہوگی۔ حضرت رسالت مآب ﷺ ان کی سفارش کریں گے اور حکم ہوگا کہ انہیں جہنم سے نکالیں اور جنت میں لے جائیں۔ حضرت رسالت مآب ﷺ کے ساتھ چار مرتبہ یہ معاملہ ہوگا کہ آپ کی شفاعت سے ایسے جہنم میں پڑے لوگ جنت میں بھیج دیئے جائیں گے اور آخر پر آپ عرض کریں گے اے پروردگار تمام اہل ایمان جنت میں چلے گئے بس وہ رہ گئے جو قرآن کریم کی رو سے جنت میں نہیں جاسکتے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ یہ فرمائیں گے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے سفارش کر لی، فرشتوں نے سفارش کر لی، شہداء نے سفارش کر لی اور تمام سفارش کرنے والوں کی سفارش کے بعد اب میں اور میرے گنہگار بندے رہ گئے اور اللہ تعالیٰ بے شمار گنہگاروں کو جہنم سے نکالے گا اور ان کے دل میں ایمان اتنا کمزور ہوگا کہ بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو ان کے ایمان کی خیر نہیں ہوگی اور پلّا آخر یہ کمزور ایمان والے لوگ بھی جنت میں چلے جائیں گے۔

اَللّٰهُمَّ شَفِّعْ فِيْ النَّبِيِّ ﷺ وَ اَنْجِلْنِيْ فِيْ شَفَاعَتِهِ وَ اَجْعَلْنِيْ مِمَّنْ تَنْالُهُ شَفَاعَتُهُ بِرَحْمَتِكَ وَ بِكَرَمِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ



عملی منافق اور اعتقادی منافق ————— بدتر کون؟

فرمایہ یہ بھی جانا چاہیے کہ منافقت دو قسم کی ہے۔ ایک منافقت تو یہ ہے کہ آدمی اپنی زبان سے اُس عقیدے کا اظہار کرے جو درحقیقت اس کے دل میں نہ ہو مثلاً وہ زبان سے تو اللہ تعالیٰ کے ہونے کا اقرار کرے لیکن اس کے دل میں یہ ہو کہ یہ کائنات تو خود بخود ایک گگے بندھے نظام کے تحت چل رہی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نہیں۔ اب کیا کریں چونکہ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئے یا ان کے وطن میں رہتے ہیں اس لیے زبان سے اللہ تعالیٰ کا اقرار، یہ جھک مارتی پڑتی ہے۔ (معاذ اللہ)۔ مگر نہ حقیقت یہ ہے کہ باری تعالیٰ ہی نہیں۔ اس نفاق کو اعتقادی نفاق یا اعتقادی منافقت کہتے ہیں کہ دل میں کچھ اور زبان پر کچھ۔ عقیدے کا دو ٹکڑا پٹن۔ ایسے شخص کے مرنے پر اگرچہ لاکھوں مسلمان اس کا جنازہ پڑھ دیں اور پوری دنیا بھی اس کی مغفرت کی دعا کرے تو اس منافق کی بخشش نہیں ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ تو جانتا ہے کہ اس کے دل میں عقیدہ کیا تھا اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کافروں میں شمار ہوگا اور کافر تو پھر صاف صاف اپنے عقیدہ کفر کا اظہار کرتا ہے اور کسی کو بھی دھوکہ نہیں دیتا، اس کے تو دو قصور ہیں ایک تو دل میں کفر اور دوسرے لوگوں کو دھوکہ دیا کہ دل میں عقیدہ کچھ اور تھا اور ظاہر میں کسی اور عقیدے کا اقرار کیا تو یہ تو کافر بھی ہوا اور منافق بھی اس لیے ایسے منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں رکھے جائیں گے اور ان کا عذاب کافروں سے بھی شدید ہوگا۔

دوسری قسم کی منافقت اعتقادی نہیں، عملی ہے یعنی وہ شخص جو اپنے عقیدے میں تو بالکل درست ہے جیسے زبان سے ضروریات دین مثلاً توحید، رسالت، ختم نبوت، آخرت، تقدیر وغیرہ کو مانتا ہے ایسے ہی دل سے بھی مانتا ہے لیکن عمل میں کمزور ہے۔ وعدہ شکنی کرتا ہے، جھوٹ بولتا ہے، گالیاں بکتا ہے، نماز اور روزے کا تو پابند ہے لیکن دھوکہ دیتا ہے تو ایسا شخص عملی منافق ہے اور ایسے منافق کو فاسق بھی کہا جاتا ہے کہ یہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت میں چاہے تو اسے معاف فرمادے یا اس کی نازیبا حرکتوں کی عتابی فرمادے اور اگر چاہے تو عذاب دے۔ یہ عملی منافق اس اعتقادی منافق سے بہتر ہے کہ یہ تو فاسق ہے اور وہ اعتقادی منافق اللہ تعالیٰ کے نزدیک کافر ہے۔

جنات کے وجود کا انکار گمراہی ہے۔

فرمان جنات کا وجود ماننا ضروری ہے۔ اہل السنۃ والجماعہ کا یہ عقیدہ ہے کہ جنات کا وجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کا تذکرہ فرمایا ہے اور جس مخلوق کو جن کہا ہے وہ انسانوں کے علاوہ ایک دوسری مخلوق ہے جو کہ ہماری نظروں سے اوجھل ہے۔ حضرت رسالت مآب ﷺ سے صحیح احادیث میں بہت سی ایسی روایات آئی ہیں جو جنات کے وجود کی دلیل ہیں اور امت کا اس پر اجماع بھی ہے۔ اس لیے جنات کے وجود ہی کا انکار گمراہی ہے۔

دور نبوی ﷺ کی تین خواتین — جو بہت نمایاں نظر آتی ہیں۔

﴿فرمایہ﴾ حضرت رسالت مآب ﷺ کی حیات طیبہ میں تین خواتین کے نام بہت نمایاں نظر آتے ہیں۔

① اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

② اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

③ صاحبزادی صاحبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

علماء اہل السنۃ والجماعہ میں اس بات پر اختلاف ہے کہ ان تینوں محترمات خواتین میں سے سب سے اعلیٰ اور افضل کون ہیں؟ کچھ علماء کرام کا خیال یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سب سے افضل ہیں کیونکہ امت کو جتنا نفع اُنکے علم سے پہنچا ہے اور علم حدیث میں جتنی روایات ان کی ہیں وہ اپنی مثال آپ ہے۔ باقی دو خواتین کے علم سے امت کو نہ تو اتنا نفع پہنچا ہے اور نہ ہی علم حدیث میں ان کی اتنی روایات ہیں۔ پھر حضرت رسالت مآب ﷺ کی دنیا و آخرت میں وہ اہلیہ محترمہ ہیں اور حضرت جبریل امین علیہ السلام انھیں سلام پیش کیا تھا، اس لیے وہ سب سے افضل ہیں۔

کچھ علماء نے فرمایا کہ اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سب سے افضل ہیں کیونکہ اسلام کے ابتدائی دور میں جتنا انہوں نے حضرت رسالت مآب ﷺ کا ساتھ دیا ہے اور جتنی اس دور میں ان کی قربانیاں ہیں ایسی قربانی کا موقع بھی کسی اور کو نہیں ملا اور نہ ہی کسی اور خاتون کی ایسی قربانیاں ہیں اور پھر صحیح احادیث کے مطابق

حضرت جبریل امین علیہ السلام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سلام پیش کیا تھا تو صحیح احادیث ہی کے مطابق حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے سلام بھیجا یا تھا۔

پھر یہ دونوں خواتین صاحبزادی صلبہ رضی اللہ عنہا سے اس لیے افضل قرار پاتی ہیں کہ وہ قیامت میں اپنے شوہر امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوں گی اور یہ دونوں خواتین اپنے شوہر حضرت رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں ہوں گی۔

کچھ علماء اہل السنۃ والجماعۃ کا خیال یہ ہے کہ ان تینوں خواتین میں سب سے افضل حضرت صاحبزادی صلبہ رضی اللہ عنہا ہیں کیونکہ ان کے والدہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ ان کے جسم کا ٹکڑا ہیں جب کہ دونوں امہات المومنین رضی اللہ عنہما کو یہ شرف حاصل نہیں ہے۔ پھر ان کے بعد انہی کی والدہ محترمہ ام المومنین حضرت خدیجہ اور پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا برائے علم سب سے افضل قرار پاتی ہیں۔ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سب سے پہلی زوجہ محترمہ اور سب سے زیادہ اسلام کے لیے قربانی دینے کے اعتبار سے سب سے افضل قرار پاتی ہیں اور حضرت صاحبزادی صلبہ رضی اللہ عنہا اپنے نسب کے اعتبار سے سب سے افضل قرار پاتی ہیں کہ وہ فاطمہ بنت محمد سلام اللہ علیہا و علی ایہا ہیں حتیٰ کہ ان کا یہ نسب تو حضرت رسالت مآب ﷺ کے نسب سے بھی برتر ہے کہ صاحبزادی صلبہ تو فاطمہ بنت محمد ہیں اور ان کے والد گرامی محمد بن عبد اللہ ہیں۔ صلوات اللہ و سلامہ علیہم۔

صحیح ترین عقیدہ یہ ہے کہ کوئی بھی ترتیب مان لی جائے اور کسی بھی خاتون کو پہلے یا

دوسرے یا تیسرے درجے پر رکھ لیا جائے، علماء اہل السنۃ والجماعۃ نے ہر قول کو اختیار کیا ہے اور ہر ایک کے پاس اپنے اپنے دلائل ہیں۔ عقیدے کے اعتبار سے ہر ترتیب درست ہے۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہر ایک کی اپنی اپنی خصوصیات ہیں۔ کائنات میں سب سے اعلیٰ نسب حضرت صاحبزادی صاحبہ کا ہے کہ وہ قاطبہ بنت محمد سلام اللہ علیہم ہیں۔ اور ان تینوں خواتین میں اللہ تعالیٰ نے اگر کسی کو سلام بھجوا یا ہے تو وہ حضرت ام المومنین خدیجہؓ کو، اور حضرت ام المومنین عائشہؓ کی گیارہ خصوصیات تو ایسی ہیں کہ وہ تنہا ہیں دنیا کی کوئی خاتون ان کے، ان محاسن میں ان کی شریک نہیں ہے۔

① صحیح روایات کے مطابق حضرت رسالت مآب ﷺ کو وہ شادی سے پہلے خواب میں پیش کی گئیں اور خوشخبری دی گئی کہ مستقبل میں یہ آپ کی ہونے والی اہلیہ محترمہ ہیں۔

② حضرت ام المومنین ازواج مطہرات میں اکیلی ایسی خاتون تھیں جو یقیناً نکاح کنواری تھیں مگر نہ ان کے علاوہ حضرت رسالت مآب ﷺ کی ہر ایک اہلیہ محترمہ یا تو بیوہ ہو چکی تھیں اور یا پھر انھیں طلاق ہو چکنے کے بعد آپ کی زوجیت میں آنے کا شرف حاصل ہوا تھا۔

③ حضرت رسالت مآب ﷺ کا انتقال انہی کی گود میں ہوا تھا۔

④ حضرت رسالت مآب ﷺ نے اپنی حیات قدسیہ کے آخری ایام آپ ہی کے حجرے میں گزارنا پسند فرمائے تھے اور باقی تمام ازواج مطہرات کی رضامندی سے انہی کے گھر کو یہ سعادت نصیب ہوئی تھی۔

④ حضرت اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے حجرے کو یہ شرف نصیب ہوا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ تا بہ قیامت وہیں محو سزاحت ہیں۔

⑤ حضرت رسالت مآب ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو اس وقت جو حضرات یا اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہا وغیرہ موجود ہوتی تھیں ذرا قافلے پر بیٹھ جاتی تھیں لیکن یہ شرف صرف اور صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہے کہ وہ لحاف میں حضرت رسالت مآب ﷺ کے ہمراہ لیٹی ہوتی تھیں، وحی نازل ہوتی تھی اور آپ کا حجرہ فرشتوں سے بھر جاتا تھا۔

⑥ حضرت رسالت مآب ﷺ کے خلیفہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، اور ان کی علاوہ کوئی نہ تھا اور انہی کے یہ صاحبزادی تھیں اور انہی کو شرف زوجیت حاصل ہوا۔

⑦ حضرت رسالت مآب ﷺ کی صرف یہی المیہ محترمہ ہیں جن پر اہرام تراشی کی گئی تو ان کی پاک دامنی کی گواہی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دی۔

⑧ اللہ تعالیٰ نے پاک دامنی کی گواہی کے علاوہ ان کی مغفرت اور انہیں جنت کے انعامات (رزق کریم) دینے کی بشارت سنائی۔

⑨ علم طب میں وہ تمام اُمہات المؤمنین سے علم میں فائق و برتر تھیں۔ مختلف بیماریوں میں وہ علاج تجویز فرمایا کرتی تھیں اور یہ بات اتنی کثرت سے پیش آئی کہ لوگوں کو دریافت کرنا پڑا کہ انہوں نے طب کہاں سے پڑھا ہے؟

⑩ اُمہات المؤمنین میں جن کے علم سے اللہ تعالیٰ نے امت کو سب سے زیادہ نفع پہنچایا، وہ یہی ہستی ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

فرمایا ایک شخص نے کسی کو چھیڑنے کی غرض سے پوچھا کہ تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ وہ چار (علی، فاطمہ، حسن، حسین علیہ السلام) جنہیں ان کے والد حضرت رسالت مآب ﷺ نے اپنی چادر میں داخل فرمایا اور ان کا پانچواں اللہ تھا کیا ان سے بھی بڑھ کر کوئی افضل ہستی کائنات میں ہے؟

دوسرے نے جواب دیا کہ تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ وہ دو جب عار میں تھے اور پہلے نے دوسرے سے کہا غم نہ کیجیے اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے تو جن کا تیسرا خود اللہ ہو کیا دنیا میں ان سے بڑھ کر بھی کوئی افضل ہے؟

روضہ مبارک پر دعا کی درخواست.....!

فرمایا امام جزری محمد بن محمد بن علی رحمہ اللہ نے دعا کے موضوع پر ایک کتاب ”الحسن الحسنین“ مرتب کی ہے اور یہ ایسی جامع کتاب ہے کہ مختلف علماء کرام نے اپنے اپنے دور میں اس کی شروح بھی تحریر فرمائی ہیں۔ حضرت ملا علی القاری رحمہ اللہ نے بھی ”المحرز الثمین“ کے نام سے اس کی ایک شرح لکھی ہے جو کہ چھپ کر اہل علم میں قبول عام حاصل کر چکی ہے اس کی پہلی جلد میں جہاں یہ بحث آئی ہے کہ کن کن مقامات پر دعا قبول ہوتی ہے (اماکن الاچابہ) وہاں پر حضرت ملا علی القاری رحمہ اللہ نے اس عقیدے کی تصریح کی ہے کہ جو شخص بھی حضرت رسالت مآب ﷺ کے

مرقد منور پر حاضر ہو کر کوئی دعا مانگا ہے (یعنی حضرت رسالت مآب ﷺ سے عرض کرتا ہے کہ آپ میرے لیے فلاں دعا فرمادیں یا شفاعت کی درخواست کرتا ہے وغیرہ وغیرہ) تو حضرت رسالت مآب ﷺ، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس دعا کو وہ خود سنتے ہیں اور جو شخص بھی ان پر سلام یا درود پیش کرتا ہے تو اس صلاۃ و سلام کو وہ خود سنتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَیْهِ، اَللّٰهُمَّ اَبْلِغْهُ مِنَّا السَّلَامَ وَارْزُقْ عَلَیْنَا مِنْهُ السَّلَامَ.

توحید الہی کے چار مراتب

﴿۱﴾ ”حیۃ اللہ الباقۃ“ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے توحید اور شرک پر بہت عمدہ بحث تحریر فرمائی ہے۔ اس تحریر کو غور سے پڑھا جائے اور پھر اسے ”تقویۃ الایمان“ اور ”عبقات“ سے ملا کر دیکھا جائے تو یہ سمجھنے میں چنداں دشواری نہ ہوگی کہ حضرت مولانا سلیمان شہید رحمہ اللہ نے بھی وہی کچھ تحریر فرمایا ہے، جو کہ ان کے قابل صدا احترام دادا حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے، فرق صرف اجمال اور تفصیل کا ہے۔ بنیاد ”حیۃ اللہ الباقۃ“ میں رکھ دی گئی تھی ”تقویۃ الایمان“ اور ”عبقات“ تو اس کی عبارت ہے۔ ”تقویۃ الایمان“ کی عبارت سلیس اور عام فہم ہے اور ”عبقات“ کی عبارت اجمالی، مطلق اور خاص فہم ہے۔

توحید الہی کے چار مراتب ہیں اور پہلے دوسرے آپس میں ایک دوسرے کو مستلزم ہیں اور آخری دو مرتبے باہمی التزام کے ساتھ ہیں۔ پہلے دونوں مراتب بھی ایک دوسرے سے ایسے پیوست ہیں کہ ان دونوں کو الگ نہیں کیا جاسکتا اور تیسرے اور

چوتھے مرتبے کی حالت بھی یہی ہے۔ توحید الہی کا پہلا مرتبہ یہ ہے کہ ایک ایسی ذات مقدسہ کا اقرار جس کا وجود ضروری ہو اور اس کو نہ ماننا ناممکن ہو پھر اس کا وجود ذاتی ہو یعنی اسے کسی نے نہ بنایا ہو وہ اپنے وجود اور اس کی بقا کے لیے کسی اور کا محتاج نہ ہو۔ ایسی ہستی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے کہ اس کے وجود کو مانے یا نہ مانے کوئی چارہ کار نہیں اگر اس کو نہ مانا جائے تو کائنات کا پورا نظام برباد ہو جائے گا اور اب بھی جو لوگ اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے، نہ اس سے ڈرتے ہیں اور نہ اس کے سامنے جوابدہی کا احساس ہے، دیکھیے تو وہ اس دنیا کو کیسے برباد کر رہے ہیں اور انسانیت ان کے ظلم کی پچھلی میں کیسے ہنس رہی ہے۔ پھر اس کی ذات پاک خود سے ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں اگر وہ کسی بھی کام میں کسی کا محتاج ہو تو پھر وہ خدا کیونکر ہو؟ سو خلاصہ یہ ہوا کہ ایسی ہستی جس کا وجود ضروری اور خود بخود ہو اس کو ماننا۔ ایسی ہستی صرف اور صرف باری تعالیٰ ہی کی ہے۔ اہل علم اسی مرتبے کو توحید ذات کہتے ہیں۔ پھر دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ یہ مانا جائے کہ تمام جوہر اور عرض اس کی تخلیق ہیں اور اس تخلیق میں کوئی بھی اس کا شریک و سہم نہیں ہے۔ جوہر سے ہماری مراد یہ ہے کہ وہ چیز جو اپنے وجود کے لیے کسی ایسی چیز کی محتاج نہ ہو جو اسے موجود کرے۔ جیسے کپڑا، کتاب، میز، کرسی وغیرہ اور عرض یہ ہے کہ وہ اپنے وجود کے لیے کسی سہارے کا محتاج ہو جیسے رنگ ہیں کہ سرخ رنگ، جو خود کیا ہے جب تک وہ کسی جوہر (کپڑا، لکڑی وغیرہ) پر قائم نہ ہو وہ اپنے وجود کا اظہار نہیں کر سکتا۔ ایسے ہی مقدار مثلاً ایک کلو تو ایک کلو دو دو ہزاری وغیرہ کچھ تو ہونا چاہیے ورنہ ایک کلو بذات خود کچھ نہیں۔

سودہ ہستی جو تمام جوامہ اور اعراض کو تخلیق کرنے والی ہے، اسے ماننا اور یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے اسے اہل علم کی زبان میں توحیدِ خلق کہتے ہیں تو توحیدِ ذات اور توحیدِ خلق یہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں ایک کو ماننے تو دوسرے کو ماننے بنانا چارہ نہیں اور چونکہ دنیا میں عام طور پر مشرکین توحیدِ ذات اور توحیدِ خلق کے قائل تھے اور ہیں اس لیے قرآن کریم توحید کے ان دو مراتب سے کم بحث کرتا ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے وجود یعنی توحیدِ ذات اور دوسرے مرتبے توحیدِ خلق کے بعد تیسرا مرتبہ توحیدِ تدبیر کا ہے یعنی یہ کہ اس کائنات کی تخلیق کے بعد اس کا نفع اور نقصان، مادے میں تصرف کرنا، دنیا بھر کے انتظامات ہر ایک کی تربیت اور رزق دینا وغیرہ جملہ امور اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی کے تصرف میں ہیں اور کوئی نبی معصوم، ولی کامل، فرشتے اور جنات، الغرض اس کائنات میں کوئی بھی ذات باری تعالیٰ کا شریک نہیں ہے اسے ہی توحید ربوبیت یا توحید تدبیر بھی کہتے ہیں اور عقیدہ توحید میں یہ سب سے اہم مرتبہ ہے۔ دنیا بھر کے مشرکین اسی مرتبے میں آ کر گمراہ ہو جاتے ہیں۔ وہ سب سے پہلے یہ عقیدہ ہکاڑتے ہیں کہ توحید تدبیر یا توحید ربوبیت میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہے اور اسی غلط عقیدے کے بعد حضرات انبیاء کرام، اولیاء اللہ، آئمہ اہل بیت علیہم السلام، سورت، چاند، ستاروں، فرشتوں اور جنات اور خدا معلوم کس کی عبادت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ایک مومن اور موحّد کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ کائنات کا مدبر و منتظم بھی صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی ہے۔

جب توحید تدبیر کا عقیدہ درست یا غلط ہوتا ہے تو پھر توحید یا شرک کا چوتھا درجہ آ جاتا ہے

جسے اہل علم توحید الوہیت کا نام دیتے ہیں۔ یعنی جس ذات کے متعلق توحید تہ بیر یا توحید ربوبیت کا عقیدہ ہے، اسی کی، اس نظریے کے تحت عبادت کرنا، اور اس کا نام ہے توحید الوہیت یعنی جو ہمیں پاتا ہے اور جو ہمارے نفع و نقصان کا مال ہے (توحید تہ بیر) ہم اسی کی عبادت کریں گے (توحید الوہیت) انسان اسی مقام پر پہنچ کر مومن یا کافر بنتا ہے۔ مومن کا عقیدہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی رب اور نفع، نقصان کا مالک ہے اس لیے صرف اسی کی عبادت کروں گا اور مشرک کہتا ہے کہ فلاں بستی یا فلاں چیز چونکہ میری رب اور نفع و نقصان کی مالک ہے لہذا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی بھی عبادت کروں گا تو یہ فرق ہے مومن اور مشرک کے درمیان اور اب واضح ہو گیا ہوگا کہ تیسرا مرتبہ (توحید تہ بیر یا توحید ربوبیت) اور چوتھا مرتبہ (توحید الوہیت) یعنی ربوبیت اور معبودیت یا الوہیت یہ دونوں مراتب کیسے ایک دوسرے سے پیوست ہیں۔

رسالت یا عقل

فرمایا ﴿قرآن متعدد مقامات پر اس بات کا اثبات کرتا ہے کہ حجت الہی ارسل رسل ہی کے بعد قائم ہوتی ہے، مجرد عقل انسانی کافی نہیں۔ اس موضوع پر حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات شریف میں کئی مقامات پر بہت عمدہ بحث تحریر فرمائی ہے۔



إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ﴿١٤﴾ فَإِذَا قَرَأَهُ فَأَتَّبِعْ قُرْآنَهُ ﴿١٥﴾
ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ﴿١٦﴾

(پ: ۳۹، سورۃ القیامت، آیت: ۱۴-۱۶)

(اے نبی ﷺ) اس (قرآن حکیم) کو
① یاد کرا دینا (پہلی ذمہ داری)

اور

② اس (قرآن حکیم) کو پڑھوا دینا (دوسری ذمہ داری)
یہ تو ہمارا ہی ذمہ ہے۔

اس لیے جب ہم اسے (حضرت جبریل امین علیہ السلام کے واسطے سے) پڑھ
رہے ہوں، تو آپ اس وحی کو فور سے سنتے رہے اور (یہ بھی یاد رہے کہ)
③ اس (قرآن حکیم) کو سمجھا دینا (اس کی تفسیر بیان کرا دینا) بھی ہماری
ہی (تفسیری) ذمہ داری ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

علامہ دختری کی تفسیر "کشاف" سے شدید بے زاری کی وجہ۔

فرمایا

علامہ دختری کی تفسیر کشاف کو ایک زمانے میں بہت ذوق و شوق سے پڑھا اور بہت بادل غواستہ کھل گیا۔ پہلی مرتبہ اس تفسیر سے شدید بے زاری تو سورہ توبہ کا مطالعہ کرتے ہوئے پیش آئی۔ اس سورہ مبارکہ کی جب آیت نمبر ۴۳ کی تفسیر پڑھی تو جی اچاٹ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے:

عَفَا اللَّهُ عَنْكَ اللَّهُ تَعَالَىٰ أَمَّا سِوَاكَ فَمَا كَانَ لِي بِكَ حَقٌّ

اور اصل واقعہ یہ ہے کہ غزوہٴ تبوک کا دور بہت کٹھن دور تھا۔ موسم گرما اپنے شباب پر تھا اور مدینہ منورہ میں گھجوروں کے بیڑ لہے کھڑے تھے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قربانی دی اور ان تمام اموال کو چھوڑ کر جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکل پڑے۔ منافقین جہاد سے جی چراتے تھے۔ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور جھوٹے بہانے گھڑ کر درخواست پیش کرتے کہ انھیں مدینہ منورہ ہی میں رہنے کی اجازت دے دی جائے۔ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے طبعی غلبہٴ رحمت کی بناء پر اجازت مرحمت فرما دیتے، تو اس اجازت دینے پر اللہ تعالیٰ نے محبت بھرا عتاب فرمایا کہ اللہ تعالیٰ درگزر فرمائے (لیکن) آپ نے انھیں اجازت دی ہی کیوں؟ اللہ تعالیٰ نے عنکوحہٴ حکایت پر مقدم فرمایا۔ زیادہ سے زیادہ بھی اس بات کو بڑھایا جائے تو کیا ہے؟ یہی کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کو جو مدینہ منورہ میں رہ جانے کی اجازت دی، وہ خطا و اجتہادی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی خطائے اجتہادی

پر قائم نہیں رہنے دیا کیونکہ اگر انھیں اپنی خطائے اجتہادی پر قائم رہنے دیا جاتا تو ان کے اپنے حق میں تو اگرچہ یہ خطا، خطائے اجتہادی ہوتی لیکن امت کے لیے تو سنت بن جاتی۔ اس لیے اس مقام پر بھی آگاہ فرمادیا اور نہایت لطیف بات یہ بھی ہوئی کہ عنکوحہ کاکیت پر مقدم فرمایا۔

لیکن ذخہری نے یہ قلم کیا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کو خطا کا قرار دیتے ہوئے یہ الفاظ لکھے:

أَخْطَاتُ وَ بَسَّ مَا قُلْتُ آپ نے خطا کی اور جو اجازت دینے

کے الفاظ کہے تو بہت برے الفاظ کہے۔

اَسْتَغْفِرُكَ اللَّهُ الْعَظِيمُ۔ یہ عبارت پڑھ کر بہت دھچکا لگا کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ کو خطا کا قرار دینا، کتنا بڑا عقلم ہے۔ پھر بھی اسے پڑھنا پڑا، دل پر چھر رکھ کر اسے پڑھا اور جب سورہ بکوہ کی آیت نمبر ۱۹ پر پہنچے تو از حد حیا دامن گیر ہوئی کہ ذخہری نے اس مقام پر حضرت جبریل امین علیہ السلام کو، حضرت رسالت پناہ ﷺ سے افضل قرار دیا۔ طبیعت بہت کمدر ہوئی اور بقیہ تفسیر بہت غفلت میں صفحات پانا کر کھل کی۔

تَعْلِيمُ وَ تَقْدُسُ نَبِيِّ ﷺ اور علامہ ذخہری!

فرمایا: ذخہری نے سورہ تحریم کے آغاز میں حضرت رسالت پناہ ﷺ کے متعلق جو نازیبا کلمات استعمال کیے ہیں یا بے سرو پا روایات کو نقل کیا ہے، انھیں پڑھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان کے دل میں تعظیم و تقدس نبوی ﷺ کا کیا عالم ہوگا۔

یہ تمام روایات روئی کی نوکری میں پھینک دیے جانے کے قابل ہیں۔ ان تمام خرافات کے باوجود اکابر مفسرین نے اس تفسیر کے قابل قدر نکات سے استفادہ کیا ہے۔ زحشری کے بعد آنے والے تمام قابل ذکر مفسرین میں سے شاید ہی کوئی ایسا مفسر ہو جو اس تفسیر سے بے نیاز رہ سکا ہو۔ اگر زحشری ہمارے زمانے میں ہوتے تو قابل گردن زدنی اور ان کی تفسیر نذر آتش کر دی جاتی لیکن اسلاف کا یہ طرز نہیں رہا۔ انہوں نے حضرت رسالت پناہ ﷺ کی توہین اور اس تفسیر میں انحراف سے صرف نظر کر کے، جو کام کی بات نظر آئی، اسے نقل کر دیا۔

وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَىٰ. فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَىٰ کی لطیف تفسیر۔

فرمایا ﴿وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَىٰ﴾ کو وہ عربی زبان میں ہر اس سیاح کو کہتے ہیں، جو بڑی مائل ہو۔ انہوئی اس گھاس کو بھی کہتے ہیں جو بوسیدہ ہو کر سیاہ پڑ جائے۔ ”الاحوئی“ ”کالا بھنگ“، ”کالا بھٹ“۔ اب اگر سورۃ الاعلیٰ کی ان دو آیات پر غور کیا جائے وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَىٰ ﴿۵﴾ فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَىٰ ﴿۶﴾ اور وہ (اللہ) جس نے چارہ زمین سے نکالا ﴿۷﴾ اور پھر اسے سیاہ کوڑا کر دیا ﴿۸﴾ تو ایک ترجمہ تو یہی کیا گیا ہے کہ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات نے چارے کو زمین سے نکالا اور پھر وہ چارہ بوسیدہ ہو کر یا پامال ہو کر سیاہ پڑ گیا تو گویا کہ چارے کا آغاز اور انجام بتا دیا گیا۔ لیکن ذرا غور کیا جائے تو یہی لفظ انہوئی اس سیاح کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، جو سیاحی، سفری یا سبزی مائل ہوتی ہے۔ اور یہ چارے یا گھاس میں اس وقت پیدا ہوتی ہے جب فصل سرسبز و شاداب

ہوتی ہے اور اس میں نموکا جوش اسے سبز رنگ سے نکال کر سرخ یا سیاہ رنگ کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے تو ان آیات میں ”عُثَاة“ (چارہ) کی جو صفت ”احوی“ (سیاہ) آئی ہے، یہ بمعنی سیاہ نہیں بلکہ بمعنی ”سرسبز و شاداب آئے گی اور ان دونوں آیات کا ترجمہ یوں کیا جائے گا ”اور وہ (اللہ) جس نے چارہ زمین سے نکالا اور پھر اسے سرسبز و شاداب کر دیا“ ذوقِ سلیم اس ترجمے کو ترجیح دیتا ہے کہ سبزے کو پامال کر دینا یا اسے کوڑا بنا دینے کی نسبت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف کرنے سے بہتر ہے کہ ہم اس ذاتِ مقدس کی طرف سرسبزی و شادابی کی نسبت کریں۔ کلامِ باری تعالیٰ کے نظم میں بھی یہ ترجمہ زیادہ جتنا ہے۔ بعض مفسرین نے ان آیات کریمہ کی تفسیر یوں بھی کی ہے وَالَّذِي آخَرَجَ الْمَرْعَىٰ. أَحْوَىٰ فَجَعَلَهُ عُثَاةً (وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس نے زمین سے چارہ اگایا سرسبز و شاداب کیا اور پھر اسے کوڑا بنا دیا۔)

كُلُّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ کی تفسیر مولانا روم رحمہ اللہ کی زبانی۔

﴿فرمان﴾ یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے كُلُّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (اسے ہر دن ایک نیا کام ہے) تو اللہ تعالیٰ کو ہر روز اپنے بندوں کے گناہ معاف کرنے ہیں۔ ان کی دعاؤں کو سننا اور انتہاؤں کو قبول کرنا ہے۔ اقوام کی عزت و ذلت کے فیصلے کرنے ہیں۔ ہر دن نئے کام سے مراد یہ کام ہیں۔ حضرت مولانا روم رحمہ اللہ نے مثنوی میں اس آیت کی ایک اور بہت عمدہ تفسیر بیان کی ہے کہ اس ذاتِ پاک کو ہر روز جو کام کرنے ہیں ان میں سے ایک معمول کا کام روزانہ فکری یا فوج کی روانگی ہے۔ ایک فوج روزانہ وہ

مردوں سے عورتوں میں منتقل کرتا ہے۔ تاکہ نسل انسانی بڑھے۔ دوسری فوج روزانہ خواتین سے دنیا میں بھیجتا ہے اور بچے جنم لیتے ہیں اور تیسری فوج دنیا سے قبروں میں بھیجتا ہے تاکہ ہر شخص ان اعمال کی جزا کو دیکھے جو اس نے اس دنیا میں کیے ہیں۔

۵۔ مے خانے کا محروم بھی مرحوم رہے گا۔

فرمایا

اللہ تعالیٰ نے سورہ حدید (پ: ۲۷، آیت: ۱۰) میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دو قسموں میں منقسم کیا ہے۔

① وہ حضرات جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے انفاق اور جہاد کیا۔

② وہ حضرات جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کیا اور جہاد کیا۔

پھر ان دونوں میں فرق کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ یہ دونوں گروہ برابر نہیں ہیں۔ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے مالی اور جسمانی قربانیاں دی ہیں، یقیناً ان کا مقام اور مرتبہ ان سے بڑھ کر ہے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اپنا مال اور اپنی جان راہِ خدا میں کھپائی ہے۔ لیکن کیا ان دونوں میں اتنا فرق پڑ جائے گا کہ فتح مکہ کے بعد والے حضرات کوئی اجر اور جزا نہیں پائیں گے؟ اس اُٹھتے ہوئے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا کہ نہیں نہیں ایسے نہیں ہے، اگر فتح مکہ سے قبل مال و جان کی بازی لگانے والے غمِ غم درجہ ہیں لیکن فتح مکہ سے پہلے والے ہوں یا بعد والے ہر ایک کے ساتھ ”وعدہ جنتی“ ہے۔ دونوں گروہوں کو بشارت دے دی گئی کہ

مے خانے کا محروم بھی مرحوم رہے گا۔ ③

③ اصل معرکہ تو یہ ہے ۵۔ مے خانے کا محروم بھی محروم نہیں ہے
لیکن یہاں پر چند حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذکر ہوں گے کہ ان کا حلقہ ہے اس لیے خدا صبر میں بھیج دیا گیا۔

اور آیت کے آخر پر فرمایا اللہُ غَفِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (اے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) اللہ تعالیٰ خوب باخبر ہے ان اعمال سے جو تم کرتے ہو۔) اس آیت میں جو فعل ”تعملون“ آیا ہے، یہ صیغہ مضارع کا ہے اور مضارع چونکہ حال اور مستقبل دونوں معانی میں آتا ہے اس لیے عام طور پر مترجمین اور مفسرین اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں ”جو عمل تم کرتے ہو“ یعنی مضارع کا ترجمہ ”حال“ سے کرتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر اس فعل مضارع کا ترجمہ مستقبل سے کیا جائے کہ ”اے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ خوب باخبر ہے ان اعمال سے جو تم کرو گے“ تو اس ترجمے پر اشکال کیا ہے؟ کیا یہ ترجمہ لغت یا کتاب و سنت کی کسی نص قطعی سے نکلتا ہے؟ جب نہیں نکلتا تو اس کی تفسیر یہ ہوئی کہ فرمایا گیا کہ اے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دیکھو جیسے پہلے بھی ہم نے تمہارے دودرہے بنائے ہیں اور جن لوگوں نے فتح مکہ سے قبل مال و جان سے اسلام کے پودے کو سنبھالا ہے اور جنہوں نے فتح مکہ کے بعد قربانیاں دی ہیں انہیں برابر نہیں کیا تو اب آئندہ مستقبل میں بھی تم میں سے وہ لوگ جو آزمائش میں سرخرو ہوئے اور وہ لوگ جو اجتہاد کی خطا کریں گے سب برابر نہیں ہوں گے۔

جنگ جمل میں جو کچھ ہوگا، مصطفیٰ میں جو شہید ہوں گے، یزید کی تاحزونی اور بیعت کا جو معاملہ ہوگا، وغیرہ وغیرہ یہ جتنے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہوں گے، اللہ تعالیٰ باوجود ان سب کی اجتہادی خطاؤں کے ان کے ساتھ وعدہ حسنیٰ کر رہا ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ آئندہ زمانہ مستقبل میں ان سے کیا کیا خطائیں سرزد ہوں گی۔ اس کے باوجود چونکہ صحابیت کے مقام پر فائز ہیں اس لیے ہمارا ان کے ساتھ یہ وعدہ ہے کہ ہم انہیں ”وعدہ حسنیٰ“ کے

مطابق مقامِ رضا سے نوازیں گے۔

اس لیے اس آیت کے ترجمے پر غور کر کے حضراتِ صحابہ کرام رحمہم اللہ کا مقام اور تہ بھی سمجھ لیتا چاہیے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”تاویل الاحادیث“
سے مفسرین نے استفادہ نہیں کیا۔

فرمایا ماضی قریب کے تقریباً ڈھائی سو سال میں چند ایسی تفاسیر لکھی گئیں جن سے آج سارا عالم اسلام فائدہ اٹھا رہا ہے۔ پاک وہند میں بھی اسی اثنا میں ہمیں سے کم تفاسیر قید کتابت میں آئیں لیکن ان تمام تفاسیر میں کسی ایک مفسر نے بھی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”تاویل الاحادیث“ سے فائدہ اٹھانے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ حالانکہ اس کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضراتِ انبیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کے جو قصص قرآن کریم میں آئے ہیں ان کی بابت بعض بہت چٹے کی باتیں اس رسالے میں بیان کی گئی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی علمی ذہانت اور ذوقِ لطیف سے ایسے نکات بیان کرتے ہیں جن کے متعلق یہ کہنا دشوار ہے کہ انھوں نے اپنے سے پہلوں کی باتیں نقل کی ہیں۔ اس دور میں جو بھی تفسیر پر کام کرنا چاہے، اسے چاہیے کہ اس رسالے کا مطالعہ ضرور کرے۔ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تحقیق اور مقدمے کے ساتھ اس رسالے کو شائع کیا تھا اور بحمدہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے ذخیرہ کتب میں موجود ہے۔

بعض صوفیاء کے عقیدے میں ہکاڑ اور صاحب روح المعانی.....!

فرمایا اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بار بار اس عقیدے کی تلقین کرتا ہے کہ اپنی تکالیف اور مصائب کے حل کے لیے صرف اور صرف مجھ سے مدد مانگو۔ میں ہی ہوں جو تمہارے نفع اور نقصان کا مالک ہوں میرے علاوہ کسی کو بھی نہ تمہاری تکالیف اور ضروریات کا علم ہے اور نہ ہی کسی کے پاس ان کا حل ہے ہمیشہ مجھ سے مانگو۔

بہت سے صوفیاء کرام رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ حضرات اولیاء کرام رحمہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مظہر ہوتے ہیں اس لیے ان سے مدد مانگنا اور اپنی مشکلات و مصائب میں ان کی طرف رجوع کرنا کہ آپ ہمارے مسائل کو حل کر دیں، یہ جائز ہے کیونکہ ہم ان سے نہیں مانگتے بلکہ وہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی کے مظہر ہیں تو درحقیقت ہم اللہ تعالیٰ ہی سے مانگ رہے ہوتے ہیں۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر ”روح المعانی“ میں سورۃ النحل کی تفسیر میں ایسے لوگوں کو بہت عمدہ جواب تحریر فرمایا ہے، ان کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ فرماتے ہیں اگر یہ اولیاء کرام رحمہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مظہر ہونے کی وجہ سے اس قابل ہیں کہ ان سے مدد مانگی جائے اور استعانت و استغاثہ کیا جائے تو پھر انہی اولیاء اللہ کے لیے نماز بھی پڑھ لی جائے اور انہی کے نام کا روزہ بھی رکھ لیا جائے تو پھر کیا ممانعت ہے۔ اس لیے ہر شخص جو ہدایت کی دولت سے بہرہ مند ہے اس کے لیے امن اور سلامتی کی راہ یہی ہے کہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگے جو ہر عیب سے پاک، ہمیشہ زندہ

رہنے والا، ہر چیز اس کے قبضہ قدرت میں اور وہی اپنے بندوں کی مصلحتوں سے باخبر ہے۔ بعض صوفیاء میں جو بگاڑ ہے میرے قلم میں طاقت اور زبان کو یا رائیسی کہ اسے بیان کر سکوں۔

قبض ارواح کی مختلف صورتیں۔

فرمایا یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر شخص کی روح اس کے جسم سے حضرت عزرائیل علیہ السلام ہی جدا کریں اور اس کی موت واقع ہو بلکہ اس کی کئی ایک صورتیں ہوتی ہیں۔ سورۃ الانعام میں جہاں یہ بیان فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے پیچھے ہوئے فرشتے، انسانوں کی روح کو جسم سے الگ کر لیتے ہیں اور کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں کرتے اور پھر سب لوگ اپنے حقیقی مالک کے پاس لائے جائیں گے تو اس کی تفسیر میں قبض ارواح کی ایک صورت تو مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ قبض ارواح کبھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ خود فرماتے ہیں غالباً یہ وہ لوگ ہوتے ہوں گے جو کہ ہر نیکی میں بہت لے جانے والے اور درجہ اول کے اولیاء کرام علیہم السلام ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے بعد دوسرے شمار میں حضرت عزرائیل علیہ السلام ہیں اور یہ ان لوگوں کی ارواح کے لیے جو درجہ دوم کے نیک لوگ ہوں گے۔ جو راسخ فی العلم ہوں اور ایسی اچھی سیرت کہ اپنے نفس کی کشمکشوں سے انھیں تجرید حاصل ہو چکی ہوگی۔ پاک دل اور ہر قسم کی کدورت سے مزین، مغفرتوں کی دنیا سے دور اور ان کو قلب سلیم کی دولت حاصل ہو چکی ہوگی۔ درجہ سوم ان لوگوں کا ہے جنہوں نے صالحیت کی زندگی گذاری، عمومی طور پر نیک رہے لیکن تزکیہ نفس کی

دولت سے حقیقی معنی میں بہرہ یاب نہیں ہوئے۔ کچھ جسمانی گناہوں کے عوارض میں بھی تکیہ رہی۔ سو ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے فرشتوں کو بھیجتا ہے اور یہی رحمت کے فرشتے انھیں سمیٹ لیتے ہیں۔ ان فرشتوں کے ساتھ ان کی نیکیاں بھی خوبصورت شکل کے لڑکوں کی صورت میں انھیں دکھائی جاتی ہیں اور یہ ایسے ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور بشارت کو بہت خوبصورت لڑکوں کی شکل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیجا۔ ان لڑکوں نے ————— جو کہ درحقیقت فرشتے تھے ————— انھیں اور ان کی اہلیہ محترمہ کو خوشخبری سنائی کہ اس بڑھاپے کے باوجود اللہ تعالیٰ انھیں اولاد کی نعمت سے سرفراز فرمائے گا۔ تو موت کے وقت یہ نیکیاں خوبصورت لڑکوں کی شکل میں رحمت کے فرشتوں کے ساتھ آ جاتی ہیں۔ مثلاً کوئی شخص لوگوں کو بہت کھانا کھلاتا تھا، کوئی پانی پلاتا تھا، کوئی مساجد تعمیر کرتا تھا، کوئی شادیاں کراتا تھا، کوئی شخص قرض داروں کا قرض ادا کر دیتا تھا، وغیرہ وغیرہ۔ الغرض جو شخص جو بھی نیکی کرتا تھا اس کی وہ نیکی اگر اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی ہوگی تو وہ اس وقت مجسم شکل میں سامنے آئے گی۔ چوتھی صورت ان لوگوں کی ہے جو ظالم تھے، ان کے اخلاق بگڑے ہوئے تھے، مال کی محبت نے انھیں اندھا کیا ہوا تھا اور حسد، کینہ، بغض، نفیبت اور سوئے نطن سے ان کی روح سیاہ اور داندار تھی۔ اب اللہ تعالیٰ کے عذاب کے فرشتے آئیں گے۔ اگر روح پر لالچ اور حرص کا غلبہ تھا تو اب یہ حرص بندروں کی صورت میں ان عذاب کے فرشتوں کے ساتھ آئے گی۔ اگر دوسروں پر ظلم کر کے اپنے مفادات کو ناجائز طریقے پر حاصل کرنے کا غلبہ تھا تو اب یہ بُرا جذبہ اور یہ غلط حرکت ان عذاب

کے فرشتوں کے ساتھ مل کر کتوں کی صورت میں آئے گی۔ اگر جنس کا غلبہ تھا اور اس کا غلبہ استعمال تھا تو روح کو جسم سے الگ کرنے کے لیے عذاب کے فرشتے اور سورت آئیں گے، اور جن لوگوں کی رو میں اجسام سے ایسے الگ کی جائیں گی، وہ سوچ سکتے ہیں کہ اس کے بعد کیا ہوگا؟

حضرت ہبار بن اسود رضی اللہ عنہ کا نام معذین میں شمار کرنا درست نہیں۔

فرمایا کفار مکہ ہجرت سے پہلے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نازیبا القاطہ استعمال کرتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے وہ آیات نازل فرمائیں جو کہ سورۃ الحج کے آخر پر ہیں اور آپ کو تسلی دی گئی کہ رنجیدہ نہ ہوں اللہ تعالیٰ کافی ہے کہ انھیں سزا دے۔ جو لوگ ان حرکتوں کے مرتکب ہو رہے تھے مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے ان کے نام بھی تحریر فرمائے ہیں اور معاملہ اس حد تک تو درست ہے لیکن انہوں نے اس کے بعد کس کا فوک کیا سزا ملی، یہ تفصیلات بھی بیان کی ہیں اور ان میں ایک نام ہبار بن الاسود کا بھی آ گیا ہے کہ انھیں بھی قدرت کی طرف سزا ملی تھی، حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے۔ ہبار بن الاسود ممکن ہے ان لوگوں میں سے تو ہوں، جو ایسی نازیبا حرکت کرتے تھے لیکن انھیں کوئی سزا نہیں ملی بلکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ہدایت دی اور وہ مسلمان ہو گئے اور اب ان کا شمار حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے۔ یہ جو بعض مفسرین نے اس مقام پر یہ غلطی کی ہے، اس کی تصحیح ضروری ہے۔

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ بدر میں کفار مکہ کے ہمراہ

تھے اور شکست کے بعد قیدی بنے، حضرت رسالت مآب ﷺ نے انھیں اس شرط پر رہائی دی تھی کہ وہ مکہ مکرمہ پہنچ کر اپنی اہلیہ اور حضرت صاحبزادی صلبہ زینب علیہا السلام کو ہجرت کی اجازت دیں گے اور وہ مدینہ طیبہ تشریف لے آئیں گی۔

انہوں نے اپنے وعدے کو نبھایا اور اگرچہ وہ اس وقت اُمید سے حسیں لیکن انھیں مدینہ منورہ روانہ کر دیا گیا۔

حبار بن اسود — جو اس وقت مکہ مکرمہ کے اوباش لڑکوں میں سے تھے — انہوں نے جب یہ دیکھا کہ ایک تو بدر میں ہمیں شکست ہوگئی اور اوپر سے دن دیہاڑے ہمارے دشمنوں کی بیٹی یوں ہجرت کر رہی ہے تو آگے بڑھ کر اس اونٹ پر حملہ کیا اور صاحبزادی صلبہ کو ایسی چوٹیں آئیں کہ ان کا حمل ساقط ہو گیا۔

حضرت رسالت مآب ﷺ کو اس حرکت پر بہت رنج ہوا اور اس ظلم کے خلاف آپ نے صحابہ کرام علیہم السلام کو حکم دیا کہ اگر حبار کہیں قابو میں آجائے تو اسے زندہ جلا دیا جائے تاہا اس ظلم کی وجہ سے جو بچہ ضائع ہو گیا تھا یہ گویا اس کا بدلہ بھی تھا۔

پھر ایک مرتبہ آپ نے فرمایا حبار کو زندہ نہ جلاتا بلکہ اسے قتل کر دینا کافی ہوگا۔ آگ کا عذاب تو بس اسی ذات کے شایان شان ہے، جو آگ کا بھی پروردگار ہے۔ لیکن صحابہ کرام علیہم السلام کو حبار کبھی بھی نہیں ملے، یہاں تک کہ مکہ مکرمہ فتح ہو گیا اور حبار جان کے خوف سے روپوش ہو گئے۔

حضرت رسالت مآب ﷺ ہجرتِ مدینہ منورہ تشریف لے جا رہے تھے کہ آپ کو یہ اطلاع دی گئی کہ حبار بن الاسود کو مسلمانوں کے لشکر کے قریب دیکھا گیا ہے۔

آپ نے فرمایا میں نے بھی اسے دیکھا ہے اور اسی اثنا میں حبار بن الاسود خود حاضر ہو گئے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ اٹھے تاکہ اس کا سر اڑاویں۔ لیکن حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں جیسے کا اشارہ فرمایا۔ حبار سلام کر کے بیٹھ گئے اور کلمہ شہادت پڑھنے کے بعد عرض کیا کہ میں آپ سے دُور کر اپنے وطن سے بھاگ گیا تھا اور میرا ارادہ تو یہ تھا کہ عجمیوں میں جا کر کسی بادشاہ کے ہاں پناہ لے لوں گا۔ پھر میں غور کرتا رہا اور مجھے خیال آیا کہ آپ کی عادت تو اپنے دشمنوں کو معاف فرمانے کی ہے۔ پھر یہ خیال آیا کہ آپ ہمیشہ مجرموں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے رہے ہیں اور جو لوگ بھی آپ پر ظلم کرتے رہے ہیں آپ کی شہرت یہ ہے کہ آپ نے ہمیشہ انھیں بخش دیا ہے۔ اللہ کے رسول ہم شرک کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے اب ہمیں ہدایت دی ہے اور ہم تباہ و برباد ہو رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کو ہمارا وسیلہ نجات بنایا ہے۔ آپ میری جہالت کو معاف فرمادیں اور جو دکھ میں نے آپ کو (مسا جزاوی صلابہ کے بارے میں) پہنچایا ہے اسے بھلا دیں۔ میں اپنی اس حرکت پر آج واقعی شرمندہ ہوں۔

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تو صرف اقرار جرم پر بھی معاف فرمادیا کرتے تھے یہ تو حبار نے بہت جملے عرض کر دیئے تھے۔ ارشاد فرمایا حبار میں نے تمہاری تمام عمر کی غلطیاں معاف کیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ جو آپ کو قبولیت اسلام کی توفیق بخشی ہے، یہ اس کا بہت بڑا احسان ہے۔ اور دیکھو جب کوئی شخص اسلام قبول کر لیتا ہے تو پھر دور جاہلیت کی غلطیاں اللہ تعالیٰ ویسے بھی معاف فرماتا ہے۔

حضرت حبار بن الاسود رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور وہاں پر ابھی تک ان کے

اسلام اور معافی کی اطلاع نہیں پہنچی تھی، اس لیے لوگوں نے انہیں بُرا بھلا کہنا شروع کیا۔ اطلاع جب حضرت رسالت مآب ﷺ کو ہوئی تو آپ نے منع فرمایا اور لوگوں سے ارشاد فرمایا کہ جو تمہیں بُرا کہے، اسے بُرا کہو۔ غالباً مراد یہ ہوگی کہ اب حضرت حبار بن الاسود رضی اللہ عنہما تمہیں کچھ نہیں کہہ رہے اور میں بھی معاف کر چکا ہوں تو انہیں ملامت نہیں کرنا چاہیے۔

اس لیے مفسرین نے اس آیت کریمہ کے ضمن میں ان کا نام جو بغیر کسی ادب کے لیا ہے اور انہیں معذرت میں شمار کیا ہے تو یہ درست نہیں ہے۔

کیا دنیا میں قرآن کریم کی دولاکھ تفسیر موجود ہیں یا لکھی گئی ہیں؟

فرمایا ایک بزرگ تھے — نور اللہ مرقدہ — ان کے ملفوظات پر مشتمل ایک کتاب چھپی، مطالعے کا موقع ملا۔ جامع ملفوظات نے ان بزرگ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ حضرت فرماتے تھے کہ دنیا میں قرآن کریم کی دولاکھ تفسیر موجود ہیں یا لکھی گئی ہیں۔

ان کا یہ ملفوظ پڑھ کر بہت حیرت ہوئی یا تو اس ملفوظ کی نسبت حضرت بیاضی کی طرف غلط ہے اور یا پھر ان پر کسی حسن ظن کا غلبہ ہوگا۔ امر واقع یہ ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر پہلی صدی ہجری سے لے کر آج پندرہویں صدی ہجری تک دولاکھ (200000) تو درکنار صرف بیس ہزار (20,000) بھی نہیں لکھی گئیں۔

بزرگوں سے عقیدت کی بنا پر ایسی بے سرو پا روایات بیان کرنا یا تحریر کرنا لگ بات ہے

اور تحقیق کی دنیا کسی اور چیز کا نام ہے۔ اگر حضرت نے ہی یہ فرمایا تھا تو کاش کہ کوئی گستاخ اس وقت عرض کرتا کہ حضرت والا تفاسیر کے نام لکھنا شروع کرتے ہیں اور دو لاکھ نہیں صرف ہیں ہزار تفاسیر کے نام لکھتے ہیں۔ تو اس دھول کا پال کھل جاتا۔ آج بھی کوئی شخص دنیا کی جتنی بھی زبانوں میں قرآن کریم کی تفاسیر لکھی گئی ہیں ان سب کے نام ہی لکھنا شروع کر دے، خواہ وہ تفاسیر مطبوعہ ہوں یا قلمی تو میں ہزار کی تعداد پوری نہیں کر سکے گا۔ فرض کر لیجئے کہ قرآن کریم جس سال مکمل ہوا تھا اس سال سے لے کر آج کے برس تک ہر سال صرف ایک تفسیر بھی لکھی گئی ہو تو فی صدی ایک سو تفاسیر کے حساب سے چند سو تفاسیر تو ہونی چاہئیں اور حقیقت یہ ہے کہ اتنی تفاسیر بھی نہیں ہیں۔ مبالغے اور رنگ آمیزی کی روایات اور ہیں اور تحقیق کی دنیا الگ ہے۔ وہ تفاسیر جو واقعی تفاسیر کہلانے کے قابل ہیں اگر فی صدی میں تفاسیر لکھی گئی ہوں تو آج تین سو تفاسیر تو موجود ہونی چاہئیں، خواہ وہ مطبوعہ ہوں یا قلمی اور اگر اتنی بھی ہوں تو بسا نینیمت ہے۔ جبکہ حقیقت اس سے بھی کم ہے۔ اس سے اندازہ کر لینا چاہیے کہ بزرگوں کے ملفوظات میں بھی کبھی غلط باتیں آ جاتی ہیں۔ خود بزرگ ایسی بے سرو پا اڑاتے ہیں اور ان کے معتقدین سر جھکائے بیٹھے رہتے ہیں اور بغیر کسی تحقیق کے ان کی ہر بات پر اماناً و صدقاً کہتے رہتے ہیں اور پھر بزرگ تو محقق ہوتے ہیں اور بے پردگی نہیں اڑاتے لیکن جامع ملفوظات جو آب و رنگ چڑھاتے ہیں وہ قابل گرفت بن جاتا ہے۔



کیا واقعہ معراج میں حضرت رسالت مآب ﷺ کو
روحیت باری تعالیٰ کا شرف حاصل ہوا تھا؟

﴿فر﴾

قرآن کریم میں جو آیات واقعہ معراج کے متعلق ہیں، مفسرین نے ان کی تفسیر میں اس بات پر بحث کی ہے کہ شب معراج میں حضرت رسالت مآب ﷺ کو روحیت باری تعالیٰ کا شرف حاصل ہوا تھا یا نہیں؟ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم آپ کے اس شرف سے مشرف ہونے کے قائل تھے اور کئی ایک مفسرین نے حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا موقف یہ بیان کیا ہے کہ وہ اس بات کی قائل نہیں تھیں۔ پھر انہوں نے یہ موقف بیان کرنے کے بعد بحث کو تھک چھوڑ دیا ہے اور قاری کا ذہن کچھ فیصلہ نہیں کر پاتا۔ اگرچہ یہ مسئلہ ایمانیات میں سے نہیں ہے لیکن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو شب معراج میں دیدار خداوندی کے قائل ہیں، وہ تو صاف یہ بیان کرتے ہیں کہ انھیں اس عظیم انعام کی اطلاع خود حضرت رسالت مآب ﷺ نے دی ہے جبکہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہیں بھی یہ نہیں فرماتیں کہ انہوں نے یہ انکار حضرت رسالت مآب ﷺ سے سنا ہے یا انہوں نے دریافت فرمایا اور جواب نفی میں ملا، بلکہ وہ تو قرآن کریم کی ایک آیت سے استدلال فرماتی ہیں کہ ایسے نہیں ہو سکتا۔ تو قاری کو چاہیے کہ مسئلہ کی حقیقت جاننے کے لیے خود غور کر لے کہ ایک طرف تو صراحتاً صاف احادیث موجود ہیں اور حضرت رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں کہ انہوں نے شب معراج میں اللہ تعالیٰ

کو دیکھا ہے اور دوسری طرف حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا صرف قرآن کریم کی ایک آیت کی تفسیر کی رو سے اس بات کا انکار فرما رہی ہیں جبکہ ان کی اس تفسیر میں کیا کمی باقی ہے، صاحب روح المعانی رحمہ اللہ نے اس پر بھی بحث کی ہے۔ اگر حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس دیدار خداوندی کے انکار کی کوئی ایک بھی صحیح حدیث ہوتی تو وہ ضرور ارشاد فرماتیں لیکن ایسے ہوا ہی نہیں اس لیے دیگر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مسلک ہی اس معاملے میں مختار ہے۔

کسی کے جنتی یا جہنمی ہونے کی پیشینگوئیاں کرنے
والے جاہل صوفیاء اور متعصب مولوی!

فرمایا

ہمارے دور کے بہت سے صوفیاء اور جاہل متعصب مولویوں کا حال یہ ہے کہ یہ اپنے مریدوں اور معتقدین کو یہ بشارتیں دیتے پھرتے ہیں کہ تم جنتی ہو یا فرماتے ہیں کہ اے فلاں میں تو تمہیں اپنے ساتھ جنت میں لے جاؤں گا۔ جو مرید یا آسامی والدہار ہوتی ہے یہ بشارتیں عموماً انہیں ہی ملتی ہیں اور اپنے مخالفین تو کیا ذرہ برابر کوئی ان کی راہ سے ہٹ جائے یا ان کی خدمت میں کمی کر دے تو ارشاد ہوتا ہے کہ یہ تو باطنی مرتد ہے، یہ تو مسلوب الایمان ہے۔ ارے اس کی کیا بات کرتے ہو وہ تو جہنمی ہے۔ ارے ہمارے حضرت نے اسے جہنم میں چلتے دیکھا ہے اور ارے فلاں کو حضرت نے جنت کی بشارت دی ہے وہ غیر وہ غیر۔ یہ بشارتیں دینے اور سننے اور خوش ہونے والے کاش کہ سورہ توبہ کی آیت کو ہی سمجھ لیتے جس میں اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ

میں بسنے والے منافقین کے متعلق حضرت رسالت مآب ﷺ کو خبر دی کہ آپ ان منافقین سے واقف نہیں ہیں، ہم نہیں جانتے ہیں۔ جب حضرت رسالت مآب ﷺ کو مدینہ طیبہ میں رہنے والے منافقین تک کا علم نہیں تھا تو ان مشائخ اور علماء کو کیسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فلاں بھتی ہے اور فلاں جہنمی ہے۔ ان کی حیثیت کیا ہے کہ کسی بھی شخص کے مسلوب الایمان، بھتی یا جہنمی ہونے کے فتوے صادر کر سکیں؟ انھیں چاہیے کہ اپنی خیر منائیں اور اپنا فکر کریں کہ اللہ تعالیٰ کی کسی کے ساتھ کوئی رشتہ داری نہیں ہے کہ صرف نظر فرمائے گا۔ قادر مطلق اور غفور و جبار ہے اس پر کسی کا کیا اجارہ ہے؟ ایسی بشارتیں اور ڈراس قطعیت سے سنا تا کہیں مہلکانہ پڑ جائے۔ مفسرین کرام رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کی تخریج میں مشہور تابعی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی تفسیر نقل کی ہے اور کیا خوب تفسیر ہے کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں کا حال اتنا گر گیا ہے کہ جعلی اور بتاؤنی باتیں لوگوں سے کرتے ہیں کہ فلاں جنت میں جائے گا اور فلاں جہنم میں۔ ایسی باتیں کرنے والوں سے آپ اگر چاکر پوچھیں کہ جناب والا آپ اپنے بارے میں قطعی رائے دیں کہ کیا آپ بھی بھتی ہیں؟ تو یہ یہی کہے گا کہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔ سو مجھے میری زندگی کی قسم تم جو لوگوں کے اعمال کی بسبوت خود اپنے اعمال سے زیادہ واقف ہو (اپنے بارے میں تو فیصلہ کر نہیں سکتے اور لوگوں کے فیصلے کرتے پھرتے ہو) تم نے اپنے لیے ایسے جھوٹے دعوے گھڑے ہیں کہ ایسی بات تو حضرات انبیاء علیہم السلام نے کبھی نہیں کی۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں سے یہ فرمایا کہ جو کر قوت تم کرتے ہو مجھے کیا معلوم؟ اور حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ لوگوں میں تم پر

کوئی گنہگار تو نہیں ہوں (کہ مجھے تمہارے اعمال کی خبر ہو) اور یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سیدنا حضرت محمد ﷺ سے فرمایا کہ مدینہ منورہ میں جو منافق ہیں آپ انہیں نہیں جانتے، ہم جانتے ہیں۔ تو یہ آیات اور ایسی بہت سی دیگر آیات اس شخص کے رد کے لیے بہت قوی دلیل ہیں، جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اسے کشف سے لوگوں کے حالات کا علم ہوتا ہے اور اس شخص کا بھی رد ہے جو محنت کر کے جب اپنے دل کو صاف کرے اور اپنے نفس کو دنیا کے مشاغل سے فارغ کرے تو وہ لوگوں کو غیب کی خبریں بتانے کا دعویٰ کرے (اور لوگوں کے جنتی اور جہنمی ہونے کی چٹینیں گویاں کرتا پھرے) اور بعض صوفی اور مولوی تو یوں لوگوں کو غیب کی باتیں بتانے اور دعوے کرنے میں سخت لاپرواہ واقع ہوئے ہیں۔

اس لیے انسان کو چاہیے کہ لوگوں سے زیادہ اپنی فکر کرے اور اپنی نجات کا سوچے۔ قطعیات کی خبر دینا حضرات انبیاء علیہ السلام کا خاصہ ہے کہ انہیں وحی کے ذریعے علم دیا جاتا ہے۔ باقی خواہوں اور کشف کی بناء پر لوگوں کو مسلوب الایمان، جنتی اور جہنمی قرار دیتے دیتے یہ نہ ہو کہ جاہل صوفی اور غیر مہذب مولوی شرک فی الرسالہ کا ارتکاب کر بیٹھے۔

کیا صالح بندوں کو جنت میں رویت باری تعالیٰ نصیب ہوگی؟

فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورہ یونس علیہ و علیٰ نبینا الصلوة والسلام میں یہ خوشخبری دی ہے کہ وہ اپنے صالح بندوں کو جنت سے بھی زیادہ اور اس سے بھی بڑھ کر ایک انعام عنایت فرمائے گا۔ اب جنت سے بھی بڑھ کر جو انعام ہوگا وہ اہل السنۃ والجماعہ کے

متفقہ عقیدے کے مطابق اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی زیارت، اس پاک ذات کی رویت اور باری تعالیٰ کو دیکھنے کی دولت ہے۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں اہل السنۃ والجماعہ کے تمام مفسرین نے اس عقیدے پر اتفاق کا اظہار کیا ہے بلکہ دعا بھی مانگی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی زیارت کے انعام سے سرفراز فرمائے۔

معقولہ اور روافض کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کبھی بھی زیارت نہیں ہوگی۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ ان حضرات کے اس عقیدے پر بہت ناراض ہوئے ہیں۔ اور علامہ جتھری صاحب کشف جو معترلی اور اس فرقے کے امام اور نمائندے مانے جاتے ہیں ان کے متعلق لکھا ہے کہ ان کا یہ عقیدہ ”زعم فاسد“ ہے اور قیامت میں اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ انصاف کرے یعنی دے الفاظ میں یہ کہا کہ وہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے فضل کی بجائے انصاف سے بہرہ ور ہوں اور عطا کرے کہ یہ دعا نہیں بلکہ بددعا ہے۔

اہل السنۃ والجماعہ کے اس عقیدے کے تحفظ کے لیے وہ حساس ہیں اس لئے کہ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ تک پر نقد کیا ہے اور لکھا ہے کہ انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں جو یہ لکھ مارا ہے کہ ”قل“ (یہ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوگی۔) تو یہ لفظ ان کی شان کے خلاف ہے۔ یعنی انہیں پورے یقین کے ساتھ لکھنا چاہیے تھا کہ قیامت میں رویت باری تعالیٰ ہوگی۔ مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کریمہ کے ضمن میں اس عقیدے کی خوب وضاحت اور حفاظت کی ہے۔



کیا میدان جہاد میں شہید ہونے والا اور اللہ کی راہ میں وفات پانے والا دونوں مجاہد، اجر و ثواب میں برابر ہیں؟

فرمایا ایک شخص جہاد کے لیے جاتا ہے اور شہید ہو جاتا ہے جبکہ دوسرا شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلتا ہے مثلاً علم حاصل کرنے یا علم کو پھیلانے یا تجارت اور رزق حلال کمانے کی غرض سے یا اسلام کی سر بلندی کے لیے یا دین کی تبلیغ کے لیے یا کسی بھی ایسے شعبے میں جس کا تعلق دین سے بنتا ہے اور پھر اسے اس راہ میں موت آ جاتی ہے تو کیا وہ شہید اور یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں وفات پانے والا شخص، اجر و ثواب میں دونوں برابر ہیں؟

سورۃ النساء کی ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں حضرات اپنے اجر کے اعتبار سے برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجاہد کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص بھی اپنے گھر سے ہجرت کی نیت سے نکلا اور پھر راستے میں اسے موت نے آ لیا تو (اس کی ہجرت اگرچہ بظاہر مکمل نہیں ہوئی، تو بھی) اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمے رہا۔ سو مجاہد اور شہید اگر میں برابر ہی ہوں گے۔ ویسے بھی حضرت رسالت مآب ﷺ نے بھی تو فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارا گیا وہ بھی شہید ہے اور جسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں موت آ گئی وہ بھی شہید ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قرآن کریم حفظ کرنا زیادہ ضروری ہے یا اس پر عمل کرنا؟

فرمایا

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں قرآن کریم کا حفظ، تلاوت اور جن آیات پر عمل ممکن تھا، ان پر عمل، یہ دونوں کام ساتھ ساتھ ہوئے۔ وہ خود فرماتے تھے کہ ہم حضرت رسالت مآب ﷺ سے دس، دس آیات کا سبق لیتے تھے اور پھر غور و فکر کر کے ان آیات میں جو اعمال کرنے پر قدرت ہوتی تھی، ان پر عمل کر کے پھر حاضر ہوتے تھے اور مزید دس آیات کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس لیے ان حضرات میں علم اور اس کے بعد عمل ساتھ ساتھ تھا۔ اسی لیے تو حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سورۃ البقرہ بارہ سال میں مکمل کی اور جب یہ سورۃ مبارکہ پوری ہو گئی تو انہوں نے اس خوشی میں ایک اونٹ ذبح کیا اور دوستوں کی دعوت کی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حفظ قرآن کی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ ہمیں قرآن کریم کے الفاظ یاد کرنا (حفظ) مشکل تھے لیکن (ایمان کی چٹنگی کی وجہ سے) قرآن کے احکامات پر عمل بہت آسان تھا اور پھر ہمارے بعد ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا، جب لوگوں کے لیے قرآن یاد کرنا آسان ہوگا لیکن اس پر عمل کرنا دشوار ہو جائے گا۔

اگر وہ آج کا زمانہ (پندرہویں صدی) دیکھ لیتے تو جانتے کہ ان کی بات سونی صد درست تھی۔ بے شمار لوگ اپنے بچوں کو حفظ کراتے ہیں حتیٰ کہ سکول کی تعلیم چھڑوا کر حفظ کروا رہے ہیں۔ لیکن قرآن کریم پر عمل اور تو کوئی کیا کرتا خود یہ حافظ بھی نہیں کرتے۔ نمازیں ضائع کرتے ہیں، رمضان بھی ہو گئے تو بہت احسان کیا۔ سارا

سال قرآن کریم کی تلاوت نہیں کرتے اور اکثر تو بھول ہی جاتے ہیں یا بھلا دیے جاتے ہیں۔ فیصمت ہے جو رمضان المبارک میں تراویح میں سنا دیں۔ سو جب نہ نماز رہی نہ تلاوت رہی تو عمل کیا رہا؟ عمل یہ کہ فاشی اور عریانی میں پڑ جاتے ہیں، بچوں کو مارتے ہیں اور ظلم کرتے ہیں۔ قرآن کریم کو جو بیچنے کی صورتیں اور جو فقہاء نے حرام لکھا ہے ایسے مشغل میں مبتلا ہیں۔ شاید اسی دور کی چشین گوئی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی کی تھی۔ وہ فرماتے تھے کہ اس امت کے ابتدائی دور میں اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ حال تھا کہ وہ مکمل قرآن کریم کے حافظ نہ تھے صرف چند ایک سورتیں یاد ہوتی تھیں لیکن قرآن کریم کی ہدایات اور احکامات پر عمل میں وہ سب سے بڑھ کر تھے کہ ان جیسا دین پر عمل کرنے والا کوئی نہ تھا اور جب اس امت کا آخری دور آئے گا تو تم دیکھو گے کہ مسلمانوں کے بچے بھی قرآن کریم کو حفظ کریں گے۔ ان کے اندھے بھی حافظ ہوں گے لیکن ان کے کڑو توں کی وجہ سے قرآن پر عمل کرنے کی توفیق ان سے چھین جائے گی۔

کیا اب ایسا دور نہیں آ گیا؟ پھر حفاظ کرام اس زوال کو دور کرنے کے لیے اپنے اعمال کو صالح کیوں نہیں بناتے؟

حضرت خلف بن ہشام رضی اللہ عنہ، حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور تابعی تابعین میں سے تھے۔ اپنے دور میں قرأت کے امام تھے اور فرماتے تھے کہ ہمارے دور میں قرآن کے ساتھ ایسے سلوک ہو رہا ہے جیسے کہ وہ پرانی اور مانگے کی چیز ہے (یعنی جیسے انسان مانگی ہوئی چیز کی حفاظت سے غفلت برتا ہے، ہم قرآن کریم کے ساتھ ایسے سلوک کر رہے ہیں۔) اور ہم تک بچے لوگوں کی یہ روایات پہنچی ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سورۃ بقرہ

کے حفظ میں دس برس سے زیادہ عرصہ بیت گیا تھا (کیونکہ قرآن کریم ان حضرات کے لیے قابل محبت، اپنی چیز تھی اس لیے وہ اس پر بہت غور و خوش کیا کرتے تھے تو زیادہ وقت اس میں صرف ہو جاتا تھا) اور پھر جب انہوں نے اس سورت کو یاد کر لیا تو ایسے خوش تھے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے ایک اونٹ ذبح کیا۔ اور اب یہ حال ہے کہ میرے سامنے بچے اپنی منزل سنانے بیٹھتے ہیں اور ایسی شاندار منزل سناتے ہیں کہ دس دس پارے ایک نشست میں حفظ سنا دیتے ہیں اور ایک حرف اور زیر زبر کی لفظی بھی نہیں کرتے لیکن ان حافظوں کا عمل کے پارے میں یہ حال ہے کہ گویا قرآن مانگنے کی چیز ہے (اس میں جو احکامات اور مناسبتیں آئی ہیں وہ گویا حافظ کے لیے نہیں کسی اور کے لیے ہیں حالانکہ تلاوت اور حفظ یہ خود کر رہا ہے)

علامہ شہاب الدین آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اور روایت باری تعالیٰ.

فرمایا اس آخری دور کے بے مثال مفسر علامہ سید شہاب الدین آلوسی رحمۃ اللہ علیہ صرف مفسر قرآن کریم ہی نہیں تھے بلکہ اعلیٰ درجے کے صوفی بھی تھے۔ اپنی تفسیر ”روح المعانی“ میں انہوں نے تصوف پر بھی خوب تحریر فرمایا ہے، اکابر صوفیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کی وکالت بھی خوب کی ہے اور متصوفین کا پردہ بھی چاک کیا ہے۔

روایت باری تعالیٰ کے سلسلے میں خود اپنے متعلق بیان کیا ہے کہ انھیں تین مرتبہ خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی اور یہ تیسری زیارت ۱۲۴۳ھ میں ہوئی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی تجلیات کو مشرق کی سمت میں دیکھا اور باری تعالیٰ نے اپنا پاک کلام

ان پر اللہ فرمایا جو کہ انہیں یاد نہیں رہا۔ ایک مرتبہ یہ بھی دیکھا کہ گویا وہ جنت میں بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہیں اور لؤلؤ و مرجان کا پردہ حائل ہے۔ ان پتھروں کے مختلف رنگ ہیں اور حکم دیا گیا کہ اس شخص کو مقامِ صوفی اور مقامِ محمدی ﷺ کی سیر کرائی جائے۔ پھر سید شہاب الدین محمود آلوسی رحمہ اللہ کو ان مقامات کی سیر کرائی گئی لیکن وہاں پر انہوں نے کیا مشاہدہ کیا اس کا تذکرہ نہیں تحریر فرمایا صرف یہ لکھا کہ وہاں جو کچھ کہ میں نے دیکھا، دیکھا۔ اور پھر ان انعامات پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا شکر ادا کیا ہے۔

عقل جب وحی کے تابع ہو تو، پاک ہوتی ہے۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بار بار پاکیزہ رہنے کی تلقین کی ہے طہارت پر زور دیا ہے اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ غسل، وضو اور تیمم ہی طہارت ہے جب کہ طہارت اپنے بہت وسیع معنی میں ہے۔ بلاشبہ جسم کی طہارت تو غسل، وضو اور تیمم سے ہے لیکن روح اور مال سے کیسے صرف نظر کیا جاسکتا ہے۔ مال کی طہارت زکوٰۃ، صدقہ فطر اور جن جن کاموں پر جس قدر خرچ کرنا ضروری ہے، جب کوئی مالدار ان امور میں اپنی ذمہ داری پوری کرے گا تو پھر اس کا مال پاک ہوگا۔ علم کی طہارت، جہالت سے نجات پانا ہے اللہ کی یاد (ذکر) کو غفلت نا پاک کرتی ہے اس لیے اس سے بچنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پاک ہے، خالص دودھ ہے، گناہ اسے نا پاک کرتا ہے، خالص دودھ میں ناپاکی مل جاتی ہے اس لیے اس سے چمکا را حاصل کرنا ضروری ہے۔ عقل جب وحی کے تابع ہو تو پاک ہوتی ہے۔ دل شہوت سے خالی ہو تو پاک

ہے۔ نفس کی سب سے بڑی ناپاکی کفر ہے اور شریعت اسے پاک کرتی ہے اور جب غیر اللہ کا عدم اور وجود برابر ہو جائے تو پھر پاکیزگی کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

مشکلات کے حل کے لیے قرآنی وظیفہ

فرمایا زندگی میں جو بھی مشکلات پیش آئیں، ان میں چاہیے کہ وہ اور دو وظائف جو کتاب و سنت اور صحیح احادیث میں وارد ہوئے ہیں، ان کو اپنا وظیفہ بنائے، مشائخ کرام رحمہ اللہ اور اپنے اپنے سلسلے کے وظائف سر آگھوں پر لیکن جو کلمات طہیات اللہ تعالیٰ نے یا حضرت رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمائے ہیں، ان کا تو کہنا ہی کیا، بھلا ان کے ہم وزن بھی کسی کے جوہر کردہ وظائف ہو سکتے ہیں؟ حدیث میں سورہ توبہ کی آخری آیت کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اس میں تو ایسی زبردست تاثیر ہے کہ کوئی شخص اگر اس وظیفے کو سات مرتبہ صبح اور سات مرتبہ شام کو پڑھ لے خواہ اس یقین سے پڑھے کہ اللہ تعالیٰ میری تمام مشکلات کو حل فرما دے گا اور یا پھر یقین نہ ہو اور محض اوپر کی زبان سے پڑھ لے، تو بھی اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے گا۔ حدیث شریف کا یہ مفہوم ذہن میں رکھ کر کوئی اگر سات مرتبہ صبح اور سات مرتبہ شام کو یہ پڑھ لے۔

حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ

ترجمہ: وہ اللہ (تمام مشکلات میں مجھے) کافی ہے، جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور عرش جیسی بڑی مخلوق کو

پالنے والا بھی وہی ہے۔

تو مشکل کیا ہے؟ حل مشکلات کے لیے جہاں اور ہزاروں جتن کرتا ہے، یہ ایک چھوٹا سا وظیفہ بھی پڑھ لے تو کیا جاتا ہے؟

امام قرطبی رحمہ اللہ اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مقام و مرتبہ۔

فرمایا امام قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو ضعیف لکھا ہے تو اس کو کون پوچھتا ہے؟ اس جملے کی وقعت ہی کیا ہے۔ آئمہ کرام رحمہم اللہ اس مقام سے بہت بلند و بالا ہیں کہ کوئی ان پر جرح کر کے یہ ثابت کرے کہ وہ متروک اور ضعیف تھے۔ اصول حدیث میں یہ بات طے شدہ ہے کہ ان آئمہ کرام رحمہم اللہ کے بارے میں جرح کو قبول ہی نہیں کیا جائے گا۔

امام مالک رحمہ اللہ کا فرمان کہ ہمارے زمانے میں
سوائے انصاف کے باقی ہر چیز کثرت سے ہے۔

فرمایا حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی گئی اور اس موقع پر فرشتوں نے جن اشکالات کا اعہار کیا، جب ان اشکالات کی حقیقت واضح ہو گئی تو فرشتوں نے اپنی لاعلمی اور اللہ تعالیٰ ہی کے عالم الغیب ہونے کا برملا اعہار کیا، جو کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ میں ارشاد فرمایا ہے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں امام قرطبی رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ

اپنے دور کے متعلق ارشاد فرماتے تھے کہ ہمارے زمانے میں سوائے انصاف کے باقی ہر چیز کثرت سے ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ یہ شکایت کر رہے ہیں جب کہ زمانہ دوسری صدی ہجری کا تھا۔

پھر امام ابو عبد اللہ انصاری رحمہ اللہ اپنے دور کا حال بیان کرتے ہیں کہ دیکھو یہ تو امام مالک رحمہ اللہ اپنے دور کی شکایت کر رہے ہیں۔ ہم آج اپنے زمانے کو کیا کہیں جس میں فساد و جحجحہ پایا ہے اور کمینوں کی کثرت ہو گئی ہے۔ علم، حکومتی عہدے حاصل کرنے کے لیے سیکسا چار ہا ہے۔ علم، شعور اور انسانیت کے لیے پڑھنا تو مٹ چکا۔ علم تو اس لیے حاصل کیا جا رہا ہے کہ دنیا میں خوب ٹھانڈھ اور باریک کاری سے رہیں۔ اپنے دور کے علماء سے مناظرے کر کے غالب رہیں اور وہ جھگڑے ہیں جن سے دل سخت ہو جائیں اور ایک دوسرے کے خلاف بغض پیدا ہو اور یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ تقویٰ ختم ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی محبت دلوں سے نکل گئی۔

حضرت امام قرطبی رحمہ اللہ کا یہ دور ساتویں صدی ہجری کا ہے۔ ان کا انتقال ۶۷۱ھ میں ہوا ہے گویا کہ آج سے 763 برس قبل۔ پھر ان آٹھ صدیوں میں جو علم اٹھا اور رخصت ہوا۔ غیر مسلم اقوام کی تعلیمات کا غلبہ اور تہذیب تبدیل ہو گئی ہے۔ شہروں کے شہر کتب خانوں سے خالی ہو گئے ہیں اور جب محض نام کے علماء رہ گئے ہیں اور علم سے کورے ہیں اور علم کی طلب ہی نہیں رہی تو پھر کتب خانے کیونکر بنیں؟ اگر وہ حضرات امت کا یہ حال دیکھ لیتے تو کیا ارشاد ہوتا۔



علم میں اضافے کی دعا مانگتے رہنا چاہیے۔

فرمایا

اللہ تعالیٰ نے حضرت رسالت مآب ﷺ کو بعض اشیاء اور امور کے متعلق یہ حکم دیا کہ وہ ان میں اضافے کی دعا مانگتے رہیں۔ قرآن کریم میں ہے کہ ان میں سے ایک چیز ”علم“ ہے، جس کے متعلق حکم ہوا کہ اس میں اضافے کی دعا مانگتے رہیے اور دوسری چیز قیام اللیل یا تہجد ہے جس کے متعلق ارشاد ہوا کہ آپ اسے آدھی رات سے بھی کم کر دیں یا بڑھالیں۔ لیکن یہاں آدھی رات سے زیادہ کو غالباً مستحسن تو قرار دیا لیکن اضافے کی دعا صرف علم ہی کے لیے ہوئی اور تہجد یا قیام اللیل میں نصف شب سے بھی زیادہ وقت کو پسند فرمایا۔ نہ اضافے کا حکم دیا نہ اس وقت کے اضافے کے لیے دعا مانگنے کو ارشاد فرمایا بلکہ وقت کی کمی یا اضافے کو اختیار کر دیا۔ علم میں الہت اضافہ مانگنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ اس سے علم کی فضیلت اور اہل علم کی عظمت ثابت ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما جب اس آیت رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا (اے میرے پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما) کو پڑھتے تھے تو تلاوت روک کر پھر یہ دعا مانگتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ زِدْنِيْ عِلْمًا وَ اِيْمَانًا وَ بَيِّنًا.

(ترجمہ): اے اللہ میرے علم، ایمان اور یقین میں اضافہ فرما۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ذی المعارج کے ہاں قدروانی اب بھی
وہی ہی ہے مگر.....!

فرمایا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنی ایک صفت اور اپنا ایک نام بیان کیا ہے ”ذی المعارج“ (زیوں کا مالک، بیڑیوں والا) اور اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان جس بھی اچھی منزل پر پہنچ چکا ہو، اس پر اکثاف اور قناعت نہ کرے بلکہ آگے بڑھنے کی کوشش کرتا رہے، کسی بھی ایک مقام پر نہ رکے نہیں بلکہ ہر لمحہ، ہر دم، ہر ماہ و ہر سال عروج کا سفر اور عروج کی طلب بڑھتی رہتی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ معارج (بیڑیوں، زیوں) والا ہے تو انسان جتنی بھی ترقی اور قرب الہی کی منازل طے کرے گا ہر مقام، ہر ذینے اور ہر سیڑھی پر اللہ تعالیٰ کو اپنا منتظر پائے گا وہ ہر مقام اور عروج کی سیڑھی پر اس کا استقبال کرے گا۔ یہ جتنا آگے بڑھے گا، ذات اقدس اس مسافر کی ہر منزل پر قدروانی کرے گی۔ مگر اس عروج کے لیے مرد چاہیں وہ باہمت مرد جو سمندر کی گہرائی سے زیادہ اتھاہ ہیں، وہ مرد جن کی ہمت کے سامنے پہاڑ پاش پاش ہیں اور وہ مرد جن کے متعلق مولا ناروم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

دی شیخ با چراغ ہی گشت گرد شہر
کز دیو و دو ملوم و انسانم آرزوست
زین ہر بان ست عناصر دلم گرفت
شیر خدا و رستم دستام آرزوست

گلتھم کہ ”یافت می نشود جنت ایم ما“

گلتھ ”آنکھ یافت می نشود، آئم آرزوست“

(ترجمہ مع مختصر تشریح) کل دو پہر شجہ چراغ ہاتھ پہ رکھ کر شہر میں ایک گم شدہ چیز تلاش کر رہے تھے اور یہ بھی فرما رہے تھے کہ میں شیطانوں اور درندوں میں رہ رہ کر ان سے ٹک آ گیا ہوں اور ایک انسان تلاش کر رہا ہوں کہ کسی انسان سے ملوں۔ یہ جو انسان نما جانور مجھے ملتے ہیں ان سے مل کر میرا دل بہت پریشان ہوتا ہے اور مجھے تو ایسے انسانوں کی تلاش ہے جیسے شیر خدا سیدنا علیؑ جیڑھتے اور جیسے ہم کہانیوں میں ایران کے پہلوان رستم جیسے بہادر انسانوں کے قصے پڑھتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ شیخ ہم بھی ایسے ہی انسان کی تلاش میں ہیں اور بہت ڈھونڈا لیکن اب انسان ناپید ہوئے اور نہیں ملا کرتے۔ شیخ فرمانے لگے ”وہ جو تمہیں تلاش کے باوجود نہیں ملا، میں بھی اسی کو ڈھونڈ رہا ہوں۔“

اسی لیے تو تابعین کہتے تھے کہ ہم حضرات صحابہ کرامؓ کو کوئی اکیلے جنت میں تموزا ہی جانے دیں گے۔ خوب معرکہ ہوگا۔ صحابہؓ بھی جانیں گے کہ وہ اپنے بعد کیسے کیسے ”مرد“ چھوڑ کر گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ثَلَاثَةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ ﴿١٥﴾ وَقَلِيلٌ مِنَ الْآخِرِينَ ﴿١٦﴾ (سورہ واقعہ)، (وہ جنت میں جانے والے ایک بڑا گروہ پہلے لوگوں (صحابہ کرامؓ) میں سے ہوگا اور کچھ تھوڑے لوگ، جو بعد کے زمانوں میں آئیں گے (انہی پہلے لوگوں کے ہمراہ

ہوں گے)) اب بھی ہاہست افراد کی تلاش ہے۔ اللہ ذی المعارج کے ہاں قدروانی اب بھی ویسے ہی ہے لوگ بدلے ہیں ان کا پروردگار تو نہیں بدلا۔ وہ تو اب بھی عروج کو پسند کرتا ہے، پلاتا ہے لیکن سیڑھیاں چڑھنے کی ہمت کرنے والے فسوس کہ کم رو گئے۔ نہ تھا اگر تو شریک محفل قصور میرا ہے یا کہ تیرا

میرا طریقہ نہیں کہ رکھ لوں، کسی کی خاطر مئے شہانہ مسلسل ترقی اور ہمیشہ آگے بڑھنے کی کیسی حوصلہ افزائی کی گئی ہے اس لیے مومن کا راستہ کبھی طے نہیں ہوتا، ہر ایک منزل کے بعد ایک نئی منزل اور ہر ایک ٹھکانے کے بعد ایک نیا ٹھکانہ یہی وہ جذبہ ہے جو مسافر پر جب طاری ہوتا ہے تو وہ زبان حال سے یہ نعرہ لگاتا ہے۔

ہر لمحہ نیا طور، نئی برق چلی اللہ کرے مرحلہ شوق نہ ہو طے جو لوگ مراقبہ ذات پر پہنچ کر سمجھتے ہیں کہ سالک کا سلوک طے ہوا وہ دھوکے میں ہیں۔ یہ مراقبہ ذات مقدسہ تو خود لامتناہی ہے۔ یہ کہیے کہ اسباق تمام ہوئے یہ مت کہیے کہ سلوک ختم ہوا وہ تو اب جاری ہے صوفی اسے زندگی میں شروع کرتا ہے پھر قبر میں بھی اس مراقبے کی منازل طے ہوتی رہتی ہیں پھر حشر، پھر جنت، پھر ذات مقدسہ چونکہ خود لامتناہی ہے اس لیے اس کے قرب کا سفر بھی لامتناہی ہے۔ یہ سلوک بھی کبھی بھلا مکمل ہونے والی راہ ہے؟ یہاں تو ہر صبح نئی پیاس ہے اور ہر شام نئی سیرانی ہے۔

یہی حال مومن کی دنیا کی ترقی کا بھی ہے وہ جس راہ پر بھی گامزن ہو ہر لمحہ آگے بڑھتا ہے، ہر لمحہ نئی سیڑھی پر قدم رکھتا ہے۔ ہر روز کی اپنی اور نئی ترقی ہے اور ہر شام کو وہ

نئی منزل پر آتی ہے۔ مومن اپنے نفس سے بار بار یہ کہتا ہے۔
 ۛ گری تھی جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

اپنے منہ میاں مٹھو نہیں بننا چاہیے۔

فرمایا

دنیا میں شرافت کے ساتھ زندگی گزارنا ہو تو ہر شخص جو اپنے فن کا ماہر ہے، اس فن میں اس کی بات مان کر چلنا چاہیے۔ پھر کبھی تو یہ صورت ہوتی ہے کہ اس علم و فن کے حاذق و ماہر سے ابتداء ہی سے اختلاف ہو جاتا ہے۔ اس اختلاف کا حل یہ ہے کہ ادب کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے کہ یہ ضروری ہے اپنے دلائل کو مرجح کر کے اختلاف رائے کو بلا جھجک بیان کر دینا چاہیے۔ اس موقع پر بڑے حضرات کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے چھوٹوں کی رائے اور دلائل کو ختمہ پیشانی سے سنیں۔ برداشت کریں اور دلیل کا جواب دلیل سے دیں نہ یہ کہ محض اپنے بڑے ہونے کی دلیل کے بل بوتے پر دوسروں کی دلیل کو بے وزن قرار دیا جائے۔ پھر کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ کام شرع ہو جاتا ہے اور نئے تجربات پیش آتے ہیں تو ان نتائج کو اس علم و فن کے ماہر کے سامنے رکھتے رہنا چاہیے تاکہ ان کے تجربے سے فائدہ اٹھایا جاسکے یا پھر نئی بات ان کے علم میں بھی آئے۔ لیکن کچھ ہو جائے، چھوٹا ہو یا بڑا کبھی بھی اپنی تعریف، اپنے منہ میاں مٹھو بننا، یہ نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہی کی بات ماننی چاہیے کہ اس نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ بلا وجہ اپنی پاکیزگی کا ڈھنڈورا مت پیٹتے رہا کرو۔ اسلاف میں اس بات کا بہت اہتمام تھا کہ اس آیت کریمہ میں جو حکم آیا ہے اس کو من و عن مانا

جائے اور جب تک کوئی شدید ضرورت پیش نہ آئے اپنے متعلق تحریری کلمات نہ کہے جائیں۔ دو منے ہوئے لوگ اور ریاسے پاک ان کے اعمال تھے۔

امام علی بن مرداد قطنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور میں علم حدیث کے امام تھے۔ امام اسحاقی، حاکم نیشاپوری، ابوفیم اصفہانی، ابوالقاسم التوفیقی اور قاضی ابوالطیب الطبرسی رحمۃ اللہ علیہ جیسے علماء اور محدثین تو ان کے شاگرد تھے۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ نے امام دارقطنی جیسا کوئی صاحب علم بزرگ دیکھا ہے، تو انہوں نے فرمایا، خود امام دارقطنی نے اپنے جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا ہوگا تو بھلا میں کہاں سے دیکھ سکتا ہوں؟ امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد درجاء بن محمد فرماتے ہیں کہ میں نے امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ نے دنیائے اسلام میں کوئی اپنے جیسا دوسرا شخص دیکھا ہے؟ تو انہوں نے قرآن کریم کی یہی آیت پڑھ دی کہ بلا وجہ اپنے ترکے کا اٹھار مت کرو۔ پھر جب میں اپنے سوال کے جواب پر اصرار کرتا رہا تو بس یہ فرمایا کہ علم حدیث پر اپنی کتابوں کے ذریعے جو میں نے کام کیا ہے، اب تک کسی سے نہیں ہو سکا۔ اس لیے اسلاف کا یہ رویہ ہم سب کے لیے قابل تقلید ہے۔

تفسیر قرآن کریم کے دو بنیادی اصول۔

فرمایا

تفسیر قرآن کریم میں یہ اصول یاد رکھنا چاہیے کہ استقہام انکار سے اللہ تعالیٰ کی مراد اثبات قطعی ہوتا ہے اور ”بَشْرًا وَعَشِيًّا“ (صبح و شام) سے مراد یہ صبح و شام نہیں ہوتے، جو طلوع و غروب آفتاب سے پیدا ہوتے ہیں بلکہ اس سے مراد برابر ”علی الدوام“ ”ہمیشہ“ ہوا کرتا ہے۔

حدیث مبارکہ

وَمَا أَنْتُمْ بِالرَّسُولِ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا
وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ.

(پ: ۲۸، سورۃ الاحزاب: آیت: ۷)

① اور حضرت رسالت مآب ﷺ تمہیں جو کچھ (احکامات) دیں

وہ لے لو (ان پر عمل کرو)

② اور جن کاموں سے وہ تمہیں منع کر دیں، ان سے رُک جاؤ۔

③ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

④ اللہ تعالیٰ سزا دینے میں بڑا سخت ہے۔



اہل مدینہ کو ستانے والے کے لیے بددعا اور اس کی فوری قبولیت۔

فرمایا

حضرت رسالت مآب ﷺ کا ارشاد گرامی صحیح مسلم وغیرہ میں آیا ہے کہ جو شخص اہل مدینہ کو ستانے کا ارادہ کرے اللہ تعالیٰ اسے ایسے ختم کر دے جیسے نمک پانی میں گھل کر ختم ہو جاتا ہے۔ یہ بددعا ایسے بہت سے بد بختوں کے حق میں پوری ہوئی جنہوں نے اہل مدینہ کو ستایا۔ خاص طور پر واقعہ حروہ میں کہ یہ چونکہ اہل مدینہ کے لیے نہایت کڑی آزمائش کے دن تھے اور ان کے ساتھ جو کچھ بھی ہو رہا تھا، مزید کے حکم سے ہو رہا تھا اس لیے مزید بھی اس واقعے کے فوراً بعد تقریباً پانچھتر (75) دن میں مر گیا اور حضرت رسالت مآب ﷺ کی دعا کی قبولیت کا ایک اور معجزہ ظاہر ہوا۔

حضرت خضر علیہ السلام سے متعلق جمہور امت کا مسلک۔

فرمایا

حدیث کی کتاب ”مشارق الانوار“ کی ایک شرح ”مبارق الازہار“ کے نام سے عزالدین بن عبداللطیف بن عبدالمعز المعروف بابن الملک التتوینی نے تحریر فرمائی ہے۔ اس میں جمہور امت کا مسلک یہ تحریر فرمایا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کا انتقال نہیں ہوا بلکہ وہ زندہ ہیں۔

غیر حق ظالم افراد کے کلام اور لابیوں باتوں کے سننے سے گریز۔

فرمایا

انسان اپنا ہاتھ بکلی سے محفوظ رکھتا ہے کیونکہ یہ یقین ہے کہ بکلی کا کرٹ نقصان

دے گا، اسی طرح بد منظر اشیاء کو بھی دیکھنا پسند نہیں کرتا کہ طبیعت پر بُرا اثر پڑتا ہے ایسے ہی حضرت رسالت پناہ ﷺ نے کانوں کے متعلق بھی یہ فرمایا ہے کہ اپنے کانوں کو تکلیف دہ باتوں سے بچاؤ۔ اس لیے زندگی میں اگر کوئی مثبت کام کرنا ہو تو فضول گو، غیر محتاط افراد کے کلام اور لائینی باتیں سننے سے ہمیشہ گریز کر کے اپنی صلاحیتوں کو مثبت کاموں میں استعمال کرنا چاہیے۔

صحیح بخاری کے اختتام پر پڑھنے کے لیے ایک خاص دعا

فرمادے۔ مدارس میں جو بچے دورہ حدیث میں صحیح بخاری کی قرأت کرتے ہیں یا دورہ حدیث کے طالب علم ہوتے ہیں، انہیں چاہیے کہ صحیح بخاری کے سبق کے اختتام پر یہ دعا مانگ لیا کریں۔ ہاتھ اٹھانا تو دعا کے آداب میں سے ہے اگر حضرت شیخ الحدیث صاحب ہاتھ اٹھا کر دعا لکھیں تو ہاتھ اٹھا کر، مگر نہ بغیر ہاتھ اٹھائے یہ دعا مانگا کریں۔

اَللّٰهُمَّ اسْمِعْنَا غَيْرًا وَاَطْلِعْنَا غَيْرًا، وَاَرْزُقْنَا اللّٰهَ الْعَاقِبَةَ وَاَدِمْنَا
غَلِيْنَا، وَاخْمَعْ اللّٰهُمَّ قُلُوْبَنَا عَلٰی التَّقْوٰی وَوَقِّنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی،
رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا، رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا
حَمَلْتَهُ عَلٰی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا، رَبَّنَا وَلَا تُحْمِلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ، وَاعْفُ
عَنَّا، وَاعْفِرْ لَنَا، وَارْحَمْنَا، اَنْتَ مُوَلَانَا فَانصُرْنَا عَلٰی الْكٰفِرِیْنَ.
(ترجمہ) اے اللہ ہمیں خیر کی خبر سنا اور ہمیں پر مصلح فرما اور اے اللہ
ہمیں عافیت نصیب فرما اور ہمیں ہمیشہ ہمیشہ عافیت سے رکھ۔

اے اللہ ہمارے دلوں کو تقویٰ کے کاموں پر جمع فرما دے اور ہمیں ان اعمال کی توفیق دے جن سے تو راضی اور خوش ہو۔

اے ہمارے پروردگار ہم پر گرفت نہ فرما جب ہم بھول چک جائیں، مالک ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالے تھے۔

اے پروردگار ہم سے وہ بوجھ نہ اٹھا، جس کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں ہے۔ ہمارے ساتھ نرمی برت، ہم سے درگزر فرما، ہم پر رحم کر، تو ہی ہمارا کارساز ہے، سو ہمیں کافروں پر غالب کر۔

دوسروں کو کھانا کھلانے کی فضیلت

فرمایا: دعوت کا ایک بہترین طریقہ یہ بھی ہے کہ جن کو کھانا کھانا ہو ان کے لیے ایسا کھانا چکوا یا جائے جس کو وہ خوشی سے کھالیں اس لیے کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ کسی مسلمان کا دل کسی جائز چیز کو چاہتا ہو اور کوئی شخص اسے مہیا کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دیتے ہیں اور ایک روایت میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو وہ کھانا کھلا دے جس کی اسے خواہش ہو تو اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ اس پر حرام کر دیتے ہیں ایسے ہی ارشاد گرامی ہے کہ جن کاموں کے کرنے سے رحمت الہی واجب ہو جاتی ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ غریب مسلمانوں کو کھانا کھلایا جائے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے ان انسانوں پر فخر کا اظہار فرماتا ہے جو لوگ دوسروں کو کھانا کھلاتے ہیں کہ

دیکھو میرے بندے کتنے اچھے ہیں۔

سادات کرام کے ساتھ نیکی کا سلسلہ

فرمایا سادات کرام کے ساتھ نیکی کرتے رہنا چاہیے۔ حضرت رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بھی حضرت عبدالملک کی اولاد کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا تو میرے لیے یہ ضروری ہے کہ جب قیامت میں اس سے ملوں تو اس کے احسان کا بدلہ چکا دوں۔

موت کی آزمائش اور ابن عربیؒ کی تشریح

فرمایا حضرت رسالت مآب ﷺ نے کئی ایک اوجہ میں ”موت کی آزمائش“ سے پتا دیا مگنی ہے تو یہ موت کا فتنہ (آزمائش) ہے کیا؟ حضرت ابن عربیؒ نے ”فتوحات مکیہ“ میں اس کی تشریح کی ہے کہ جب کسی میت پر موت کا وقت قریب آتا ہے تو شریر جنات اور شیاطین اس میت کے پاس مختلف شکلیں اور روپ دھار کر آتے ہیں۔ کبھی اس کے دوستوں کی شکل میں اور کبھی اس کے بھائیوں کے روپ میں، کبھی اس کے آباء و اجداد کے طے میں اور کبھی اس کے فوت شدہ بزرگوں کی صورت میں اور پھر اس میت کو ایمان سے درغلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ شخص اپنا ایمان سلامت لے کر اس دنیا سے نہ جائے۔ چنانچہ اسے کبھی تو عیسائی ہونے کی دعوت دیتے ہیں اور کبھی یہودی ہونے کی، کبھی مجوسی ہونے کو کہتے ہیں اور کبھی یہ یقین کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مبارکہ کو غیر مؤثر سمجھے۔ الغرض اسے کفر کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ یہ

ہے "فئة السمات" (موت کی آزمائش) اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ خاتمہ بالخیر فرمائے۔

کیا "ہرقل" نے آبائی مشرکانہ مذہب
چھوڑ کر عیسائیت اختیار کر لی تھی؟

فرمایا حضرت رسالت مآب ﷺ نے جو گرامی نامہ "ہرقل" کو تحریر فرمایا ہے، اس میں اسے اہل کتاب میں شمار فرمایا ہے حالانکہ ہرقل اصلاً اہل کتاب میں سے نہیں تھا بلکہ اس نے اپنے آبائی مشرکانہ مذہب کو چھوڑ کر عیسائیت اختیار کر لی تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص بھی اپنا مذہب تبدیل کر کے عیسائی یا یہودی ہو جائے گا اسے اس حدیث کے مطابق اہل کتاب ہی میں شمار کیا جائے گا۔ مثلاً ایک ہندو، عیسائی ہو جائے تو پہلے وہ مشرکین کے حکم میں تھا اس کا ذبیحہ درست نہیں تھا لیکن اب درست ہو جائے گا۔ کوئی ہندو، سکھ، مجوسی عورت پہلے اپنے مشرکانہ مذہب پر قائم تھی اس کا ذبیحہ اور مناکحت جائز نہ تھی اب عیسائی یا یہودی ہو گئی تو اہل کتاب کے حکم میں آ گئی اس کا ذبیحہ اور مناکحت جائز نظہری اور پائیدار ہے مانا جائے کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے عرف عام کے قاعدے کے مطابق ہرقل کو عیسائی شمار فرمایا۔ یہ بات علم شریف میں نہیں تھی کہ وہ اپنا مذہب تبدیل کر کے عیسائی ہوا تھا۔

ذہرے آج کی بشارت کن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ہے؟

فرمایا حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جو حضرات پہلے یہودی یا عیسائی تھے اور پھر وہ

شرف صحابیت سے مشرف ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ

أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ .

اللہ تعالیٰ انھیں دُہرا اجر دے گا۔ (پ ۱۸۱، ص ۵۲)

تو اس دُہرے اجر کی وجہ کیا ہے؟ حضرت رسالت مآب ﷺ نے فرمایا تین آدمیوں کے لیے دُہرا اجر ہے۔

① اہل کتاب میں سے وہ شخص جو اپنے نبی ﷺ پر ایمان لایا اور پھر مجھ پر بھی ایمان لایا۔ (دونبیاء ﷺ کا امتی ہونے کی وجہ سے دُہرا اجر)

② غلام جس نے اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی پورے کیے اور اپنے آقا کے حقوق میں بھی کوتاہی نہیں کی۔ (دو طرح کی غلامی ہوئی لہذا اللہ تعالیٰ نے بھی دُہرا اجر دیا)

③ وہ شخص جس کے پاس کوئی باندی تھی، اس نے اس کی اچھی تربیت کی اور اسے عمدہ تعلیم دلائی پھر اسے آزاد کر کے اس سے شادی بھی کر لی تو اس کے لیے بھی دُہرا اجر ہے۔

(کیونکہ اس نے آزاد بھی کیا اور پھر بیوی بھی بنالیا اس لیے اسے دُہرا اجر ملا)

قرآن کریم کی آیت سے اور اس صحیح حدیث کی رو سے معلوم ہوا کہ عیسائی اور یہودی کے لیے اسلام قبول کرنے کی صورت میں اسے تمام نیک اعمال پر دُہرا اجر ملے گا۔ اس

بشارت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے عیسائیت یا یہودیت ترک کر کے اسلام قبول کیا تھا اور غیر صحابہ یعنی کسی بھی دور کے عیسائی یا یہودی سب برابر ہیں۔ محدثین اور مفسرین

نے اس آیت کریمہ کے شان نزول پر بحث کی ہے کہ یہ دُہرے اجر والی بشارت کی آیت کن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور پھر چار شخصیات کا نام لیا ہے۔

① حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ

② حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ

③ حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ

پہلے تین حضرات کا نام لینا تو درست ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے یہودیہ کو ترک کر کے اسلام قبول کیا تھا اور حضرت سلمان فارسی اور حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے عیسائیت ترک کر کے اسلام قبول کیا تھا اس لیے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی لیکن حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ کا نام لینا درست نہیں ہے کیونکہ جب یہ آیت نازل ہوئی ہے، حضرت کعب رضی اللہ عنہ تو اس وقت موجود ہی نہ تھے، وہ تو حضرت امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں مسلمان ہوئے ہیں۔ وہ تابعی ہوئے نہ کہ صحابی۔ ہاں یہ ہے کہ وہ دوسرے اجر کی اس بشارت میں یقیناً شامل ہیں کیونکہ اہل کتاب (یہودی) سے مسلمان ہوئے ہیں۔ اس بشارت میں تو قیامت تک آنے والا ہر اہل کتاب شامل ہے لیکن شان نزول سے اگر یہ مراد لی جائے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کون اس آیت کے نزول کا مصداق بنتے ہیں تو پھر حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ یقیناً اس آیت کا مصداق نہیں بنتے کہ وہ تابعین میں سے ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حافظے کے لیے نبوی ﷺ دعا کے اثرات۔

فرمایا

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ شام تشریف لے گئے تھے۔ پھر انہوں نے وہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی کتابیں وہاں عام مل جاتی تھیں۔ اور وہ ان کتابوں سے استفادہ بھی فرماتے تھے لیکن ان پر عبادت غالب آگئی

تھی۔ بہت زیادہ عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ ہر تیسرے دن قرآن کریم مکمل کر لیا کرتے تھے۔ گویا کہ دس پارے روزانہ تلاوت فرماتے تھے اور ہمیشہ ایک دن کا نوافل دے کر ایک دن کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ تمام عمر اس عبادت کو نبھایا اور ایسی عبادت جو اپنی میں بھی بس وہی شخص کر سکتا ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے عبادت کی توفیق بخشی ہو، بڑھاپے میں تو جسم کمزور پڑ جاتا ہے اور اس حالت میں ایسی عبادت تو اور بھی دشوار ہو جاتی ہے، تو ان پر علم کی بجائے عبادت کا غلبہ ہو گیا تھا۔ حضرت رسالت مآب ﷺ کی اجازت سے یہاں کتاب کی کتابوں کا مطالعہ بھی کیا کرتے تھے لیکن یہی بات ان سے محدثین کی نکتہ روایت کا سبب بھی بن گئی۔ تابعین عظام رحمہم اللہ میں سے بہت سے آئمہ ایسے تھے جنہوں نے اسی وجہ سے ان سے حدیث کی روایت نہیں کی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے کثیر الروایۃ صحابی اگرچہ یہ اعتراف کرتے تھے کہ حدیث کی روایت میں یہ مجھ سے بڑھ گئے ہیں کہ حضرت رسالت مآب ﷺ سے یہ جو کچھ سنتے تھے لکھ لیتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا، لیکن اس کے باوجود اب ہم اگر کتب حدیث کو دیکھیں تو جتنی روایات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملتی ہیں، ان سے نہیں ملتیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تو یہاں تک فرما دیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے آٹھ سو تابعین نے روایت حدیث کی ہے اور یہ ان کی ایسی خصوصیت ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی ایک فرد بھی ایسا نہیں ہے، جو روایت حدیث میں ان کے ہم پلہ ہو اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے تابعین کی روایت کردہ احادیث بہت ہی کم ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جیسے ان پر عبادت کا غلبہ ہو گیا تھا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر علم کا غلبہ تھا۔ وہ اپنی

حیات طیبہ کے آخری دور تک روایت حدیث اور فتویٰ دینے میں مصروف رہے ہیں۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ مصر، طائف اور شام میں جو رہے ہیں تو احادیث کی جستجو میں اگرچہ لوگ ان شہروں میں رہے ہیں لیکن جیسا مربع علاقہ مدینہ منورہ تھا، اسے یہ شہر نہیں تھے اور مدینہ منورہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے چنانچہ ان کی روایات بہت زیادہ کتب احادیث میں آگئیں۔ اور جو لوگ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کی کثرت اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کی قلت پر بحث کرتے ہیں شاید یہ بات بھول جاتے ہیں کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حافظے کے لیے جو عافروانی تھی اس کا اثر بھی تو ظاہر ہونا تھا۔ کہاں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حافظے میں محفوظ احادیث اور کہاں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا قید کتابت میں لایا ہوا، ذخیرہ احادیث، تقابلی دشوار ہے۔

مرایات سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعداد

فرمان: محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے تصریح کی ہے کہ امیر شام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احادیث روایت کی ہیں، ان کی تعداد ایک سو تیرہ تھ (163) ہے۔ علم میں نہیں ہے کہ اب تک کسی نے ”مسند معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ“ مرتب کی ہو اور پھر اس پر تحقیق، ترتیب، تصحیح اور تشریح بھی کی ہو، یہ کام کرنا چاہیے۔ لیکن جذباتی تقریروں اور نعرے لگانے سے فرصت ملے، تو یہ علمی کام ہونا!

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ذوق شعر و شاعری

﴿فرمائی﴾

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کمثرات اشعار حفظ تھے۔ اپنی حیات طیبہ میں جب بھی انہوں نے تقریر کی ہے، اپنے کلام کی وضاحت اور استناد کے لیے اشعار سے ضرور استدلال فرمایا ہے۔ شعر ادا کرنے کا کام پران کے نقد کو مستند مانتے تھے اور اپنی شاعری ان کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جو قصائد حضرت رسالت پناہ ﷺ کی مدح میں کہے ہیں ان میں سے بھی کچھ حصہ برائے انتقاد انہی کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ شعر و شاعری کی وجہ سے جو ذوق میں نکھار آتا ہے، اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس نعت سے بھی حظ وافر ملا تھا۔ ان کے اوڑھنے، پہننے کے متعلق جو روایات آتی ہیں، ان سے بھی اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے۔ حضرت مسروق رضی اللہ عنہ جو تابعین میں ایک خاص مقام رکھتے تھے انہوں نے اپنے بلوغ سے پہلے حضرت اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کی زیارت کی ہے، اس وقت آپ نے سرخ جوڑا زیب تن فرما رکھا تھا اور چونکہ انھیں زیارت کا شرف حاصل ہوا تھا اس لیے یہ جب بھی ان کی کوئی روایت بیان کرتے ہیں تو فرماتے ہیں ”حدثتني الصديقة بنت الصديق“ (حضرت صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی۔)

چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کمثرات سے احادیث روایت کرنا

﴿فرمائی﴾

چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شمار تابعین میں ہے جنہوں نے حضرت رسالت مآب ﷺ

کی احادیث بکثرت روایت کی ہیں اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے ان تمام حضرات کی عمریں بہت طویل ہوئیں ہر ایک کی عمر پچھتر (75) برس سے زائد ہی ہوئی۔ ان چھ حضرات نے بعض روایات تو وہ بیان کیں جو حضرت رسالت مآب ﷺ سے براہ راست سنی تھیں اور بہت سی روایات وہ بھی جو انہوں نے اپنے سے عمر میں بڑے، اکابر صحابہ کرام، خلفائے راشدین، اصحاب بدر اور عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم سے بھی سنی تھیں۔ ان چھ میں پہلی تو حضرت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ اپنے شوہر تادمہ، حضرت رسالت پناہ ﷺ کی وفات پر ان کی عمر ۱۸ برس تھی پھر ان کا اپنا انتقال ۵۸ھ میں ہوا تو کل عمر (76 = 58 + 18) چھتر (76) برس ہوئی۔ دوسری ہستی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ۵۹ھ میں ہوا اور عمر میں یہ حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دو برس زیادہ تھے تو اس اعتبار سے ان کی عمر 78 برس ہوئی۔ تیسری ہستی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے۔ ہجرت کے وقت ان کی عمر گیارہ برس تھی۔ بدر اور احد کے میدان میں اپنے والد امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی معیت میں حاضر ہوئے ہیں لیکن حضرت رسالت مآب ﷺ نے بہت شفقت فرمائی اور ان کی کم سنی دیکھ کر انہیں لوٹا دیا۔ پھر یہ پہلی مرتبہ غزوہ خندق میں شریک ہوئے ہیں اور ان کی عمر پندرہ برس سے زائد ہو چکی تھی پھر ان کا انتقال واقعہ کربلا کے بھی بعد عبدالملک بن مروان کے دور میں ہوا ہے۔ جبکہ ان کی عمر چھ یا سی (86) برس ہو گئی تھی۔ چوتھی ہستی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، ان کی عمر تو سو برس سے بھی کچھ زیادہ ہی ہوئی۔ پانچویں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں ان کی عمر چورانوے (94) برس ہوئی اور مدینہ منورہ میں یہ غالباً آخری صحابی ہیں، جن کے انتقال کے بعد وہ پاک

شہران پاکیزہ ہستیوں کے وجود سے خالی ہو گیا اور چھٹی ہستی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے ان کی عمر نسبتاً کم ہوئی کہ ستر برس میں دنیا سے رخصت ہوئے۔ تو ان طویل عموں میں ان حضرات نے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی صحبتوں سے خوب فائدہ اٹھایا اور بکثرت روایات بیان کیں اس لیے ان چھ حضرات کو جو ”مکبرین“ (حضرت رسالت مآب ﷺ کی احادیث کثرت سے بیان کرنے والے) کہا جاتا ہے تو چنداں تعجب نہیں۔

نماز عصر کی حفاظت اور اسے باجماعت ادا کرنے کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔

فرمایا نماز عصر اس امت سے پہلے کی امتوں پر بھی فرض تھی لیکن انھوں نے اس کی پابندی نہیں کی اور بہت نقصان اٹھایا۔ حضرت رسالت مآب ﷺ نے اسی لیے نماز عصر کی حفاظت اور اسے باجماعت پڑھنے کی بار بار تلقین فرمائی کہ یہ امت خسارے میں نہ چلی جائے اسی لیے یہ ارشاد گرامی ہے کہ جس شخص نے سورج طلوع ہونے سے پہلے والی نماز (حجر) اور سورج ڈوبنے سے پہلے والی نماز (عصر) کی پابندی کی، اسے دوزخ میں نہیں جھونکا جائے گا اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے نماز عصر کو باقاعدگی سے ادا کرنے کی عادت بنالی، اسے عصر کی نماز کا ثواب دو گنا دیا جائے گا۔

اگر اولہ قویہ کی بنیاد پر اسلاف کے علمی تسامحات سے
اختلاف کیا جائے تو یہ معیوب نہیں ہے۔

فرمایا

مدینہ منورہ میں جب یہ سوال اٹھا کہ لوگوں کو نماز کے لیے کیسے جمع کیا جائے تو
مختلف آراء سامنے آئیں۔ حضرت عبداللہ بن زید بن غنیمہؓ نے انصاریؒ اور
کوفیوں میں اذان کی تلقین کی گئی اور حضرت رسالت مآب ﷺ نے اس خواب کی
تصدیق فرمائی اور امت میں اذان کا آغاز اس دن سے ہوا۔ امام بخاری اور امام ترمذی رحمہما
کا خیال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے صرف یہی ایک حدیث منقول ہے۔ اگر
یہ کہا جائے کہ حضرت امام بخاری رحمہما کے معیار پر صرف یہی ایک حدیث پوری اترتی
ہے تو یہ بات درست مانی جاسکتی ہے وگرنہ امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن زیدؓ
سے تو اس ایک حدیث کے علاوہ بھی متعدد روایات ملتی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہما
نے اسی لحاظ سے ازلے کے لیے "مسند عبداللہ بن زید بن عبد ربہ بن ثعلبہ
الانصاری" تحریر فرمائی اور اس میں اس حدیث اذان سمیت آٹھ احادیث ذکر کی ہیں
کہ حضرت الامام بخاری رحمہما کے تسامح پر متنبہ فرمادیں۔ ویسے حضرت حافظ رحمہما
سے پہلے بھی محدثین نے حضرت عبداللہ بن زیدؓ کی احادیث اپنی اپنی مسانید وغیرہ میں
جمع کی ہیں مثلاً حمیدی رحمہما نے اپنی مسند میں، ان کی پانچ احادیث روایت کی ہیں۔ اس
سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے اسلاف کے کام میں اگر علمی تسامحات پائے جاتے ہوں اور
کوئی طالب علم اولہ قویہ کی بنیاد پر ان سے علمی اختلاف، اوپ کے دائرے میں رہ کر

کرنے تو یہ حضرات صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور سلف صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے طریقے کے مطابق ہے۔ جو اہل علم اپنے سلف صالحین کی اس راہ کو چھوڑ کر خواہ مخواہ اپنے مرسوم اکابر کی غلطیوں کی تاویلات و توجیہات کرتے رہتے اور انہیں معصوم ثابت کرنے کے لیے بڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں وہ بیک وقت دو غلطیوں کے مرتکب ہو رہے ہوتے ہیں۔

① اپنے اکابر کو معصوم جاننا حالانکہ اہل السنۃ والجماعۃ کا مختار مسلک یہ کہ حضرت رسالت مآب ﷺ ہی آخری معصوم تھے۔ عصمت لوازمات ختم نبوت میں سے ہے۔
② علمی خیانت کہ حق بات سامنے آنے کے باوجود باطل کو ترجیح دینا یا سکوت کے جرم کا ارتکاب کرنا۔

اکابرین امت اور سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم کا وہ مطلوب ہے نہ کہ عبادت۔

امام عبداللہ بن وہب بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی
تالیف کردہ ”موطا“ ————— !

فرمایا امام عبداللہ بن وہب بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۵ھ میں مصر میں پیدا ہوئے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے عمر میں اکتیس (۳۱) برس چھوٹے تھے۔ انہوں نے بھی اپنی ”موطا“ تالیف کی تھی۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے تذکرے میں تحریر فرمایا ہے وَصَفَتْ مُوطَاً عَجِيزًا (اور امام عبداللہ بن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بڑی موطا تعنیف فرمائی تھی) لیکن اب اس ”موطا کبیر“ کا وجود نہیں ملتا۔

عقل جب وحی کے تابع ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔

فرمایا عقل جب وحی کے تابع ہو تو پھر یہ عقل سلیم ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ انسان کو چاہیے کہ ہمیشہ ایسی عقل سے کام لیتا رہے، پر بنائے عقل، وحی کی خلاف ورزی نہ کرے۔ حضرت عروہ قشیری رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے عقل دی، وہ یقیناً کامیاب ہوا، پھر وہ مرتبہ میرے لیے دعا فرمائی اور دو کپڑے منگا کر مجھے پہنائے۔

بخاری کے راوی ابن ابی فدیہ رحمہ اللہ سے مراد محمد بن اسماعیل یا محمد بن ابراہیم؟ — اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ۔

فرمایا حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن ابی فدیہ رحمہ اللہ سے کتاب العلم میں جو روایت نقل کی ہے تو اس سند میں ابن ابی فدیہ رحمہ اللہ سے مراد محمد بن اسماعیل بن مسلم ہیں نہ کہ محمد بن ابراہیم بن دینار۔ کیونکہ محمد بن ابراہیم بن دینار کی کثرت ابو عبد اللہ ہے اور ابن ابی فدیہ کی کثرت ابو اسماعیل ہے۔ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن ابی فدیہ کے معاملے میں عجیب بات یہ کی ہے کہ فتح الباری میں انھیں لیٹی تحریر فرمایا ہے اور اسما والرجال پر اپنی دونوں کتابوں تہذیب اور تفریب میں انھیں ولی قرار دیا ہے۔

مورخین کے تحریر کردہ واقعات ضروری نہیں
کہ سچائی پر ہی مبنی ہوں۔

فرمایا مورخین کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے دور کے واقعات تحریر کر دیتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ان کا لکھا ہوا سب کچھ سچائی ہی پر مبنی ہو بلکہ وہ ایسی جھوٹی روایات و حکایات بھی قلمبند کر دیتے ہیں جن کی تردید خود ان کے معاصرین کر دیتے ہیں۔ مختلط مورخین کم ہیں اور پھر جو واقعہ تحریر فرمانا ہے، اس کے اسباب و علل اور اس کے نتائج کی تحقیق کرنے والے تو اور بھی کم ہیں۔ اس لیے تاریخ پر اعتبار بہت گہری سمجھ کا محتاجی ہے۔ مستشرقین، اسلام پر جو اعتراض کرتے ہیں، ان میں سے بہت کم مستشرق ایسے ہیں جو اسلام کو صحیح معنی میں پڑھ کر اعتراض کرتے ہیں، اکثر ایسے ہیں کہ وہ صرف تاریخ کو پڑھتے ہیں اور عقیدے، تفسیر یا حدیث یا فقہ کو انھوں نے پڑھا نہیں ہوتا اور تاریخی روایات ہی کی بنا پر اسلام پر مختلف جھوٹے، افسانے اور قصے بنیاد بنا کر اسلام کو مطعون کرتے ہیں۔ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کتابت حدیث سے روک دیا تھا۔ اب یہ ایک روایت ہے۔ یہ روایت درست ہے یا نہیں؟ یہ تو ایک الگ بحث ہے لیکن مستشرقین اس روایت سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ دیکھو حدیث اتنا ناقابل اعتبار علم ہے کہ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے اس کی کتابت تک سے روک دیا تھا، وہ جانتے تھے کہ مسلمان علم حدیث میں مشغول ہو جائیں گے اور

قرآن کریم کی تعلیمات سے غفلت اختیار کریں گے۔ اس لیے انہوں نے منع کر دیا اور حدیث مسلمانوں کے دین کو نقصان پہنچا رہی ہے، لہذا علم حدیث ناقابل اعتبار ہے۔ اسی بے ہودہ بات کو منکرین حدیث نے اڑایا اور لوگ سمجھتے ہیں کہ انکار حدیث ان منکرین کی ذاتی محنت و مطالعے کا نتیجہ ہے حالانکہ یہ تو صرف ناقل ہیں ان میں اتنا علمی عمق کہاں کہ یہ کتب حدیث تو درکنار ان مستشرقین معترضین ہی کی کتابوں کو براہ راست پڑھ سکیں۔ جیسے ہمارے دور میں اہل حدیث حضرات کے بعض بچے بھی اٹھتے ہیں اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کر رہے ہوتے ہیں اور بتانا یہ چاہتے ہیں کہ میری تحقیق یہ ہے۔ حالانکہ ان کی اپنی تحقیق تو کیا خاک ہوتی انہیں تو کتابوں کے نام کا صحیح تلفظ تک نہیں آتا۔ جس کسی سے سن لیا، تحقیق کے نام پر اس کی تقلید کر لی اور یہ الگ بات ہے کہ تقلید پر ہمیشہ تکبر کیے رہے۔ سو یہ مستشرقین تاریخ کی کتابوں سے ایک بات اٹھاتے ہیں اور پھر اس کچی بنا پر جھوٹا بنا کر یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ لو! تاج محل کھڑا ہو گیا۔ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اگر حدیث لکھنے سے منع فرمایا تھا تو ایک دور عہد نبوی میں بھی تو ایسا گزرا ہے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے فرمودات تحریر کرنے سے منع فرما دیا تھا۔ انہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تو رات پڑھنے پر عتاب کا سامنا کرنا پڑا تھا اور وہ بھی تو دور آقا تھا کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم رات رات بحر بنی اسرائیل کی باتیں ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ وقت اور مخاطب کے اعتبار سے بھی تو حکم بدلتے ہیں شہری اور دیہاتی کے احکامات بھی تو بدلتے

ہیں، علاقہ بدل جائے تو بھی تو حکم بدل جاتا ہے۔ اس لیے امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ حکم کیوں دیا ہوگا اس کے اسباب اور یہ نتیجہ نکالنا کہ علم حدیث دین میں جیت ہی سے محروم ہے، دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

پھر یہ اعتراض کچھ نیا بھی نہیں ہے۔ مستشرقین کو تو آج یہ راہ سوجھی ہے، ردوافض کو تو ہمیشہ سے یہ اعتراض رہا ہے۔ ابن ابی العباس ضحلی جس نے رفض اختیار کیا اور ردوافض کے شیخ رکعتی جو مدینہ منورہ میں رہتے تھے، مدت مدید تک ان کی صحبت میں رہا۔ اس نے بھی یہی اعتراض کیا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ احادیث و نصوص میں جو اختلاف روایات ہے ان سب کی اصل وجہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہوں نے اپنے دور میں تدوین حدیث پر پابندی لگا دی۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تو چاہا کہ احادیث لکھیں لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے لکھنے نہ دیں اور اگر وہ احادیث کی کتابیں لکھ جاتے تو ان کی تحریرات امت تک ایسے ہی متواتر پہنچتیں جیسے کہ صحیح بخاری امت تک پہنچی ہے۔ امت کے درمیان اور حضرت رسالت پناہ رضی اللہ عنہ کے درمیان صرف ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا واسطہ رہ جاتا اور کتابیں ہم تک پہنچ جاتیں تو تمام احادیث متواتر ہو جاتیں۔ ہاں جو یکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ حضرت رسالت مآب رضی اللہ عنہ نے کتابت حدیث کی اجازت دی ہے پھر بھی انھوں نے اجازت نہیں دی اور افتراق امت جیسے عظیم گناہ کے مرتکب ہوئے۔ (معاذ اللہ)

حافظ ابن رجب ضحلی رضی اللہ عنہ نے طبقات میں ابن ابی العباس ضحلی کی خوب خبر لی ہے اور اس کے اعتراض کا جواب بھی دیا ہے کہ اختلاف امت (جو کہ رحمت ہے)

کا سبب تو اتر و عدم تو اتر احادیث نہیں بلکہ ناقلین اور آئمہ کے درمیان جو فہم تفاوت ہے، وہ اصل میں مختلف ہے۔ اور یہ تفاوت حتیٰ کہ ان احادیث میں بھی ہے جو کہ متواتر ہیں۔ اگر تمام احادیث متواتر بھی ہو جائیں تو اختلاف فہم کیسے ختم ہوتا؟ اور یہی سمجھنے کا اختلاف، امت کے لیے رحمت بنا۔ اس ابن ابی العباس حنبلی کو کئی مرتبہ توہین صحابہ کرام علیہ السلام پر سزا بھی دی گئی اور جلا وطن بھی کر دیا گیا۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ آخری عمر میں مدینہ منورہ پہنچ کر روضہ اطہر پر ہی رہ پڑا تھا اور وہیں اس کی موت ہوئی۔ ان مستشرقین کے اعتراضات اور دسائس کی خبر، حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب لی ہے۔ انہوں نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے، چھپ گیا، اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔

دور نبوی ﷺ کے منٹ اور ان سے متعلق اہم نکلیات۔

فرمایا (احادیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کے دور میں منٹ (نکڑے) خود حضرت رسالت پناہ ﷺ کے گھروں اور عام مسلمانوں کے گھروں میں جایا کرتے تھے اور کوئی انھیں منع نہیں کرتا تھا۔ مدینہ منورہ میں — یا تو یہ پڑتا ہے — کہ صرف پانچ نکڑے ہوا کرتے تھے۔

① ائۃ ② بہم ③ ماتع ④ ہوان ⑤ ہیت یا ہنت (اُبم ہو ہیے) ممکن ہے اور بھی ہوں لیکن ابھی تو یہی یاد پڑتا ہے۔ ان نکڑوں میں بھی کوئی ایسی خاص بے حیائی نہیں پائی جاتی تھی۔ صرف یہ تھا کہ مرد ہونے کے باوجود عورتوں

کی طرح چم و خم اور منک چمک کر باتیں کرتے تھے، ہاتھ پاؤں سب پر مہندی لگاتے تھے، خضاب کا استعمال کرتے تھے، اور بچوں کی طرح گڑیوں سے کھیلنے لگتے۔ یہ خواتین سے مشابہت تھی۔ ایک بات یہ ہے کہ کوئی انسان پیدا ہی اس طرح ہو تو نہ تو اس میں اس شخص کا کوئی قصور ہے اور نہ اس پر کوئی الزام ہے کہ وہ لکھوہ کیوں ہے؟ بس وہ پیدائشی طور پر ایسا ہی ہے۔ اسلام کسی کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ اس لکھوہ کو شخص اس کی طرز تخلیق پر ادنیٰ سی بھی ملامت کرے اور ایک یہ ہے کہ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے مرد بنایا ہے، اب وہ جان بوجھ کر عورتوں کی طرح ناز و انداز اختیار کرتا ہے، ایسی چال چلتا ہے، ایسے کپڑے پہنتا ہے کہ گویا وہ کوئی عورت ہے تو شریعت ان افعال کو سخت ناپسند کرتی ہے۔ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے شدید غصے کا شکار وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے مرد ہونے کو ناپسند کرتے ہیں اور عورتوں سے مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ ایسے مرد خواہ کسی فحاشی کا ارتکاب کریں یا نہ کریں، دونوں صورتیں غلط ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے ان لکھوہوں میں سے ایک لڑکے کو دیکھا اور اس کے ہاتھ پاؤں سب میں مہندی رچی بسی تھی تو آپ نے تعجب کا اظہار فرماتے ہوئے پوچھا کہ یہ سب کیا ہے؟ اسے کیا ہوا ہے؟ تو عرض کیا گیا کہ یہ عورتوں کی طرح ہنسا، سنورتا ہے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ انھیں مدینہ منورہ میں رہنے کی اجازت نہیں، انھیں نفع پہنچ دیا جائے۔

نفع اس چراگاہ کا نام تھا جو مدینہ منورہ سے تقریباً بیس (۲۰) میل کے فاصلے پر

تھی اور حضرت رسالت مآب ﷺ اس علاقے میں صدقہ و زکوٰۃ کے جانوروں کو چرنے کے لیے بھیج دیا کرتے تھے اور آپ کے بعد امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں تنقیح کو سرکاری چراگاہ کا درجہ دے دیا تھا۔

سو یہ فقہ کے تنقیح بھیج دیے گئے تھے۔ یہ بھی عرض کیا گیا کہ ایسے مردوں کو (فحاشی پھیلانے کے جرم میں) قتل کر دیا جائے تو حضرت رسالت مآب ﷺ نے یہ کہہ کر منع فرما دیا کہ مجھے نماز پڑھنے والوں کو قتل کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز انسان کو بعض حالات میں قتل سے بچاتی ہے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں فقہوں کی بھی یہ ہمت نہیں تھی کہ نماز چھوڑ دیں۔

ایک اور واقعہ یہ بھی پیش آ گیا تھا کہ فزودہ طائف کے دوران حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے خیمے میں تشریف فرما تھیں کہ ”مسامع“ فقہ وہ ان کی خدمت حاضر ہوا۔ اسی اثنا میں حضرت رسالت مآب ﷺ بھی تشریف لائے تو ”مسامع“ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبداللہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ (یہ اسی سال محاصرہ طائف میں شہید ہو گئے تھے) سے کہہ رہا تھا (اور ایک روایت میں یہ آتا ہے کہ ان کی یہ گفتگو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوئی تھی لیکن غالباً ان کی یہ گفتگو حضرت عبداللہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوئی ہوگی کیونکہ مسامع ان کا خدمت گزار بھی تھا۔ زیادہ قرین قیاس یہی ہے) کہ کل اگر طائف فتح ہو جائے تو میں تمہیں غیلان کی بیٹی ہادیہ دکھاؤں گا۔ یہ وہی غیلان ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا تو ان کی دس بیویاں تھیں۔ حضرت رسالت مآب ﷺ

نے فرمایا کہ ان دس میں سے صرف چار کا استحباب کر لو۔ بنو ثقیف کے سردار تھے اور امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے آخر پر ان کا انتقال ہوا ہے۔ ان کی یہ بیٹی بادیہ بھی اپنے والد کے ہمراہ ہی مسلمان ہو گئی تھیں۔ پھر ان کی شادی حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے ہو گئی تھی۔ احادیث کی مختلف کتابوں میں طہارت کے ابواب میں یہ جو روایات آتی ہیں کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت رسالت مآب ﷺ سے عورتوں کے ایام کے بارے میں استفسار فرمایا تو درحقیقت انہوں نے اپنی انہی اہلیہ محترمہ کی وجہ سے دریافت فرمایا تھا۔ حضرت بادیہ رضی اللہ عنہا تھیں بھی بہت خوبصورت، اتنی کہ حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے حضرت رسالت مآب ﷺ سے عرض کیا تھا کہ اگر بادیہ قیدیوں میں آئیں تو آپ اسے مجھے عنایت فرما دیں ثقیف قبیلے میں بادیہ جیسی چندے ماہتاب کوئی لڑکی ہے ہی نہیں۔ لیکن یہ اپنے والد کے ہمراہ مسلمان ہو گئیں۔ پھر مستاع بولے کیا غضب کی لڑکی ہے آتی ہے تو چار بیٹیں پڑتی ہیں اور چلتی ہے تو آٹھ۔ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے یہ گفتگو سن لی اور فرمایا کہ افوہ! یہ بھڑے عورتوں کی ایسی باتوں کو جانتے ہیں! مجھے تو یہ خیال نہیں تھا کہ ان لوگوں میں بھی جنسی میلان پایا جاتا ہے۔ دیکھو آج کے بعد خبردار کوئی بھڑا مسلمانوں کے گھر میں داخل ہو۔ اور اس واقعہ کے بعد اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہا نے ان بھڑوں سے بھی پردہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

ایک اور واقعہ یہ بھی پیش آیا تھا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ

میں شادی کرنے کی غرض سے ایک لڑکی کو پیغام بھجوایا اور یہ بھی فرمایا کہ کوئی ایسا شخص ہو جو مجھے اس لڑکی کے متعلق بتا سکے (کہ وہ رنگ و روپ میں کیسی ہیں؟) تو مائع نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے یہ چار اور آٹھ بتوں کا جملہ کہا تھا اور اسے حضرت رسالت پناہ ﷺ نے سن لیا تھا اور بُرا منایا کہ اگر پردہ نشین خواتین کی اس طرح مہرکشی کی جائے گی تو پھر پردے کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ اور یہ مائع اُم المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کے گھر آتے تھے اور حضرت رسالت مآب ﷺ کو یہ خیال بھی آیا کہ یہ لوگ خواتین کو ایسی گہری نظر سے بھی دیکھتے ہیں تو آپ نے انھیں مسلمانوں کے گھروں میں داخلے سے منع فرمادیا۔ حضرت رسالت مآب ﷺ نے ان لوگوں کو مدینہ منورہ سے بھی باہر بھیج دیا تھا تاکہ معاشرے میں بے حیائی رواج نہ پائے اور یہ شہروں سے دور سرکاری کام یا نوکری کرتے رہیں۔

کچھ محدثین کرام رضی اللہ عنہم کا خیال ہے کہ یہ جو مائع ہے اسی کا نام حنب ہے یعنی ایک ہی شخص کے یہ دو نام ہیں اور کچھ کا خیال یہ ہے کہ حنب اور حبت ایک ہی شخص کے دو نام ہیں اور محدثین کرام رضی اللہ عنہم سے تحقیق ہوگئی ہے۔ اس لیے مائع و حبت اور حنب میں فرق و شمار ہے۔ اس مائع کو حضرت رسالت مآب ﷺ نے تنبیہ بھیج دیا تھا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ پیدا بھیج دیا تھا جہاں پر کوئی آبادی نہیں تھی۔ یہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکدستی کی شکایت کی تو آپ نے انھیں اجازت دی کہ وہ ہر جمعہ کو بھیک مانگنے مدینہ منورہ

آیا کریں اور صرف اسی اشیاء لیں جو آئندہ جمعہ تک کے لیے انھیں کافی ہوں اور پھر واپس چلے جائیں۔ چنانچہ وہ ہر جمعہ کو آتے رہے اور اپنی ضروریات زندگی لے کر وہاں چلے جاتے رہے۔ یہ اجازت بروز جمعہ اس لیے دی گئی ہوگی کہ جمعہ میں اجتماع ہوتا ہے اور ہر طرح کے لوگ اکٹھے ہوتے ہیں اس لیے خیرات ملنے کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔ اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایسے لوگ جن کے معاشرے میں رہنے سے عام افراد کا مالی یا اخلاقی نقصان ہوتا ہو انھیں اگر شہر سے باہر الگ کر دیا جائے تو ان کو بغیر کسی معذوری اور صحت کے باوجود بھی، خیرات دی جاسکتی ہے۔ ان کا یہی عذر انھیں صدقہ لینے کا مستحق ٹھہراتا ہے کہ معاشرے میں ان کا وجود باعث نقصان ہے۔ بعض حالات میں قیدی بھی اسی رعایت کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

پھر جب خلیفہ رسول اللہ ﷺ کا اپنا دور خلافت آیا تو آپ نے مایہ کو فداک بھیج دیا تھا۔

اللہ بھی مدینہ منورہ ہی میں رہتے تھے اور عورتوں جیسی حرکات تھیں۔ چونکہ یہ مسلمانوں کے گھروں میں آزادانہ آتے جاتے تھے اور کوئی روک ٹوک تو تھی نہیں اس لیے ہر گھر میں کتنے رشتے ہیں، یہ اس حقیقت سے واقف ہوتے تھے۔ اسی بنا پر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چاہا کہ اپنے بھائی عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شادی کریں تو انہوں نے انہ سے رشتہ دریافت کیا۔ انھیں اپنے اس بھائی سے محبت بھی بہت تھی اور چاہتی تھیں کہ بہت عمدہ رشتہ ملے۔ یہی ان کے وہ بھائی

ہیں جن کا اچانک انتقال ہو گیا تھا اور حضرت ام المومنین ؓ سفر پر تھیں۔ یہ ان کے لیے اچانک اور بہت شدید صدمہ تھا وہ اپنے اس بھائی کی قبر پر تشریف لے گئیں تھیں اور بہت درد انگیز اشعار بھی پڑھے تھے بہر حال آپ نے اُنہ سے فرمایا کہ ہمارے بھائی عبدالرحمن بن ابوبکر ؓ کے لیے کوئی رشتہ بناؤ۔ تو اُنہ نے وہی چار اور آٹھ بنوں والا جملہ کہہ دیا تھا۔ حضرت رسالت مآب ﷺ نے اس جملے کو مناسب نہیں سمجھا اور فرمایا کہ اُنہ آپ حواء الاسد کے علاقے میں چلے جائیں۔ یہ بھی ایک غیر آباد علاقہ تھا اور صرف ان کی رہائش کے لیے حضرت رسالت مآب ﷺ نے انھیں ایک گھر بھی عنایت فرمایا تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو ایسے لوگ ہوں اگر حکومت انھیں عام آبادیوں سے الگ رہنے کے لیے مکانات دے اور لوگ انھیں صدقات و زکوٰۃ دیں تو یہ درست ہے۔

بچے کی پیدائش پر چند اہم کام۔

- فرمایا** مختلف احادیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ بچے کی پیدائش پر چند ایک کام ایسے ہیں جن سے فراغت ہو جانی چاہیے۔
- ① بچے کی پیدائش کے فوراً بعد اس کے جسم پر جو آلائش و فیروہ ہے اسے دھویا جائے یا پھر بچے کو غسل دیا جائے۔
 - ② بچے کا نام تجویز کر دیا جائے۔ پہلے ہی دن نام رکھ دینا چاہیے۔

حضرت رسالت مآب ﷺ نے اپنے صاحبزادے ابراہیم کا نام پہلے ہی دن تجویز فرمادیا تھا اور مگر میں ولادت کی اطلاع جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دی تھی تو فرمایا تھا شب گذشتہ میرے ہاں بیٹے کی ولادت ہوئی ہے اور میں نے اس کا نام اپنے جد امجد حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے نام پر ”ابراہیم“ ہی تجویز کیا ہے۔ جن روایات میں یہ آیا ہے کہ بچے کا نام ساتویں دین رکھنا چاہیے ان روایات اور پہلے دن کی روایات میں تناقض کرتے ہوئے، امام بیہقی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ پہلے دن کی روایات ساتویں دن کی روایات سے زیادہ صحیح ہیں۔ اس لیے بچے کا نام پہلے دن ہی تجویز کرو دینا بہتر ہے۔

⑤ ساتویں دن لڑکے کے تختہ کر دینے چاہیں۔ اگر ساتویں دن کے بعد بھی کر دیئے جائیں تو کوئی حرج نہیں، بہر حال لڑکے کے بالغ ہونے سے پہلے پہلے کر دینے چاہئیں اور اگر کوئی شخص بڑی عمر کا ہو اور اسلام قبول کرے اور اس کی بیوی اس کے تختہ کر سکے جیسے لیدی ڈاکٹر ہو تو اسے اپنے شوہر کے تختہ کر دینے چاہئیں۔ اور اگر لڑکی ہو تو ساتویں دن اس کے کان چمید دینا بہتر ہے۔ ناک چمید نے میں بھی کوئی حرج نہیں اور اگر کان ناک نہ بھی چمیدے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔

⑥ بچہ ہو یا بچی دونوں کے سر کے بال ساتویں دن منڈا دینے چاہئیں۔ اگر ساتویں دن سے پہلے یہ دم ادا ہو جائے تو بھی درست ہے لیکن ساتویں دن افضل ہے۔

⑦ بچے کا سر مونڈ دینے کے بعد کوئی خوشبودار چیز زعفران یا پاؤڈر وغیرہ بچے کے سر پر مل دینا چاہیے۔ حضرت رسالت مآب ﷺ نو مولود بچوں کے سر مونڈ دینے کے بعد خوشبودار گانے کا نظم دیا کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ زمانہ جاہلیت میں کافرا اپنے

بچوں کی پیدائش پر بطور عقیقہ جانور ذبح کرتے تھے اور پھر اس کا خون روئی کے خشک پھویے میں خوب اچھی طرح جذب کر کے بچے کے سر پر اس طرح ملاتے تھے کہ خون ایک لکیر کی صورت میں پسینہ لگتا تھا۔ وہ یہ رسم کبھی تو بچے کے منڈے ہوئے سر پر کرتے تھے اور اس صورت میں خون کی لکیر واضح ہو جاتی تھی اور کبھی بچے کا سر مونڈنے سے پہلے کہ خون بالوں سے نچکتا تھا اور پھر وہ بچے کا سر دھوتے تھے اور بال منڈا دیتے تھے۔

حضرت رسالت مآب ﷺ نے اس رسم کو ختم کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ نومولود بچے کا سر منڈا کر اس پر عقیقے کے جانور کے خون کی بجائے خوشبو لگا دو۔

⑤ بچے کے سر سے جو بال اُتارے جائیں اتنے ہی وزن کی چاندی یا سونایا پھر ان کی قیمت کے بقدر رقم بطور صدقہ راہِ خدا میں خیرات کر دی جائے تاکہ بچہ محفوظ رہے اور اگر اس بچے کو کوئی بیماری وغیرہ لگ سکتی ہے تو اس صدقے کی وجہ سے وہ ٹل جائے۔

حضرت رسالت مآب ﷺ نے اپنے نواسے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی پیدائش پر ان کی والدہ اور اپنی ننت جگر صاحبزادی صلبہ رضی اللہ عنہا و عن ایہا سے فرمایا تھا کہ حسن کے سر کے بال آٹھ سو سالوں اور ان بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدق بھی کرو۔ حضرت صاحبزادی صلبہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ میں نے ایسے ہی کیا جیسے مجھے انہوں نے حکم فرمایا تھا اور پھر جب میرا بیٹا حسین پیدا ہوا تو پھر اس کی ولادت پر بھی ایسے ہی کیا جیسے کہ حسن کے لیے کیا تھا۔ رضی اللہ عنہم و عنہا۔

④ بچے کی پیدائش کے ساتویں دن اس کا عقیدہ کیا جائے۔ عقیدہ کرنا کچھ فرض،

واجب تو ہے نہیں محض مستحب ہے کہ درحقیقت اولاد کی ولادت پر اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرنا ہے اسی لیے مردہ بچے کا کوئی حقیقہ نہیں۔ جانور اس لیے بھی ذبح کیا جاتا ہے کہ بچہ کی ولادت کی خوشی میں احباب و اعزاء کی دعوت کی جائے اور اس لیے بھی کہ گوشت کا کچھ حصہ غرباء و فقراء کو صدقہ کر دیا جائے کہ بچہ تکالیف و بلا یا سے محفوظ رہے۔ حضرت رسالت مآب ﷺ کی تشریف آوری سے قبل بھی عربوں میں یہ رسم تھی۔ یہود مدینہ بھی اپنے بچوں کی طرف سے حقیقہ کیا کرتے تھے اور بیٹے کی طرف سے دو بکرے یا دنبے ذبح کرتے تھے اور لڑکی کی طرف سے کچھ بھی نہیں۔ حضرت رسالت مآب ﷺ نے اسے بُرا جانا کہ لڑکے کی طرف سے تو صدقہ ہو لیکن لڑکی کو نظر انداز کر دیا جائے اور اس رسم کو تبدیل فرما کر حکم دیا کہ لڑکے کی طرف سے دو اور لڑکی کی طرف سے ایک جانور ذبح کیا جائے۔ پھر آپ نے اپنے بیٹے ابراہیم کی ولادت پر یا اس کے سات روز بعد بھی کوئی حقیقہ نہیں کیا اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حقیقہ سنت مؤکدہ بھی نہیں ہے ورنہ آپ اپنے بیٹے کی طرف سے تو کم سے کم اس سنت کو ادا کرتے۔ یہ تو محض مستحب ہے۔ اور اسی لیے اپنے نواسوں کا حقیقہ کیا۔ بعض واعظین یہ جو روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے خود اپنا حقیقہ بھی کیا تو یہ محض جھوٹ ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے حقیقے میں حضرت رسالت مآب ﷺ نے ایک بکرا یا دنبہ ذبح کر دیا تھا تو اس وقت مالی محابش اسی قدر تھی اور روزِ ذبح کرنے کی روایت بھی ملتی ہے۔ قاعدہ تو یہ ہے کہ لڑکے کی طرف سے اس کی پیدائش کے ساتویں دن دو بکرے یا دنبے

اور لڑکی کی طرف سے پیدائش کے ساتویں دن ایک دنہ یا بکرا ذبح کیا جائے۔ یہ مستحب اور بہتر عمل ہے لیکن اس کے لیے قرض لینا یا کسی سے بھی سوال کر کے رقم حاصل کرنا یا رشتہ داروں پر بوجھ بنتا بالکل جائز نہیں اور اس جانور کو ذبح کرنے کے بعد اس کی ہڈیاں توڑنے یا کاٹنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

غزوہ بدر میں اُمیہ بن خلف مارا گیا تھا
یا اس کا بھائی اُبَی بن خلف —؟

فرمایا سیرت طیبہ کی کتابوں میں اہل سیر نے اس اختلاف کو نقل کیا ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کی بدو عا سے غزوہ بدر میں کون مارا گیا تھا، اُمیہ بن خلف یا اس کا بھائی اُبَی بن خلف؟ تحقیقی بات یہ ہے کہ قتل تو یہ دونوں بھائی ہوئے تھے لیکن غزوہ بدر میں اُمیہ بن خلف مارا گیا تھا اور اُبَی بن خلف غزوہ احد میں مارا گیا تھا۔

مشرکین مکہ کے قائد بن کیا اپنی آنا اور ضد
میں فرعون سے کم تھے؟

فرمایا اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرعون اور اس کے پیروکاروں کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگی رہی اور قیامت کے دن بھی لعنت ان کا پیچھا کرے گی۔ اس دنیا کی لعنت تو یہ ہوئی کہ قہر خداوندی ان پر نازل ہوا اور سب ڈوب مرے اور آخرت کی لعنت یہ ہے کہ آگ انہیں جلاتی

ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے کہ انہوں نے اپنے دور کے نبی برحق سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت کو نہ مانا اور اپنی جاہ کن روش پر اڑے رہے۔ لیکن یہ کچھ سیدنا موسیٰ بن عمران علیہ السلام ہی کی خصوصیت نہ تھی حضرت رسالت مآب ﷺ کو بھی ایسے ہی تکبرین سے واسطہ پڑا تھا۔ یہ مشرکین مکہ کے قاکدین اپنی انا اور ضد میں فرعون سے کیا کم تھے؟ اسی لیے جب یہ بدر میں جہنم واصل ہوئے تو حضرت رسالت مآب ﷺ نے ان لوگوں کی لاشوں کو بدر کے کنوئیں میں پھینک دینے کا حکم ارشاد فرمایا۔ بدر کا یہ کنواں ویران تھا اور یہ لاشیں اس لیے ڈال دی گئیں کہ تحفن نہ پھیلے ورنہ تو حربی کا فری لاش کو دفن نہ بھی کیا جائے تو کون سی قباحت ہے؟ اور پھر جب ان خالموں کی لاشیں گھسیٹ گھسیٹ کر کنوئیں میں پھینکنے کا عمل مکمل ہو گیا تو آپ نے وہی جملہ ارشاد فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے قبیلعین کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا اور لعنت پڑی ان کنوئیں والوں پر۔ ان ملعونین میں سے امیہ بن خلف کو کنوئیں میں نہیں پھینکا جا سکا کیونکہ وہ حد سے زیادہ بھاری جسم کا تھا اور نہ ہی اس کی لاش گھسیٹی جا سکتی تھی۔ اس لیے اس کی لاش کے ایک ایک عضو کو کاٹ کر پھینک دیا گیا۔

کیا حضرت رسالت مآب ﷺ نے کبھی
گرم پانی سے وضو یا غسل فرمایا تھا؟

کتاب حدیث میں اب تک یہ صراحت نہیں ملی کہ حضرت رسالت مآب ﷺ

نے بھی گرم پانی سے وضو یا غسل فرمایا ہو۔ حالانکہ مدینہ منورہ میں شدید سردی بھی پڑتی تھی اور لوگ مولے کپڑے بھی پہنتے تھے تا کہ سردی کے اثرات سے جسم کو محفوظ رکھ سکیں۔ البتہ حضرت امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق بہت واضح طور پر روایات ملتی ہیں کہ آپ کے لیے ”قنعم“ میں پانی گرم کیا جاتا تھا اور آپ اس سے وضو یا غسل فرماتے تھے۔ عربی میں ”قنعم“ اس برتن کو کہا جاتا تھا جس کا منہ چھوٹا اور نیچے سے پیٹ یا چنیدا بڑا ہوتا تھا۔ جیسے کہ ہمارے دور میں صراحی ہوتی ہے۔ اسے تانبے سے تیار کرتے تھے اور پھر کنڈوں میں رسی ڈال دی جاتی تھی اور جب پانی گرم کرنے سے یہ برتن بھی گرم ہو جاتا تھا تو ان رسیوں کی مدد سے اسے اٹھا لیتے تھے۔ ایسے ہی ”قنعم“ چین سے آنے والے اس روفنی برتن کو بھی کہتے تھے جس میں پانی گرم کیا جاتا تھا اور وہ برتن مٹی ہی کا ہوتا تھا لیکن پانی گرم ہو جاتا تھا اور برتن ٹوٹا نہیں تھا۔ ایسے گرم پانی سے لوگ وضو بھی کرتے تھے اور نہاتے بھی تھے۔

کسی کے خلاف شریعت کام پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
کارو عمل کیا ہوتا تھا؟

فرمایا

مختلف احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب کسی شخص کو کوئی ایسا کام کرتے ہوئے دیکھتے تھے جو ان کی نظر میں شریعت کے خلاف ہوتا تھا تو وہ اس کام کرنے والے کو یا تو منع کر دیتے تھے اور یا پھر ٹوک دیتے تھے اور یا پھر اس سے اس فعل کی وضاحت یا عذر در یافت کرتے تھے۔ پھر یہ ایک

ایسا قاعدہ تھا کہ کوئی بھی، بڑے سے بڑا شخص بھی، اس سے مستثنیٰ نہیں تھا حتیٰ کہ خلافت راشدہ کے دور میں کوئی وزیر، امیر یہاں تک کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ بھی اس کیلئے کے تحت آتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عراق تشریف لے گئے، ان کے والد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو وہاں کا گورنر مقرر کیا تھا تو انہوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے وضو میں اپنے موزوں پر مسح فرمایا ہے۔ غالباً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یہ سمجھتے تھے کہ موزوں پر مسح کی رعایت صرف سفر کے لیے ہے اور جب کوئی شخص اپنے گھر پر ہو تو اسے مسح کی بجائے پاؤں کو دھونا چاہیے۔ اس لیے انہیں نہایت تعجب ہوا اور یاد دہودیکہ سعد رضی اللہ عنہ ان کے امیر تھے، انہوں نے اپنے اشکال کا اکتہار فرما دیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا عبداللہ اپنے والد سے پوچھ لینا۔ پھر ایک مرتبہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو سبھی حضرات اکٹھے تھے، تو فرمایا عبداللہ اب اپنے والد سے (موزوں پر مسح کرنے کا مسئلہ) پوچھ لو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ پر اتنا اعتماد تھا کہ اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ڈانٹ دیا اور فرمایا دیکھو عبداللہ جب سعد حضرت رسالت مآب ﷺ کے متعلق کوئی بات بیان کر دیں تو پھر کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ گویا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی مقولات کی بھرپور توثیق فرمادی۔



کتاب و سنت میں جہاں بھی سات اور ستر کا عدد آیا ہے
اس سے مراد کثرت اور مبالغہ بھی ہو سکتا ہے۔

فرمان

جن احادیث میں حضرت رسالت مآب ﷺ نے سات یا ستر کا عدد ارشاد فرمایا ہے وہاں پر یہ ضروری نہیں کہ سات اور ستر کا عدد ہی مراد ہو بلکہ بعض اوقات وہاں سات یا ستر سے مراد محض کثرت یا مبالغہ ہوا کرتا ہے۔ قرآن کریم میں بھی یہی اصول ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے جہاں سبعة ابھر (سات سمندر) کے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں وہاں سات سمندر سے مراد پانی کی کثرت ہے نہ کہ عدد کے ساتھ گن کر سات سمندر۔ اور ایسے ہی حضرت رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ مومن ایک آنٹ سے کھاتا ہے اور کافر سات آنٹوں سے کھاتا ہے تو اس حدیث سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ طبی نقطہ نگاہ سے دیکھیں تو کافر اور مومن دونوں کی جسمانی ساخت بالکل یکساں ہے پھر کافر کی سات آنٹیں کہاں ہیں؟ مراد درحقیقت یہ ہے کہ مومن کم کھاتا ہے اور کافر زیادہ (سات آنٹوں سے) کھاتا ہے۔ صاحب ایمان شخص کو کھانے پینے سے زیادہ دلچسپی نہیں ہوتی وہ تو دنیا سے بے رغبت ہوتا ہے جبکہ کافر کو بالعموم کھانے پینے سے زیادہ دلچسپی ہوتی ہے کیونکہ اسے نہ آخرت کا خوف اور نہ حرام حلال کی تمیز اس لیے وہ کھاتا ہے تو بے دریغ کھاتا چلا جاتا ہے اس لیے سات آنٹوں سے مراد کثرت و غفلت کا کھانا ہے نہ کہ کافر و مومن کی جسمانی ساخت کا کوئی فرق۔ اس لیے کتاب و سنت میں

جہاں بھی سات یا ستر کا عدد آئے تو اس سے معدود کا سات یا ستر ہونا ضروری نہیں، اس کے لیے کوئی مضبوط دلیل یا قرینہ چاہیے، ورنہ مراد کثرت اور مبالغہ ہے۔ ویسے کافر کے سات آنٹوں سے کھانے کے بارے میں حنفیہ میں سے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت عمدہ توجیہ تحریر فرمائی ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کے ہاں ایک کافر آیا تھا اور اس نے بہت زیادہ دودھ پیا تھا تو آپ نے اس خاص کافر ہی کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا کہ یہ سات آنٹوں سے دودھ پیتا ہے یعنی کثرت سے پیتا ہے اور بس۔ یہ بات ہر ایک کافر کے بارے میں کہی ہی نہیں گئی کیونکہ ہم خود معاشرے میں یہ دیکھتے ہیں کہ بہت سے مومن زیادہ کھاتے ہیں اور بہت سے کافر کم کھاتے ہیں تو پھر یہ حدیث کیسے درست ہوگی؟ اس لیے یہ کہا جائے گا کہ کافر و مومن کے کھانے میں یہ کوئی کلیہ قاعدہ نہیں بلکہ ایک امر واقعہ کا اظہار تھا کہ اس کافر نے بہت زیادہ (سات آنٹوں سے) دودھ پیا تھا۔

فتح الباری اور علم حدیث میں فقہ کا استخراج

فرمایا جن حضرات کا یہ خیال ہے کہ حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ”صحیح بخاری“ کی شرح ”فتح الباری“ میں دیگر کتب احادیث سے محض احادیث نقل ہی کی ہیں اور فقہ فی الہدیث پر کلام نہیں فرمایا، ایسے گلتا ہے کہ انہوں نے بھی محض ”فتح الباری“ کی دور سے زیارت ہی کی ہے، بنظر عمیق اس کا مطالعہ نہیں فرمایا ورنہ اتنی بڑی تہمت کیسے ممکن تھی؟

”فتح الباری“ متعدد مرتبہ چھپ چکی ہے۔ اب دنیا کے گوشے گوشے میں پائی جاتی ہے۔ جن حضرات کا یہ دعویٰ ہے کہ تعلقہ فی الحدیث پر کلام نہیں کیا گیا انھیں چاہیے کہ ”فتح الباری“ کی کوئی سی بھی جلد لے لیں اور صرف اس کا مطالعہ کریں تو اس دعوے کی قلمی کھل جائے گی۔ انصاف شرط ہے۔ یہ ایک کھلا ہوا چیلنج ہے کہ کوئی بھی شخص ”فتح الباری“ کا مطالعہ کرے اور پھر کسی بھی جلد کا مطالعہ کرے تو اسے خود معلوم ہو جائے گا کہ سچائی کہاں ہے؟ محض اپنے حنفی ہونے کے تعصب میں اور حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے شافعی المسلک ہونے کے ”جرم“ میں انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دینا کسی کے لیے بھی کب روا ہے؟

حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا حال تو یہ ہے کہ صحیح بخاری کی جس بھی حدیث کے متعلق وہ یہ مناسب سمجھتے ہیں کہ اس پر فقہی، اخلاقی، تاریخی یا فنی حیثیت سے کلام فرمائیں تو ان احادیث کی شرح کے آخر پر اور کبھی درمیان میں ضرور کچھ نہ کچھ تحریر فرماتے ہیں۔

حلیت تعصب کی تعلیم تو نہیں دیتی وہ تو یہ سکھاتی ہے کہ ہر شخص کی حقیقی شخصیت کا اعتراف کیا جائے اور ہر شخص کو اس کا جائز حق ملنا چاہیے۔ اب ہمارے دور میں علم کا ذوق اتنا گر گیا ہے کہ جو اپنے کو زمرۂ علماء میں شمار کرتے ہیں، وہ صرف ”فتح الباری“ کا مکمل مطالعہ ہی اس املا سے کر لیں کہ حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریحات اور ان کے مدعا کو سمجھ لیں، تو یہ بھی ان کے لیے کافی ہے اگرچہ الحمد للہ مستثنیات اب بھی پائی جاتی ہیں۔

سیرت النبی

ﷺ

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ
لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ
عَنْهُمْ أَصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ.

(پ: ۹، سورۃ الاعراف، آیت: ۱۵۷)

وہ (حضرت رسالت پناہ ﷺ تو اس شان کے نبی ہیں کہ) انھیں (تمام انسانوں کو) نیکی کے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور انھیں بُرے کاموں سے منع کرتے ہیں اور انھیں صاف ستھری چیزیں جائز بتاتے ہیں اور ان کو ناپاک چیزیں، حرام بتاتے ہیں اور انسانیت پر جو بوجھ لدے ہوئے تھے، ان سے وہ (بوجھ) اتارتے ہیں اور وہ ان زنجیروں کو کاٹتے ہیں، جن (زنجیروں) میں (انسان) جکڑے ہوئے تھے۔

حضرت رسالت مآب ﷺ مشرکین و کفار کو دعوت الی اللہ کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔

(فرمایا)

سیرت طیبہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ مشرکین و کفار کو دعوت الی اللہ کے کسی موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے، ہر وقت پر یہ مطلوب تھا کہ مکرین کو اسلام سے روشناس کرایا جائے اور ان کے دل جیتے جائیں۔ ۶ھ میں صلح حدیبیہ ہوئی اور اس میں یہ شرط طے تھی کہ آپ ایک سال کے بعد مکہ مکرمہ تشریف لائیں گے۔ خانہ خدا میں حاضری دیں گے اور تین دن کے اندر اندر عمرہ کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ واپس ہو جائیں گے۔ حسب معاہدہ آپ ذی القعدہ ۷ھ میں عمرہ القضاء کے لیے تشریف لائے اور اسی اثنا میں آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کو پیغام بھجوایا کہ ان کی سالی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر ابوہریرہ بن عبد العزیٰ کی موت کی وجہ سے یتیم ہو چکی ہیں اور مناسب یہ ہے کہ آپ ان سے نکاح کر لیں۔ ادھر سے جواب ہاں میں دیا گیا اور حضرت رسالت مآب ﷺ نے اپنے چچا زاد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بات کہنے کے لیے بھجوایا۔ بات ٹھہر گئی اور عمرے کے بعد آپ تین دن حسب معاہدہ مکہ مکرمہ میں رُکے۔ اسی دوران نکاح بھی ہوا اور تیسرے دن اسمٰئیل بن عمرو، جو کہ صلح حدیبیہ میں اہل مکہ کے وفد کے سربراہ تھے کچھ افراد کے ہمراہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ معاہدے کے مطابق آج آخری تیسرا دن ہے اور اس کا سورج ڈوبنے ہی مدت پوری ہو جائے گی اور آپ مکہ مکرمہ سے روانہ ہو جائیں۔

اب اس موقع پر آپ نے جو حکمت عملی اختیار کی وہ قابلِ فور ہے۔ آپ نے فرمایا دیکھئے ابھی تو میرا نکاح ہوا ہے اور شخصتی باقی ہے۔ آپ اتنی تو مہلت مزید دیں کہ میں اپنی شب زفاف مکہ مکرمہ میں گزاروں۔ اس کے بعد ولیمہ ہو جس میں کھانا پکایا جائے اور آپ سب حضرات کو اس دعوت ولیمہ میں مدعو کیا جائے۔ اہل مکہ نے کہا کہ ہمیں آپ کے ہاں کھانا کھانے کی کوئی ضرورت نہیں اور آپ بس تین دن کی شوق پورا کر دیں۔ حضرت رسالت پناہ ﷺ اگرچہ تشریف لے گئے، راستے میں ”سرف“ کے مقام پر رُکے اور اسی حالت سفر میں ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی اور انھیں آپ کے خیمے میں اتارا گیا اور شرکین مکہ کا رویہ یقیناً غیر مناسب تھا لیکن آپ نے انھیں دعوت ولیمہ اور اپنی خوشی میں شریک کرنے کا یہ موقع بھی ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ اپنے طرز عمل سے یہ سمجھا دیا کہ زندگی میں خوشی یا غم کی ساری باتیں اور احتیاط کا وقت ہوا اگر کافروں سے واسطہ پڑ جائے تو دعوت الی اللہ کے مواقع نہ صرف تلاش کرنے ہیں بلکہ اپنی بساط کی حد تک انھیں استعمال بھی کرنا ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جو اسلام قبول کیا تھا، اس کی وجہ میں سے ایک وجہ یہ نکاح بھی تھا۔

پانچ فرائض کی تعلیم دیجیے اور جنت کما جائے۔

حضرت رسالت پناہ ﷺ نے تعلیم کو عام کیا اور ہمیشہ اس بات پر زور دیا کہ لوگ علم کو عام کریں حتیٰ کہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دین و دنیا کا جو علم ضروری قرار دیا ہے، آدمی خود ان فرائض کو دیکھے اور پھر لوگوں کو اس کی تعلیم دے اور فرض کی تعداد خواہ ایک ہو یا دو

ہوں یا تین ہوں یا چار ہوں یا پانچ ہوں، جو شخص بھی ان فرائض کی تعلیم حاصل کرے یا پھیلائے وہ جنت میں جائے گا۔ سو ہر مسلمان مرد و عورت کو چاہیے کہ کم سے کم اپنی اولاد یا شاگردوں یا محلے والوں یا جو لوگ ان کے ادارے میں کام کرتے ہیں انہیں پانچ فرائض کی تعلیم دینے ہی کا اہتمام کر کے جنت کمائیں۔ مثلاً ایک فرض یہ ہے کہ اپنے سے بڑے خواہ والدین ہوں یا اساتذہ یا عام آدمی، جو بھی علم، عمل، عمر، عہدے اور رتبے میں بڑا ہے اس کی آواز سے بلند آواز میں نہ بولا جائے۔ دوسرا فرض یہ بھی ہے کہ جب کوئی شخص سویا ہوا ہو تو بلا وجہ اس کی نیند کو خراب کرنے والی کوئی حرکت نہ کی جائے۔ تیسرا فرض یہ بھی ہے کہ قرض واپس کرنے کی رقم جو جی آئے فوراً اس شخص کو شکر یے کے ساتھ واپس کی جائے جس سے قرض لیا ہے، رات اور دن کا لحاظ کیے بغیر دوسرے کی رقم اسے ملنی چاہیے۔ چوتھا فرض یہ بھی ہے کہ اپنی اولاد یا کسی شخص کو بھی گالی نہ دی جائے۔ اولاد خواہ قصور وار ہی کیوں نہ ہو اور بیوی اور شوہر کیسی ہی زیادتی کیوں نہ کریں انہیں سمجھایا جائے یا ناراض ہو جائے تاکہ وہ اپنی اصلاح کریں یا کوئی اور طریقہ اختیار کر لیا جائے لیکن گالی ہرگز نہ دی جائے کہ کسی کو بھی گالی دینا کبیرہ گناہ ہے۔ پانچوں فرض یہ بھی ہے کہ انسان اپنے نفسے کو اندھا دھند نافذ نہ کرے۔ ایسے بہت سے فرائض ہیں جنہیں ترک کر کے انسان گنہگار ہوتا رہتا ہے۔

انسانوں کی خوبیوں اور اچھے اعمال
پر ہی ہمیشہ نظر ڈالنی چاہیے۔

فرمایا

سیرت طیبہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ کی نظر مبارک انسانوں کی خوبیوں اور ان کے اچھے اعمال پر رہتی تھی اور نہ تو لوگوں کے سوغات کی خبر پر کان دھرتے تھے اور نہ ہی انسانی معائب پر کسی کو شرمندہ کرتے تھے۔ نگاہ تو ایسی گہری تھی کہ بسا اوقات لوح محفوظ مکمل جانتا تھا اور کسی کی تقدیر کے احوال بھی بتا دیتے تھے لیکن دعوت کے میدان میں ایسے رحیم و کریم تھے کہ جب کوئی قبولیت دین کے لیے رشت کا اکتہار کرتا تھا تو گویا کہ وہ دن آپ کے لیے عید کا دن ہوتا تھا۔ مطالبہ ہوتا تھا کہ آپ تو تشریف لائے ہی ہیں آپ کے باقی دوست، اہل خانہ، شرکائے سفر، قبیلہ، کنبہ، باقی لوگ کہاں ہیں؟ عربوں کے قبیلے، بنو سلیم سے ایک نوجوان قتذہ بن عمار سُکنی حاضر ہوا۔ اسلام قبول کیا اور حضرت رسالت مآب ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ وعدہ کیا کہ آئندہ حاضر خدمت ہوں گا تو اپنے ساتھ اپنے قبیلے کے ایک ہزار افراد کو پیش کروں گا۔ واپس گیا تو اپنے قبیلے کو تین حصوں میں تقسیم کیا، تین سو افراد پر عباس بن مرداس کو امیر مقرر کیا، تین سو مرد و عورت پر انص بن یزید کو اور آخری ٹکٹ پر حیان بن حکم کو ملادت دے کر منظم کیا کہ ہم سب حضرت رسالت پناہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ سفر کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ یہ لڑکا قتذہ بیمار پڑ گیا۔ بخار جان لیوا ثابت ہوا اور اس نے قبیلے کو وصیت کی کہ دیکھو اس بارگاہ کی حاضری ضروری ہے اور انتقال

کر گیا۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَ عَنَّا۔ حسب وصیت و وعدہ جب نوسو افراد کئے، حضرت رسالت پناہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو لوگوں کو یہ گمان گذرا کہ کچھ ساز و سامان لینے حاضر ہوئے ہیں۔ فتح مکہ کا سال تھا اس لیے یہ گمان بعید از قیاس بھی نہ تھا لیکن حضرت رسالت مآب ﷺ کو یہ گمان کیوں نہ گذرا؟ وہ تو انسانوں کے قدر شناس اور ایسی سوچ سے بہت بلند و بالا تھے کہ منصب نبوت کے بالائین تھے کیسے یہ گمان کرتے؟ ان نوسو افراد کو دیکھ کر پہلا سوال یہ فرمایا کہ کہاں گیا وہ تمہارا خوبصورت، گورا چٹا لڑکا، جو نہایت فصاحت سے بولتا تھا اور اپنے ایمان اور وعدے میں سچا تھا؟ عرض کیا گیا کہ اسے تو بخار نے آیا۔ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے اس کے لیے رحمت کی دعا فرمائی اور دریافت فرمایا کہ آپ کتنے افراد ہیں؟ جواب ملا نوسو، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ سو مزید ہو کر، ہزار کب پورے ہو گئے؟ انہوں نے اپنی مجبوری بتائی کہ قبیلے کے سو افراد کا زمینوں پر رہنا ضروری تھا۔ لیکن اسلام کی قبولیت تو زمینوں کی حفاظت سے زیادہ ضروری کام تھا اس لیے آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان سو کو بھی بلاؤ، چنانچہ مقلع بن مالک بن امیہ کی قیادت میں مزید سو افراد آئے اور ایک ہزار آدمیوں نے اسلام قبول کیا۔

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَ عَنَّا۔

اب جن لوگوں کا خیال تھا کہ یہ افراد مال و دولت کے لیے حاضر ہوئے ہیں ان کا خیال درست نہ نکلا۔ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے اپنی شفقت، حسن نین اور سلیقے سے اس میدان کو فتح کر لیا جو محض گمان و قیاس سے فتح نہیں کیا جاسکتا تھا۔

حضرت رسالت مآب ﷺ سے پہلے
”محمد“ نام کے چار افراد۔

فرمایا حضرت رسالت مآب ﷺ کی بعثت سے قبل ہی یہود و نصاریٰ آپ کی آمد کے منتظر تھے، وہ جانتے تھے کہ ”محمد“ نام کا ایک بچہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی حیثیت سے دنیا میں آنے گا۔ اور ان کے اس علم سے باقی دنیاے عرب کو بھی علم تھا وہ گرنہ مشرکین مدینہ کو اس بات کی کیا خبر تھی؟ اور یہی وجہ تھی کہ مختلف لوگوں نے اپنے بچوں کے نام محمد رکھے تھے ان کا خیال تھا کہ شاید ان کے بچے اس منصب علیا پر فائز ہوں۔ حضرت رسالت مآب ﷺ سے قبل ① محمد بن عدی بن ربیعہ ② محمد بن اجمہ ③ محمد بن حمران ④ محمد بن خرقا، کے نام ملتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صاحبزادگان کے نام ”محمد“ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی محبت رسول ﷺ کا ٹھنڈا رنگ۔

فرمایا حضرت رسالت پناہ ﷺ کی ذات گرامی قدر تو کہا، ان کے اسم گرامی سے بھی ایسی محبت تھی کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے بیٹوں کا بھی یہی نام تجویز فرمایا تھا۔ ① خلیفہ رسول اللہ ﷺ، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کا نام محمد بن ابوبکر تجویز فرمایا اور ان کی کنیت ابوالقاسم تھی۔

② امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کا نام محمد بن علی رکھا اور ان کی کنیت بھی

ابوالقاسم تھی۔

⑥ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے بیٹے کا نام محمد رکھا، محمد بن سعد اور ان کی کنیت بھی ابوالقاسم تھی۔

⑦ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے بیٹے کا نام محمد رکھا ان کا لقب سہلو اور کنیت ابوالقاسم تھی۔ امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی محبت کا رنگ اور تھا۔ محبت کے ساتھ ادب کا بھی غلبہ تھا۔ اس لیے یہ پسند نہیں فرماتے تھے کہ لوگ اپنی اولادوں کے نام محمد رکھیں اور وجہ یہ بیان فرماتے تھے کہ جب تم اپنے بیٹے کو بُرے الفاظ میں ڈانٹو گے یا برا بھلا کہو گے تو اسم گرامی کا ادب اور لحاظ، ملحوظ خاطر نہ رکھا جاسکے گا، چنانچہ ان کے زمانے میں ایک صاحب کا نام عبدالحمید تھا اور انہوں نے اپنے بیٹے کا نام محمد رکھا تھا اور وہ اپنے بیٹے کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ انہیں بلایا اور فرمایا دیکھو یا تو کبھی بھی اپنے اس بیٹے کو گالی نہ دینا جس کا نام محمد ہے اور یا پھر میں جب تک زندہ ہوں اپنے بیٹے کو محمد کے نام سے مت بلانا۔ میں اس کا نام تبدیل کر کے عبدالرحمن رکھ رہا ہوں۔ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ذات میں ادب اور محبت کا یہ اجتماع تھا کہ جس کا نام محمد ہو، اسے نہ کہنا بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔ اس لیے جو لوگ ایسی روایات بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اولاد رسول ﷺ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا، وہ ان روایات کو نہیں پڑھتے کہ حضرت رسالت پناہ رضی اللہ عنہ کے اسم گرامی ”محمد“ کی محبت اور ادب جس عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں ایسا تھا، وہ اس محمد رضی اللہ عنہ کی اولاد سے کیسی محبت کرتا ہوگا؟

دوسرا رنگ بھی دیکھیے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے سات بیٹوں کا نام محمد رکھا تھا۔ انھیں

محمد نام سے اتنا پیار تھا۔ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس اسم گرامی کے ادب کی وجہ سے حکم بھیج دیا کہ طلحہ اپنے بیٹوں کے نام تبدیل کرو۔ یہ ساتوں لڑکے حاضر ہوئے اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے غالباً یہ مسئلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا کہ آپ خود ہی ان کے نام تجویز فرما دیں۔ ان ساتوں بھائیوں میں سب سے بڑے محمد بن طلحہ تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا نام بدلنا چاہا تو انہوں نے عرض کیا امیر المومنین آپ کو تو یاد ہوگا کہ جب میں پیدا ہوا تھا تو میرے والد طلحہ نے مجھے حضرت رسالت پناہ ﷺ کی گود میں ڈال دیا تھا۔ انہوں نے اپنا دست شفقت میرے سر پر پھیرا اور میرا نام خود ہی محمد تجویز فرمایا تھا۔ اب آپ خود دیکھ لیں، تو امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان ساتوں بھائیوں کو واپس بھیج دیا اور فرمایا بھیجی جو نام حضرت رسالت پناہ ﷺ نے تجویز فرمایا ہو میری مجال نہیں کہ اسے تبدیل کروں۔

حضرت کرز بن علقمہ خزاعی رضی اللہ عنہ اور ان کے
قبیلے کی اہم خصوصیت۔

فرمایا سیرت طیبہ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب اس حقیقت کو جانتے تھے کہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بعد کوئی ایسی بڑی شخصیت اب آئی ہے تو وہ حضرت رسالت پناہ ﷺ ہی کی ہے۔ حضرت کرز بن علقمہ خزاعی رضی اللہ عنہ اگرچہ مسلمان توفیق مکہ کے موقع پر ہوئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت طویل عمر عطایت فرمائی تھی۔ حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور تک حیات رہے اور اس دور میں مدینہ منورہ کا گورنر مروان بن حکم تھا اور مکہ مکرمہ میں وہ حدود حرم جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے متعین فرمائی تھیں اور وہاں پتھر

نصب کر دیے تھے، ان کی تجدید کی ضرورت پیش آگئی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں ہی حکم دیا تھا کہ وہ حدود حرم کے پتھروں کی تجدید کریں۔ حضرت کرز رضی اللہ عنہ کا مشاہدہ بہت زبردست تھا۔ جس چیز کو دیکھ لیتے تھے، گویا کہ ان کے دماغ میں نقش ہو جاتی تھی۔ ان کا قبیلہ بہت "کھرا باز" تھا اور عرب "کھرے" کے سلسلے میں انہی سے رجوع کرتے تھے۔

"کھرا" اردو زبان میں اس پکی جگہ کو کہتے ہیں جہاں بیٹھ کر کپڑے دھوئے جاتے ہیں یا کوئی نہاتا ہے یا پچھلے زمانوں میں پانی کے گھڑے رکھے جاتے تھے۔ اسی طرح یہ لفظ نشان، کھونچا یا تاجا کے معنی بھی استعمال ہوتا ہے۔ کھرا باز یا کھوہی اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی انسان یا جانور کے پاؤں یا کھر کے نشانات دیکھ کر بتا دیتا ہے کہ یہ انسان یا جانور کہاں تک چل کر گیا ہے۔ ہمارے گاؤں یا دیہات میں جب چوری ہو جاتی ہے تو اس چور کے پاؤں کے نشانات یا کوئی جانور چوری ہو جائے تو اس کے کھروں کے نشانات کو دیکھ کر ایک کھرا باز یا کھوہی اصل مالکان کو لے کر چل پڑتا ہے اور ان پاؤں یا کھروں کو دیکھ کر چنر رہتا ہے یہاں تک کہ آخری پاؤں یا کھر تک پہنچ کر بتا دیتا ہے کہ چور یا جانور یہاں تک آیا ہے اور یا تو وہ مطلوبہ چیز یہیں ہے اور یا پھر یہاں کے لوگ اس چیز کے متعلق کچھ بتائیں کہ وہ کہاں ہے اور یا پھر یہ لوگ تاوان ادا کریں اور یا پھر آخری صورت یہ رہ جاتی ہے کہ اس کھرے کو اپنے گاؤں یا بستی سے نکالیں یعنی یہ بتائیں کہ یہ نشانات گاؤں کے کس حصے سے باہر نکل رہے ہیں۔ بنو خزاعہ کے لوگ مانے ہوئے کھوہی یا کھرا باز تھے اس لیے حضرت رسالت مآب ﷺ نے جب ہجرت فرمائی ہے تو مکہ مکرمہ میں شور مچ گیا کہ وہ اور ابو بکر کہاں چلے گئے؟ انھیں پکڑنا چاہیے۔ تلاش کے لیے

جو ذرائع استعمال کیے گئے ان میں سے ایک ذریعہ یہ بھی تھا چنانچہ انہی حضرت کرز بن علقمہ خزاعی رضی اللہ عنہ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ یہ پاؤں کے نشانات دیکھ کر مکہ مکرمہ سے چلے اور غار ثور پر آ کر رک گئے اور کفار مکہ کو کہا کہ یہ لوگ یہاں تک تو آئے ہیں اس کے بعد کھرائیں ملنا کہ یہ کہاں گئے؟ اور حضرت رسالت مآب ﷺ اور ان کے یار غار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسی غار کے اندر تھے۔ پاؤں اور کھروں کے نشانات کا مشاہدہ اس قبیلے کے لوگ تمام عمر کرتے رہتے تھے اس لیے یہ نقوش قدم کو خوب سمجھتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت کرز بن علقمہ خزاعی رضی اللہ عنہ نے جب حضرت رسالت مآب ﷺ کا قدم مبارک دیکھا تو اہل مکہ کو کہا کہ دیکھو ابراہیم کے بعد یہ دنیا میں پہلا قدم ایسا دیکھ رہا ہوں جو اس قدم کے مشابہ ہے۔ مقام ابراہیم پر اس پاؤں کو دیکھو اور پھر اس پاؤں کو دیکھو یہ تو دونوں یکساں ہیں۔ اس لیے اہل مکہ اور عرب اس حقیقت کو جانتے تھے کہ حضرت خلیل اللہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اصل وارث کون ہے اور اس خلیل القدر مہستی کے بعد اب پھر ایک ایسی مہستی نے وجود پایا ہے، جو اپنے جدا مہدی کے نقش قدم پر ہے۔

~ خادمہ او نقشب صد امروز زبیرت تا بیارو صبح فرداے بدست
شعلہ ہائے او صد ابراہیم سوخت تا چراغ یک محمد بر فروخت
صلی اللہ علیہ وسلم

شاہدِ حشہ ”نباشی“ سے متعلق اہم تحقیق.

سیرت طیبہ اور کتب احادیث دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم



ہیں اگر کوئی شخص ان دونوں علوم میں سے صرف ایک پر اکتفا کر کے دوسرے علم میں بھی مہارت حاصل کرنا چاہے گا، تو ٹھوکر کھائے گا۔ سیرت نگار کی ایک ایسے حقائق سے بے خبر ہوتے ہیں جو احادیث میں بیان کیے گئے ہیں اور محدثین کبھی ان باریکیوں کو بیان نہیں کرتے، جو کہ سیرت نگار بیان کرتے ہیں۔ مثلاً مشرکین مکہ نے جب مسلمانوں کا پینا دو بھر کر دیا تو ہجرت حبشہ کی اجازت ملی۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت آؤ بھگت کی کہ یہ مہاجرین تھے اور انھیں اپنے ملک میں بلا روک ٹوک ہر طرح سے رہنے کی اجازت دی۔ اہل مکہ نے اس بات کا سخت بُرا منایا اور ایک وفد اس نجاشی کی خدمت میں گیا تاکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان مراعات سے محروم کر دے لیکن ناکام ہوئے۔ اب اس ایک بادشاہ نجاشی کے انتقال کے بعد حبشہ کا دوسرا بادشاہ نجاشی بنا۔ نجاشی تو درحقیقت حبشہ کے تمام بادشاہوں کے لیے ایک لقب استعمال ہوتا تھا جبکہ ہر نجاشی کا نام مختلف ہوا کرتا تھا چنانچہ اب جو نجاشی بادشاہ ہوا تو اس کا نام اسمعہ تھا۔ اس وقت تک یہاں مکہ مکرمہ سے ہجرت مدینہ ہو چکی تھی۔ صلح حدیبیہ بھی ہو چکی تھی اور ہجرت حبشہ پر کئی سال بیت چکے تھے۔ حضرت رسالت مآب ﷺ نے جو گرامی نام تحریر فرمایا ہے، تو اس نجاشی کے نام تحریر فرمایا، اسے دعوت اسلام دی ہے جو انہوں نے قبول کی پھر ان کا انتقال ۹ھ میں ہوا تو حضرت رسالت پناہ ﷺ نے ان کا عائبانہ جنازہ پڑھا ہے اور چار بکیرات کہی ہیں۔

سو یہ دو نجاشی الگ الگ ہیں۔ محدثین عموماً ان میں فرق نہیں کرتے اگرچہ امام مسلم رحمہ اللہ

نے کتاب الجہاد میں یہ فرق رکھا ہے اور اہل سیرت بھی اس میں فرق کرتے ہیں۔
جیسا کہ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے ”زاد المعاد“ میں اس کا لحاظ فرمایا ہے۔

شاہ مصر ”مقوقس“ کا بھیجا ہوا غنیمت جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ
کے دور تک زندہ رہا۔

فرمایا سیرت کی کتابوں میں شاہ مصر ”مقوقس“ کا تذکرہ ملتا ہے جس نے
حضرت رسالت مآب ﷺ کے گرامی نامے کا جواب بھی پیش کیا تھا اور آپ کی
سواری کے لیے ایک غنیمت بھی نذر گزارا تھا۔ عربوں میں غنیمت کی سواری اعلیٰ درجے
کی سواری سمجھی جاتی تھی اور وہاں کے غنیمت ہندوستانی غنیمتوں سے قد و کاٹھ میں
بڑے اور گھوڑوں سے چھوٹے ہوتے ہیں۔ اس غنیمت کا نام ”وَلْدَان“ تھا اور اس
کی عمر بہت طویل ہوتی۔ سیدنا معاویہ یا میر شام رضی اللہ عنہ کے دور تک بھی یہ ”وَلْدَان“ زندہ تھا۔

گھروں میں سلام کرنے کی سنت مفتی چلی جا رہی ہے۔

فرمایا سیرت طیبہ سے ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ انسان روزانہ صبح اُٹھے تو اپنے
گھر والوں کو اور اہلیہ کو سلام کرے اور ان کے لیے دعا مانگے اور اگر بیویاں
ہوں تو جس بیوی کے گھر آنے والی رات گزارنی ہو، یہ دن بھی اسی کے ساتھ
گزارے لیکن اب چونکہ گھروں میں سلام کرنے کی سنت مفتی چلی جا رہی ہے اس
لیے لوگ اپنی بیوی کو سلام کرنا تو اپنے وقار اور مرد کی شان کے منافی سمجھتے ہیں

جب کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کا معمول یہ تھا کہ صبح کی نماز پڑھا کر اپنے مصلے پر ہی تشریف فرما ہوتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ کے ارد گرد حاضر خدمت رہتے تھے یہاں تک کہ سورج کے طلوع ہو جانے کے بعد آپ اپنی ایک ایک اہلیہ محترمہ کے حجرے میں تشریف لے جاتے تھے اور ہر ایک کو سلام بھی کرتے تھے اور انہیں دعا بھی دیتے تھے پھر جس ام المومنین رضی اللہ عنہا کی باری ہوتی تھی آپ اپنا دن بھی اسی گھر میں گزارتے تھے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب ”زاد المعاد فی ہدی خیر العباد“
اور ان کے تصامحات۔

فرمایا امام ابن قیم رحمہ اللہ نے ”زاد المعاد فی ہدی خیر العباد رضی اللہ عنہ“ تحریر فرمایا کتب سیرت میں نہایت خوبصورت اور اعلیٰ درجے کی علمی کتاب کا اضافہ فرمایا ہے اور شاید حقیقت یہ بھی ہے کہ سیرت اور حدیث کے احراج میں یہ کتاب اپنی مثال آپ ہے لیکن احادیث کی نقد و جرح اور نقل مذہب میں ان سے بہت تصامحات ہوئے ہیں ان کو بھی نگاہ میں رکھنا چاہیے۔

مثلاً آپ پڑھیں گے کہ نماز میں قومہ کے اذکار میں وہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت رسالت مآب ﷺ بارگاہ الہی میں عرض کرتے تھے ”رَبَّنَا وَلَكَ الْخُشُوعُ“ اور کبھی یہ عرض کرتے تھے ”رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ“ اور کبھی یہ کہ ”اَللّٰهُمَّ وَ لَكَ الْحَمْدُ“ لیکن یہ روایات کہ آپ نے اس جملے میں اَللّٰهُمَّ اور ”وَ اُوْكَوْجِعِ

فرمایا ہو، درست نہیں ہیں یعنی یہ کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے کبھی ”اَللّٰهُمَّ رَتِّنَا وَ لَكَ الْحَمْدُ“ عرض کیا ہو، یہ جن روایات میں آیا ہے، وہ درست نہیں ہیں۔ امام ابن قیم رحمۃ اللہ سے اس مسئلے میں بہت بھول ہوئی ہے۔ یہ روایات تو صحیح اور مسلم ہیں کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے ”اَللّٰهُمَّ رَتِّنَا وَ لَكَ الْحَمْدُ“ پڑھا ہے۔ امام بخاری، نسائی، ابن ماجہ اور داری رحمۃ اللہ تمام محدثین نے ان روایات کی توثیق کی ہے۔ حنفی کا عقار مسلک بھی یہی ہے کہ قوم میں ”اَللّٰهُمَّ رَتِّنَا وَ لَكَ الْحَمْدُ“ ہی کو پڑھنا چاہیے۔

اس لیے ان کا یہ تحریر فرمانا کہ جن روایات میں ”اَللّٰهُمَّ“ اور ”واو“ کا اضافہ ہے وہ روایات ہی درست نہیں ہیں، یہ ان کا تسامح ہے۔ نقل مذہب میں بھی ان کا تسامح دیکھیے کہ بحث یہ فرما رہے ہیں کہ نماز فجر کی دوسری رکعت کے قوسے میں قنوت نازلہ پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ پھر فرماتے ہیں کہ حضرت رسالت مآب ﷺ فجر کی دوسری رکعت کے قوسے میں قنوت نازلہ پڑھتے تھے۔ اور کوفہ والوں کا یہ رو ہے کہ وہ لوگ فجر میں قنوت نازلہ کا پڑھنا — خواہ کیسے ہی حالات کیوں نہ ہوں — کر وہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسی احادیث کہ جن میں یہ تذکرہ آیا ہے کہ کسی بھی مصیبت یا شدید حالات میں حضرت رسالت مآب ﷺ نماز فجر میں قنوت نازلہ پڑھا کرتے تھے، ایسی احادیث منسوخ ہیں اور فجر میں قنوت نازلہ کا پڑھنا بدعت ہے۔ حضرت الامام ابن قیم رحمۃ اللہ سے شدید غلطی ہوئی ہے۔ اہل کوفہ سے اگر ان کی

مراد حنفی فقہاء ہیں۔۔۔ جیسا کہ لوگ عام طور پر ایسے ہی لکھتے اور سمجھتے ہیں۔۔۔ تو یہ حنفی فقہاء کرام رحمہ اللہ کا مسلک ہرگز نہیں ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے ان کا یہ مذہب جاننا، پھر اسے نقل کیا، یہ سب انہوں نے خطا کی۔ حنفی فقہاء قدیم زمانے میں بھی حتیٰ کہ حضرت امام غلامی رحمہ اللہ اور اب تک بھی جیسے کہ علامہ شامی رحمہ اللہ، کبھی اس بات کے قائل ہیں کہ جب بھی امت مسلمہ پر مصائب یا کوئی اجتماعی تکلیف آئے تو آئمہ مساجد کو چاہیے کہ نماز فجر میں قنوت نازلہ پڑھیں اور ہمارے نزدیک یہی سنت ہے۔

کسی ایک حنفی فقیر نے اسے بدعت نہیں کہا اور ضرورت پڑنے پر اس کے پڑھنے سے منع نہیں کیا تو یہ نقل مذہب میں خطا اور احناف کرام رحمہ اللہ سے بغیر تحقیق کے امتساب نہیں تو اور کیا ہے؟

فجر اور عصر کی نماز میں طویل قرأت کی حکمتیں

فرمایا حضرت رسالت پناہ ﷺ فجر کی نماز میں طویل قرأت کیوں فرماتے تھے؟ اس سوال کے متعدد جوابات دیے گئے ہیں اور فجر میں طویل قرأت کی حکمت بیان کی گئی ہے کہ صرف فجر ہی میں نہیں عصر میں بھی تو آپ طویل قرأت فرماتے تھے، وہ کیوں؟ اور حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ عشاء سے لے کر فجر تک اور پھر فجر سے لے کر عصر تک جو کئی گھنٹے وقت گزر جاتا ہے اور عبادت نہیں ہوتی یا ان دونوں وقتوں میں اللہ تعالیٰ نے کوئی عبادت فرض نہیں قرار دی تو اب اتنا لمبا

وقفہ بغیر کسی عبادت کے گزر گیا تو یہ ضروری ہوا کہ مراسم بندگی ادا کیے جائیں اور انھیں طویل دیا جائے تاکہ ایک نوع کی جو غفلت یا مشاغل دنیوی میں انہماک یا قدرے طویل غیر حاضری ہوگئی اس کا تدارک ہو جائے۔

لیکن فجر کی طویل قرأت کی حکمت اس حدیث سے بھی واضح ہوتی ہے، جس میں حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں سفر و حضر کی تمام نمازیں دو، دو رکعتیں ہوا کرتی تھیں پھر جب حضرت رسالت پناہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے اور قدرے اطمینان سے رہنا بسنا ہوا تو حضر کی رکعات مزید دو، دو بڑھا دی گئیں اور سفر کی نماز کو اسی حالت پر دو، دو رکعتیں رہنے دیا گیا (تنبیہ یہ کہ ظہر، عصر اور عشاء کے چار فرض ہو گئے) اور فجر کی نماز میں دو رکعتوں کو چار نہیں کیا گیا بلکہ قرأت طویل کر دی گئی (جو کہ دو رکعتوں کا قائم مقام ہوگئی) اور مغرب کی تین رکعتیں تو دن کے اختتام کی طاق نماز (وتر) ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی قرأت خاصی طویل ہونی چاہیے۔ اتنی کہ وہ مزید دو رکعتوں کے وقت کے برابر ہو جائے اور ایسی طویل ہو کہ یہ یاد رہے کہ اگرچہ دو رکعتوں کا اضافہ نہیں کیا گیا یعنی نماز کی رکعتوں کی تعداد کو تو حسب حال قائم رہنے دیا گیا لیکن معیار (کوالٹی) کو بڑھا دیا گیا تاکہ بندگی میں زیادہ وقت صرف ہو۔ اس لیے جو لوگ فجر کی نماز طویل نہیں پڑھتے وہ اس حکمت کو ختم کر دیتے ہیں اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان رکعتوں کو سمجھتے تھے اس لیے فجر کی

تماز میں سورۃ یوسف اور سورۃ النحل جیسی طویل سورتوں کی تلاوت فرماتے تھے۔

حضرت رسالت مآب ﷺ ایک لگا کر کھانا
کھانے کو ناپسند فرماتے تھے۔

فرمایا

حضرت رسالت مآب ﷺ ایک لگا کر کھانا کھانے کو ناپسند فرماتے تھے۔ اس لیے شریعت کا حکم یہ ہے کہ انسان جب کھانا کھائے تو کسی قسم کی ٹیک نہ لے۔ اپنے دونوں ہاتھوں میں سے کسی بھی ہاتھ کو زمین پر ٹکا کر دوسرے ہاتھ سے کھانا نہ کھائے۔ بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ اپنا الٹا (پایاں) ہاتھ تو زمین پر ٹکا دیتے ہیں اور دائیں ہاتھ سے کھانا کھاتے رہتے ہیں، یہ طرز عمل مکروہ ہے اس لیے ایسے بیٹہ نہ کھانا، کھانا بھی درست نہیں۔ بعض لوگ یہ لٹھی کرتے ہیں کہ اپنے جسم کا ایک پہلو تو زمین پر ٹیک دیتے ہیں اور دوسرے پہلو کا سہارا لے کر کھانا کھاتے ہیں یہ بھی صحیح نہیں۔ کھانا کھاتے ہوئے، انسان جب زمین پر بیٹھا ہو تو جسم کے دونوں اطراف کو برابر رکھنا چاہیے ایسے ہی زمین پر گدا بچھا کر خوب اطمینان سے چو کڑی مار کر بیٹھنا اور کھانا، کھانا بھی درست نہیں۔ ایسے ہی دیوار یا کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر کھانا، کھانا یا عجب سے ٹیک لگا کر کھانا، کھانا بھی پسند نہیں کیا گیا کیونکہ یہ سب صورتیں سہارا لینے اور ٹیک لگنے (اٹکاؤ) کی ہیں اور ٹیک لگا کر کھانا کھانے کی صورت میں تین خرابیاں ہیں۔ ایک تو یہ — اور یہ حد درجہ بُری بات ہے — کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے خود کبھی بھی

ایسے کھانا نہیں کھایا اور کھانا تو درکنار اس ٹیک لگانے کو ہمیشہ منع فرمایا ہے۔ سواس سے زیادہ مدی بات کیا ہو سکتی ہے کہ جس بات یا کام سے حضرت رسالت مآب ﷺ منع فرمائیں اور ان کا کوئی امتی اس کا ارتکاب کرے۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْهَا۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ نے ایک بھیجی ہوئی بکری حضرت رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں پیش کی اور آپ دو زانو بیٹھ کر اس بکری کا گوشت کھانے لگے۔ ایک دیہاتی آدمی آپ کو دیکھ رہا تھا تو اس نے دریافت کیا کہ آپ کھانا کھاتے وقت دو زانو کیوں تشریف فرما ہیں؟ تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک شہیدہ اور باوقار بندہ بنایا ہے اور مجھے جبر کرنے والا یا ضدی انسان نہیں بنایا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے عملی طور پر یہ تعلیم دی کہ انسان کو کھانا کھاتے ہوئے دو زانو ہو کر بیٹھنا چاہیے۔ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے کھانا کھانے کی نشست کا دوسرا انداز یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ کھانا کھانے والا اپنی دائیں ٹانگ کو کھڑا کرے اور بائیں ٹانگ کو موڑ کر اس پر بیٹھ جائے اور پھر دائیں ہاتھ سے کھانا کھائے اور اپنے بائیں ہاتھ کو زمین پر ٹیک کر دائیں ہاتھ سے کھانا کھانا کر دو ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے کبھی بھی ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھایا۔ حضرت مجاہد تابعی رضی اللہ عنہ کی مرسل روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے ٹیک لگا کر کھانا کھایا تو اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ میں اس غیر ادبی طریقے کی معذرت کی کہ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ وَ رَسُوْلُكَ

(اے اللہ میں آپ کا بندہ اور آپ کا رسول ہوں۔) یہ جو ایک مرتبہ ٹیک لگا کر کھانے کی روایت ہے، عائشہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما تک پہنچی نہیں اس لیے انہوں نے فرمایا کہ آپ نے ٹیک لگا کر کبھی ایک مرتبہ بھی کھانا نہیں کھایا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی مرفوع اور حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ کی مرسل روایت میں بھی یہ آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے ٹیک لگا کر کھانا کھالیا تو حضرت جبرئیل امین حاضر ہوئے اور ٹیک لگا کر کھانے سے، جب منع کر دیا تو پھر آپ نے کبھی اس طرح کھانا نہیں کھایا۔ ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹیک لگا کر کھانا درست فعل نہیں اور اسی بنا پر فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ نے ٹیک لگا کر کھانے کو مکروہ قرار دیا ہے۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ یہ طریقہ تکبر لوگوں کا تھا اور ہے۔ وہ بجائے اس کے کہ رزق کو نعمت الہی سمجھ کر تواضع سے کھائیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں، تکبرانہ ہیئت بناتے ہیں اور عیش و محم کی زندگی کا اظہار کرتے ہیں۔ کبر اور اس کا اظہار بلاشبہ بدترین اخلاقی بیماریوں میں سے ایک ہے اس لیے شریعت جہاں ظاہری زندگی کے آداب سکھاتی ہے، باطنی کیفیات پر بھی نظر رکھتی ہے اور اگر باطن میں کبر اور ظاہر میں اس کا اظہار ٹیک لگا کر کھانے کی ہیئت سے ہوتا ہو تو اسلام اس پر نقد لگاتا ہے کہ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دوسروں پر اپنی فوقیت جٹائے اور اپنا برتر ہونا ثابت کرے یہی وجہ ہے کہ بعض فقہاء جو ٹیک لگا کر کھانے کی رخصت دیتے ہیں تو وہ اس رخصت کو اس شرط کے ساتھ مشروط

کر دیتے ہیں کہ کوئی شخص ٹیک لگا کر اس وقت کھا سکتا ہے جب اسے سو فی صد اطمینان ہو کہ وہ یہ فعل نہ بنائے، کبہ نہیں کر رہا۔

تیسری خرابی یہ ہے کہ ٹیک لگا کر کھانے سے انسان کو جو سکون اور اطمینان ملتا ہے اس کی وجہ سے انسان ضرورت سے دو چار لقمے زیادہ ہی کھا لیا کرتا ہے اور آہستہ آہستہ یہ عادت بن جاتی ہے اور انجام کار جسم میں چربی کی مقدار زیادہ ہو جاتی ہے۔ جسم مونا پے کا شکار ہو جاتا ہے اور پیٹ باہر نکل آتا ہے۔ اس کو تانی کا مشاہدہ کرنا ہو تو آپ کسی بھی مسلک اور فرقے کے مذہبی رہنماؤں کو دیکھیے کہ وہ کیسے ٹیم ٹیم ہوتے ہیں تو ندیں باہر کو نکلی ہوئیں اور ایسے چلتے پھرتے ہیں کہ گویا گوشت کا پہاڑ ہیں۔ آپ انہیں جب بھی کھانا کھاتے ہوئے دیکھیں گے تو انہوں نے ٹیک لگا رکھی ہوگی، کبھی ٹیک لگا کر کھائیں گے کبھی بستر پر بیٹھ کر کھانا کھائیں گے اور کبھی بائیں ہاتھ کو زمین پر ٹیک کر دائیں ہاتھ سے کھاتے ہوئے ملیں گے۔ اس پر مستزاد ان کی مرفن غذائیں اور پھر اس سے جو شمار پیدا ہوتا ہے اور گہری نیند آتی ہے یہ سب اسباب و عوامل مل کر پیٹ کی چربی اور مونا پے میں اضافے کا باعث بنتے ہیں اور یہی وہ جسمانی ساخت ہے جو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ کو اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عظام اللہ کو سخت ناپسند ہے۔ حضرت رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایسے عالم دین کو پسند نہیں کرتا جو بہت مونا تازہ ہو اور خفی قہماہ ﷺ کے امام، جلیل القدر تابعی حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمیشہ ٹیک لگا کر کھانے کو ناپسند کرتے

تھے اور اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں ان کی توہمیں نہ نکل آئیں۔

اگر یہ لوگ کتب احادیث اور سیرت طیبہ میں ”کتاب الاطعمۃ“ کی شروح و حواشی کا مطالعہ کرتے تو انھیں معلوم ہوتا کہ ان کی ظاہری ہیئت اور جسم کا بھدا پن کیسا شریعت کے مخالف ہے۔

سیرت طیبہ ہمارے باطن ہی کو نہیں ظاہر کو بھی مہذب بناتی ہے۔

احادیث مبارکہ کو سوچ سمجھ کر بیان کرنا چاہیے۔

فرمایا

انسان کو ہمیشہ سمجھداری سے کام لینا چاہیے۔ احادیث کو سوچ سمجھ کر بیان کرنا چاہیے۔ ہر حدیث نہ تو بیان کرنے کے قابل ہے اور نہ ہی ہر شخص اس کا اہل ہے کہ حدیث کو سمجھ سکے۔ پھر موقع بھی دیکھنا چاہیے، غلط موقع یا غلط شخص کو صحیح حدیث بتا دینا فتنے اور فساد کا موجب بھی بن سکتا ہے۔ بے وقوف آدمی تو یہ سمجھ کر خوش ہو رہا ہے کہ میں نے حدیث سنائی اور اس کا حدیث سنانا ہی فساد کی جڑ بن گیا۔ ہمارے دور میں بچے احادیث کو پڑھ لیتے ہیں۔ ذرا بھی مذہبی شعور پیدا ہوا اور بھاگے بخاری شریف پڑھنے اور تفسیر پڑھنے حالانکہ عمر اور علم کی پختگی پر جن علوم کا مطالعہ مفید ہوتا ہے، اب کی عمر میں پڑھ لیا اور سمجھانے والے کوئی استاد بھی نہ ہوئے تو یہی تفسیر وحدیث امت کو براہ کرنے کا باعث بن جائیں گی۔ سچ فرمایا بڑے لوگوں نے:

~ سیکھ وا کو دیکھیے جا کو سیکھ سہائے

سیکھ نہ دیکھیے ہاندرا جو گھر بنے کا جائے

پھر دوسری بات یہ بھی ہوتی ہے کہ کبھی شرعی مسئلہ یا تفسیر یا حدیث بیان کرنے والا شخص نہایت متقی اور پرہیزگار ہوتا ہے۔ اس نے گناہ کی دنیا دیکھی ہی نہیں ہوتی اس لیے وہ سمجھتا ہے کہ ہر آدمی اس کی طرح نیک اور سادہ لوح ہوتا ہے۔ ظالم لوگ اس سے پوچھتے ہیں اور وہ صحیح جواب دیتا ہے۔ یہ ظالم اس کے صحیح جواب کو غلط مقاصد حاصل کرنے کا ذریعہ بنالیتے ہیں۔ زمانے کے آثار چڑھاؤ کو نہ جاننے کے سبب کبھی کوئی صحابی رضی اللہ عنہ، تابعی یا فقیہ اور مفتی صحیح روایت یا فتویٰ صادر فرمادیتے ہیں اور ظالم سکران اسی حدیث یا فتوے کی آڑ لے کر مذہب، مسلک اور امت کو برا دکر دیتے ہیں۔ نام دین، اسلام اور سنت کا اور کام شیطان کا، ظلم، قتل اور حقوق العباد کا ضیاع۔

عکس اور عریض عربوں کے دو قبیلے تھے۔ پہلے قبیلے سے چار اور دوسرے سے تین افراد اور مزید انہی کے ساتھ ایک اور آدمی یعنی کل آٹھ افراد حضرت رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے انہیں ایک چراگاہ میں بھیج دیا تاکہ وہ اُونٹوں کی خدمت اور گمرانی کرتے رہیں۔ یہ وہاں پہنچ کر مرتد ہو گئے، پھر جو صحابی رضی اللہ عنہ پہلے سے وہاں اس کام پر مامور تھے انہیں قتل کیا اور ڈاکہ بھی ڈاکہ اُونٹوں کو لیکر بھاگ کھڑے ہوئے۔ گویا رتہ ان قتل اور ڈاکہ تینوں جرائم کے مرتکب ہوئے۔ حضرت رسالت مآب ﷺ پر اس وقت حدود کے اجرا کی آیات نازل نہیں ہوئی تھیں اور آپ نے اپنے اجتہاد اور صواب و تدبیر پر انہیں سخت سزائیں دیں۔ آنکھوں میں نیل کی سلاخی پھیر دی گئی اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر انہیں مرنے کے لیے پھینک دیا گیا۔ یہ غالباً سب سے زیادہ سخت سزا تھی جو حضرت رسالت مآب ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں جاری فرمائی تھی۔

حجاج بن یوسف ایسا ظالم تھا کہ بہت سے تابعین عظام اللہ تعالیٰ کے کفر کا فتویٰ دیتے تھے، اس ظالم، نصیب مارے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے گستاخ کو یہ واقعہ کسی نے بتا دیا۔ اس نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو بلا کر پوچھا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں زیادہ سے زیادہ سزا، جو کسی کو دی تھی وہ کیا تھی؟ سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے یہی قبیلہ صکل اور عرینہ کا قصہ بیان کر دیا۔ وہ فوراً اٹھا مہر پر جا کھڑا ہوا اور کہنے لگا،

لوگو! کچھ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو حضرت رسالت مآب ﷺ نے ان کی آنکھوں میں نیل کی سمانی پھر وادی اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے تو آئندہ سے اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے تو کیا ہم بھی اس کو یہی سزا دے دیں؟

اب یہ ظالم اس صحیح حدیث سے غلط فائدہ اٹھا رہا تھا کہ جو شخص بھی بنو امیہ کے مظالم اور غیر شرعی حرکات پر اٹھے، احتجاج کرے یا زبان کھولے تو اس کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جائے۔ اپنی غیر شرعی سزاؤں کے جواز میں یہ حدیث پیش کر رہا تھا۔ حالانکہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے یہ سزائیں اس وقت دی تھیں جب حدود کی آیات نازل نہیں ہوئیں تھیں۔ اب تو آیات نازل اور حدود نافذ ہو چکی تھیں اب کوئی بھی شخص یہ سزا کیونکر دے سکتا تھا؟ اور پھر ان مجرمین نے تو ارتداد کیا تھا، ذاکر ڈاکا اور قتل کے مرتکب ہوئے تھے۔ کہاں یہ کبیرہ گناہ، حقوق العباد کی تلفی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، اور کہاں اموی خلافت کے مظالم پر احتجاج۔ یہ ظالم حجاج بن یوسف ان گناہوں کا تقابل بنو امیہ کے خلاف احتجاج سے کر رہا تھا جبکہ یہ احتجاج کوئی ایسا حرام کام تو کیا،

یہ تو ان مظلوم اور بے بس مسلمانوں کا شرعی حق تھا اور ان سزاؤں کا حکم دینے والے حضرت رسالت پناہ، سید المعصومین و خاتم النبیین ﷺ تھے اور یہ ظالم اپنے احکامات کو ان کے احکامات پر قیاس کر رہا تھا۔ اس حدیث کو سن کر وہ ظلم پر مزید جری ہو گیا۔

یہ تمام قصہ سیدنا یحییٰ بن جعفر بن اسماعیل بن ابی حمزہ ثمالی نے بیان کیا تھا۔ حجاج بن یوسف کا سوال اور حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا جواب، انہوں نے سنا تو بے اختیار فرمایا کاش حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ یہ حدیث حجاج بن یوسف کے سامنے بیان نہ فرماتے۔

حجاج اپنے کبار اور مظالم پر اس حدیث کا پردہ ڈال رہا اور سنت کا نام لے کر لوگوں کو ایسی سخت سزائیں اور قتل کروا رہا تھا۔ اس کے یہی مظالم دیکھ کر خود حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ فرماتے لگے:

”مجھے زندگی میں کسی بات پر ایسی ندامت نہیں ہوئی جتنی ندامت اس فعل پر ہوئی کہ آخر کیوں میں نے حجاج بن یوسف کو یہ حدیث سنادی۔“

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ
اور ان کی اہلیہ صالحہ رضی اللہ عنہا

فرمایا

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ کی وہ مشہور حدیث جس میں ان کی شادی اور حضرت رسالت مآب ﷺ کا ان سے استفسار کہ کسی کنواری لڑکی سے شادی کی یا بیوہ عورت سے؟ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا عرض کرنا کہ ایک بیوہ خاتون سے شادی کی ہے تو اس بیوہ خاتون کا نام سہلہ بنت مسعود بن اوس

بن مالک انصاریہ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ تھا۔

چھپکلی کی فطرت میں شر اور اسے مارنے کا حکم۔

فرمایا

سیرت طیبہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ چھپکلی کو مار دینے کا حکم ارشاد فرماتے تھے اور اس کی فطرت میں کیسا شر ہے، اس کی وضاحت کے لیے ارشاد فرماتے تھے کہ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا، تو اس کے قریب جتنے بھی جانور تھے ہر ایک کی کوشش تھی کی آگ بجھ جائے مگر یہ چھپکلی پھونکیں مار رہی تھی کہ آگ بجھ کے۔ پھر آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو شخص اسے پہلے نشانے ہی پر مار دے اسے ایک سو (۱۰۰) نیکیاں ملیں گی اور جس شخص کا پہلا نشانہ چوک گیا اور پھر اس نے دوسری مرتبہ اس کا نشانہ لے کر اسے مارا اسے ساٹھ (۶۰) نیکیاں ملیں گی۔ حضرت رسالت مآب ﷺ نے اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمان مخلوق قرار دیا اور حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تو ایک نیزہ رکھا رہتا تھا، ان سے دریافت کیا گیا یہ نیزہ کس مقصد کے تحت رکھا گیا ہے؟ تو فرمانے لگیں ہم اس سے چھپکیوں کو مارتے ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ تو چھپکیوں کو نور انار دیتے تھے اور یہ بھی ارشاد فرماتے تھے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے ہمیں انھیں مار دینے ہی کا حکم دیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ چھپکلی اللہ تعالیٰ کی نافرمان مخلوق ہے۔

ﷺ

کسی بھی مومن شخص کا جنازہ ضرور پڑھا اور پڑھایا جائے
خواہ وہ کتنے ہی بڑے کبیرہ گناہ کا مرتکب کیوں نہ ہوا ہو۔

فرمایا

حضرت رسالت مآب ﷺ کبھی کبھی اس شخص کا جنازہ نہیں پڑھاتے تھے جو کہ کسی کبیرہ گناہ میں مر گیا ہو۔ ایک صاحب نے خود کشتی کر لی تھی تو حضرت رسالت مآب ﷺ نے اس کا جنازہ نہیں پڑھایا تھا۔ ایسے ہی کسی شخص نے غزوہ خیبر میں مال قیمت سے چوری کر لی تھی آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ کہہ کر نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا کہ تمہارے اس دوست نے مال قیمت میں خیانت کی ہے اس لیے تم خود ہی اس شخص کا جنازہ پڑھاؤ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب یہ سنا تو ان کے چہرے غم کے مارے اتر گئے اور اندازہ ہو گیا کہ اسلام میں خیانت کتنا بڑا گناہ ہے۔ جن لوگوں پر بدکاری کی حد جاری ہوئی اور وہ مر گئے تو آپ نے کبھی تو کسی کا جنازہ پڑھا دیا اور کبھی انکار بھی فرمایا ہے۔

نماز جنازہ نہ پڑھانے کی حکمت کیا تھی؟ اس پر فور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ یہ جنازے اس لیے نہ پڑھتے تھے اور نہ پڑھاتے تھے کہ لوگوں کو ان جرائم کے سنگین ہونے کا احساس ہو اور وہ اپنی اصلاح کریں۔ انھیں یہ خوف ہو کہ اگر ہم بھی کبھی گناہ کبیرہ کے ارتکاب میں مر گئے تو حضرت رسالت پناہ ﷺ نہ تو ہمارے لیے کوئی دعائے مغفرت کریں گے اور نہ ہی وہ ہمارا جنازہ پڑھائیں گے۔ یہ سب کچھ لوگوں کی تادیب اور اصلاح کے لیے کیا جاتا تھا اور لوگ اس سے

سبق سیکھتے تھے۔ یہ طرز عمل اس لیے نہیں تھا کہ کبیرہ گناہ کے مرتکب کی نماز جنازہ ہی جائز نہیں اسی لیے اُمت اس بات پر متفق ہے کہ کوئی بھی شخص جو مومن ہو اس کا جنازہ ضرور پڑھا اور پڑھایا جائے گا خواہ وہ کتنے ہی بڑے کبیرہ گناہ کا مرتکب کیوں نہ ہوا ہو۔

اب ہمارے دور کے حالات بہت بدل گئے ہیں۔ معاشرے میں شاید ہی کوئی شخص ملے جو ایک کبیرہ گناہ کیا، کئی ایک کبار پر عمل پیرا نہ ہو پھر ایک آدھ مرتبہ کبیرہ گناہ تو کیا، مسلسل کئی کئی کبار کا ارتکاب نہ کرتا ہو۔ صرف بدکاری اور شراب ہی تو کبیرہ گناہ نہیں حسد، جھوٹ، چغلی، حرام کا مال کھانا، تہمت، فلمیں اور کیا کیا خرافات ہیں۔ یہ تمام کبار ہر ایک مسلمان یا منافق کر رہا ہے تو کیا ان کے جنازے نہیں پڑھنے چاہیں؟ اگر کسی جنازے کو اس لیے ترک کر دیں کہ نہیں پڑھائیں گے تو لوگوں کو ہجرت حاصل ہوگی یہ بات بھی نہیں رہی۔ لوگ حیا اور شرم کو ہالائے طاق رکھ چکے۔ آپ نہیں پڑھائیں گے تو کیا ہوا؟ دس اور علماء دین پڑھانے کو تیار اور نہ پڑھائیں تو کیا ہوا آسان جملہ مل گیا ہے "اللہ بہت غفور ورحیم ہے" "اللہ بخش دے گا" جس نے خود کبھی دل لگا کر عمر بھر نماز نہیں پڑھی اسے اس کی بھی کوئی پروا یا کوئی زیادہ فکر بھی نہیں ہے کہ اس کا جنازہ بھی ہوگا یا نہیں۔ اس لیے ان حالات میں بہتر یہ ہے کہ ہر ایک گنہگار کا جنازہ پڑھنا چاہیے۔ کوئی خود کشتی کر کے مرتا ہے یا زیادہ شراب پینے سے موت واقع ہو جاتی ہے یا کوئی بھی کبیرہ گناہ کرتے ہوئے مرتا ہے تو اس کا جنازہ پڑھا دینا چاہیے اور وہ تو اس

بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کے لیے زیادہ دعائے مغفرت کی جائے کہ وہ شاید
برہنائے گناہ کبیرہ سزا کا بھی زیادہ مستحق ہوگا۔ اس لیے نہ صرف یہ کہ ان حالات
میں اس کا جنازہ پڑھنا اور پڑھنا چاہیے بلکہ اور بھی زیادہ ورد اور اخلاص سے
اس کی مغفرت کی دعا مانگنا چاہیے۔

حضرت رسالت مآب ﷺ عمر بھر اللہ تعالیٰ کو تنہائی میں
یاد کرنے کا اہتمام فرماتے رہے۔

فرمایا حضرت رسالت مآب ﷺ عمر بھر اللہ تعالیٰ کو تنہائی میں یاد کرنے کا
اہتمام فرماتے رہے۔ خاندان میں آپ نے اپنے بچپن میں یہ دیکھا تھا کہ آپ
کے دادا حضرت عبدالملک بن عبدالمطلب غار حرا میں تشریف لے جاتے تھے اور مکمل تنہائی کا
کچھ وقت یارِ رمضان کے مہینے میں کچھ دن اور راتیں وہاں گزارتے تھے۔ طبیعتاً راتوں،
خاندانی روایت اور وہ عظیم ذمہ داری جس کو آپ نے نبھانا تھا، قیامت تک
آنے والے انسانوں کی آخرت کا فیصلہ اور ”قولِ ثقیل“ کا بوجھ برداشت کرنے
کی طاقت و ہمت پیدا کرنے کے لیے یہ تنہائی کی عبادت بہت ضروری تھی۔
چنانچہ آپ بھی غار حرا میں تشریف لے جاتے تھے۔ ستواور پانی ساتھ ہوتا تھا اور
آپ تعلق مع اللہ کے جن مدارج میں تھے کسی کے لیے ممکن ہی نہیں کہ وہ جان
سکے۔ منصبِ نبوت اور منصبِ شتمِ نبوت پر فائز کیے گئے اور پھر ہجرت کے بعد
آپ نے ماہِ رمضان کے سب سے افضل حصے کو تنہائی اور تعلق مع اللہ کے لیے چن لیا

اور ہمیشہ آخری عشرے کا احکاف فرماتے رہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے استاد حضرت نافع رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھے مسجد نبوی میں وہ جگہ دکھائی تھی جہاں حضرت رسالت مآب ﷺ احکاف میں بیٹھا کرتے تھے۔ اور یہ مقام مسجد نبوی میں اسطوانہ توبہ کے پیچھے تھا۔ نافع کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی جب احکاف کرتے تھے تو ان کا بستر اسطوانہ توبہ کے پیچھے بچھایا جاتا تھا۔ کیونکہ ان پر سنن نبویہ کا اتباع اور مقامات نبوی ﷺ کا تتبع نہایت غالب تھا اس لیے ان کا بستر بھی وہیں بچھایا جاتا تھا جہاں حضرت رسالت مآب ﷺ کا خیمہ برائے احکاف نصب کیا جاتا تھا۔

غزوہ بدر ۱، رمضان المبارک میں ہوا اور فتح کے بعد آپ نے وہاں تین دن قیام فرمایا تھا۔ اس لیے جب مدینہ منورہ پہنچے تو رمضان المبارک کا آخری عشرہ شروع ہو چکا تھا اس لیے اس سال آپ نے احکاف نہیں فرمایا اور وفات کے سال آخری دو عشروں کا احکاف فرمایا تو آخری عشرے کا احکاف تو معمول تھا لیکن دوسرے عشرے کا احکاف یا تو یہ بدر کے سال سفر کی وجہ سے رو جانے والے احکاف کی قضاء تھی اور یا پھر غزوہ حنین کے سال میں بھی چونکہ آپ سفر میں تھے اور اس سفر میں بھی آپ کا احکاف رو گیا تھا تو اس سال کے سفر کی قضاء تھی اور یا پھر یہ فتح مکہ والے سال کی قضاء تھی کیونکہ فتح مکہ کے بعد جب آپ مدینہ منورہ واپس تشریف لائے ہیں تو احکاف کا وقت گزر چکا تھا۔ آپ کی حیات طیبہ میں تین رمضان ایسے گزرے ہیں کہ آپ سفر میں تھے اور احکاف کا

معمول نہیں بھر سکا تھا۔ اور یا پھر ان تمام توجیہات کے علاوہ یہ کہا جائے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کی حیات طیبہ کا یہ آخری سال تھا اور یہ بات آپ کو معلوم ہو چکی تھی اس لیے آپ نے بہت سے معمولات کو دو چند کر لیا تھا مثلاً آپ ہر رمضان میں ایک مرتبہ جبریل امین کو قرآن کریم سنایا کرتے تھے لیکن اس سال آپ نے دو مرتبہ قرآن کریم سنایا تھا۔ شہدائے اُحد کے مزارات پر ہمیشہ تشریف لے جاتے تھے لیکن اس مرتبہ ان کے حال پر بہت شفقتیں تھیں اور معمول سے زیادہ جانا ہوا تھا۔ ایسے ہی آپ ہر سال رمضان المبارک میں صرف آخری عشرے کا احکاف فرماتے تھے اور اس مرتبہ اس عبادت کو بھی دو چند کر دیا تھا۔

احکاف اگر کسی امتی سے قضاء ہو جائے تو اس کے ذمے تو کچھ نہیں لیکن حضرت رسالت مآب ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کسی عبادت کو شروع فرماتے تھے تو اس پر دوام بھی فرماتے تھے اور وہ عبادت اگرچہ نفل ہی کیوں نہ ہو، اس کی قضاء بھی ادا فرمایا کرتے تھے۔

پھر ایک مرتبہ یہ بھی ہوا کہ آپ نے لیلۃ القدر کو تلاش کرنے کی غرض سے رمضان المبارک کے پہلے عشرے کا احکاف فرمایا۔ پھر دوسرے عشرے کا احکاف بھی فرمایا اور ان دونوں عشروں میں آپ کو لیلۃ القدر نہیں ملی اور پھر آپ نے اسی غرض سے تیسرے عشرے کا احکاف بھی فرمایا اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ ارشاد فرمایا کہ لیلۃ القدر رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق

راتوں میں تلاش کریں۔

ایک سال یہ ہوا کہ رمضان المبارک میں ۳۰ رمضان کی صبح آپ نے فجر کی نماز پڑھائی، احکاف کے لیے آپ کا خیر نصب کیا جا چکا تھا اور آپ نے دیکھا کہ مسجد میں آپ کی ازواج مطہرات، تین امہات المؤمنین حضرت عائشہ، حضرت حفصہ اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے مزید تین غیہ نصب کر دیے گئے ہیں تو آپ نے اسے پسند نہیں فرمایا کہ اس طرح تو مسجد نبوی نمازیوں کے لیے تنگ ہو جائے گی یا یہ کہ جب آپ کی یہ تینوں ازواج مطہرات آپ کے غیہ میں اکٹھی ہوں گی تو یہ تو گویا گھر جیسا ماحول بن جائے گا اور جس مقصد کے لیے احکاف ہوتا ہے اس میں غلط پڑے گا تو آپ نے احکاف ختم کر دیا اور پھر شوال کے پہلے عشرے میں احکاف فرمایا۔

حضرت رسالت مآب ﷺ جب شوال کے پہلے عشرے میں احکاف فرماتے تھے تو یقیناً یکم شوال کو تو روزہ نہیں رکھتے تھے کہ وہ دن عید الفطر کا ہے اور عید الفطر کے دن روزہ رکھنا درست نہیں ہے اور پھر آپ کا یہ احکاف نفل بھی ہوتا تھا کیونکہ آپ کی مستقل سنت اور معمول تو رمضان المبارک کے آخری عشرے کا احکاف تھا نہ کہ شوال کے پہلے عشرے کا، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفلی احکاف کے لیے روزے کا ہونا ضروری یا شرط نہیں ہے۔ اور یہی احناف رحمہم اللہ کا موقف ہے کہ وہ ہر نفلی احکاف کے لیے روزے کو شرط قرار نہیں دیتے اور اسی وجہ سے وہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص جب مسجد میں جائے اور داخل ہوتے وقت نفلی احکاف کی

نیت کر لے کہ میں جب تک مسجد میں ہوں اللہ تعالیٰ کی خوشی کے لیے احکاف کرتا ہوں تو اس کی یہ نیت درست اور اسے احکاف کا ثواب ملے گا خواہ وہ روزے سے نہ ہو کیونکہ حضرت رسالت مآب ﷺ کا یکم شوال کا نفل احکاف تو یقیناً بغیر روزے کے ہوتا تھا اور بغیر شوال کے پہلے دن کے، نو (۹) دن آپ روزے رکھتے تھے یا نہیں اس سے متعلق اب تک کوئی روایت نظر سے نہیں گذری۔

مسجد نبوی میں آپ کے لیے خیمہ نصب کیا جاتا تھا اور آپ اپنے خیمے میں تھا قیام فرماتے تھے۔ اپنے گھروں میں تشریف نہیں لے جاتے تھے۔ آپ کی ازواج مطہرات آپ سے مختلف حالات عرض کرنے حاضر ہوتی تھیں اور آپ ان کی بات سن کر پھر انہیں مسجد کے دروازے تک رخصت کرنے کے لیے تشریف لاتے تھے یہ سب رات کو ہوتا تھا۔ آپ اپنی روزمرہ کی زندگی میں جب اپنی بیویوں کے پاس تشریف لے جاتے تھے تو آپ ان کا جسم اپنے جسد اطہر کے ساتھ ملا دیجے تھے، انہیں چومتے بھی تھے لیکن ہر مرتبہ یہ نہیں ہوتا تھا کہ آپ ان سے ازدواجی تعلقات بھی قائم کریں اور احکاف کی حالت میں آپ اتنا بھی نہیں کرتے تھے اور ازدواجی تعلقات تو کیا ان کی مبادی بھی مسجد میں نہیں ہوتی تھیں۔

احکاف جب شروع ہوا تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی حضرت رسالت مآب ﷺ کے ہمراہ احکاف کرتے تھے لیکن جب وہ مسجد سے انسانی ضروریات کے لیے باہر جاتے تھے تو رات کو اپنی بیویوں سے ازدواجی تعلقات کو قائم کر کے پاک ہو کر پھر مسجد میں احکاف کے لیے آ جاتے تھے۔ وہ اس جنسی ضرورت کو بھی انسانی

ضروریات میں سے ہی سمجھ کر ایسے کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے منع فرمادیا اور ارشاد ہوا کہ جب تم مسجدوں میں احکاف کر رہے ہو تو اس حالت میں اپنی بیویوں سے ازدواجی تعلقات مت قائم کرو۔

حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اسی لیے فتویٰ دیتی تھیں کہ احکاف کی حالت میں کوئی شخص اپنی ضروریات کے علاوہ مسجد سے باہر نہیں جائے گا اور اگر وہ ایسے کرے گا تو اس کا احکاف باطل ہو جائے گا۔ نہ مریض کی عیادت کے لیے جانے کی اجازت ہے اور نہ ہی نماز جنازہ میں شرکت کی۔ کوئی شخص اپنی بیوی سے تعلقات قائم کرنے کی غرض سے بھی نہیں جائے گا اور نہ ہی مسجد میں بوس و کنار ہوگا۔ استنباء وغیرہ کے علاوہ مسجد سے نکلنے کی کسی بھی صورت میں کوئی اجازت نہیں ہے۔ یہی موقف فقہاء احناف رحمہم اللہ کا ہے اور ان کے امام حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اور حضرت حسن بصری رحمہم اللہ کا بھی یہی فتویٰ تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی حوائج ضروریہ کے علاوہ مسجد سے نکلے گا تو اس کا احکاف باطل ہو جائے گا۔ ہمارے دور کے جاہل صوفیاء نے یہ جو اپنے پاس سے مسئلہ بنالیا ہے کہ جب کوئی شخص بیت اللہاء میں جائے تو وہیں غسل بھی کر لے، یہ جہالت ہی کی بات ہے اس طرح سے احکاف باطل ہو جائے گا اور باقی احکاف سنت نہیں بلکہ نفل قرار پائے گا۔

حضرت رسالت مآب ﷺ کے اہل خانہ جب حاضر ہوتے تھے تو آپ ان سے بہت خوشی سے مسجد ہی کے اندر باقیاتیں بھی کرتے تھے۔ آپ کی ازواج مطہرات حاضر ہوتیں اور آپ سے مل کر بہت خوش ہوتیں۔ ایک مرتبہ آپ ان خواتین

میں تشریف فرما تھے اور جب ام المومنین حضرت سیدہ منیہؓ پہنچیں تو آپ نے فرمایا ذرا ٹھہریے کہ میں آپ کو رخصت کرنے کے لیے چلتا ہوں اور پھر جب باقی خواتین ٹائیں تو آپ حضرت منیہؓ کے ساتھ مسجد کے دروازے تک انہیں رخصت کرنے کے لیے تشریف لے گئے، ان کا مکان وہی تھا جو بعد ازاں حضرت اسامہ بن زیدؓ کا مسکن بنا۔ کیونکہ اس وقت تک حضرت اسامہؓ کا کوئی مستقل گھر نہ تھا۔ حضرت رسالت مآب ﷺ کی تمام ازواج مطہراتؓ کے گھر مسجد نبوی ہی کے ارد گرد تھے۔ یہ عشاء کے بعد کا وقت تھا اور آپ نے ان سب سے ملاقات اور گفت و شنید کے بعد رخصت کیا اور ام المومنین ام سلمہؓ کے گھر تک ام المومنین منیہؓ کو رخصت کیا اور دیکھتے رہے یہاں تک کہ وہ گھر کے اندر چلی گئیں تو آپ کی نظر دو آدمیوں پر پڑی جو اس طرف سے مسجد حاضر ہو رہے تھے۔ ان دو افراد کے نام حضرت اسید بن خضیر اور حضرت عباد بن بشرؓ تھے۔ ان دونوں حضرات نے آپ کو تاکہ ان دو کے یہی نام تھے، ذرا دشوار ہے۔ ان دونوں حضرات نے آپ کی خدمت میں سلام پیش کیا اور آگے چلے۔ حضرت رسالت مآب ﷺ نے انہیں آواز دے کر بلایا اور جلدی سے ان کے پیچھے چل پڑے اور ارشاد فرمایا یہ میری اہلیہ منیہ بنت نعی ہیں۔ ان دونوں حضرات نے نہایت تعجب کا اظہار کیا اور عرض کیا اللہ کے رسول آپ کے متعلق تو ہمیشہ ہماری سوچ اچھی ہی رہتی ہے ہم تو آپ سے کسی ایسی ویسی بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا

مجھے ڈر لگے کہ کہیں شیطان تمہیں کسی غلط فہمی میں نہ ڈال دے۔

حضرت رسالت مآب ﷺ نے یہ بات کمال کی ارشاد فرمائی کہ آپ جانتے تھے کہ یہ نہایت نازک مقام ہے ان لوگوں کا ایمان ہی کہیں خطرے میں نہ پڑ جائے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ سے بدگمانی سے ان کا ایمان چھن سکتا تھا۔ آپ کی شفقت تھی کہ آپ نے کسی بھی بدگمانی کی پیش بندی فرمادی۔

ان کے یہ احکام، یہ تجاویز، انتہال الی اللہ، آو زاری اور لگ پٹ کر اپنے پروردگار سے مانگنا، یہ سب کچھ جہاں ان کی عتایت تھی، وہاں اُمت کے لیے ہی تو تھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں تمام اُمت کی طرف سے وہ بہتر سے بہتر جزا دے جو اللہ تعالیٰ نے کسی بھی پیغمبر کو ان کی اُمت کی طرف سے اور کسی بھی رسول کو ان کی قوم کی طرف سے دی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی دائمی رضا ان کے شامل حال ہو۔ اس کا بے پایاں دے حد و حساب قرب حقیقی انہیں نصیب ہو۔ مقام محمودان کا مقدر بنے اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنے شایان شان ہر وہ مقام نصیب فرمائے جس کے معنی وہ خود ہوں۔

ذرائع معاش کی تحقیق

فرمایا جب کوئی شخص دعوت کرتا ہے یا کوئی شخص کسی کو اپنا مال دیتا ہے کہ مشترکہ کاروبار کیا جائے یا کوئی کسی کے لیے تحفہ لاتا ہے یا کسی شخص سے قرض لینا ہو تو یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ تحقیق کی جائے کہ دوسرا ان تمام معاملات میں جو پیسہ خرچ کر رہا ہے اس پیسے کی آمدنی کے ذرائع کیا ہیں؟

اگر کسی شخص کا پیشہ حرام ہو یا مشکوک ہو اور کوئی دوسرا شخص اس پر ہے کو اس لیے قبول نہ کرے کہ یہ بات فتویٰ کے منافی ہے، تو یہ ایک الگ بات ہے لیکن فتویٰ اس بات پر نہیں دیا جاسکتا۔

حضرت رسالت مآب ﷺ کو قرض مطلوب تھا اور آپ نے اپنی وفات سے پہلے اپنی ذحال یہودیوں کے ہاں رہن رکھا کہ ان سے قرض لیا اور یہ تحقیق نہیں فرمائی کہ یہودی جو قرض مجھے دیں گے آیا ان کا یہ پیشہ حلال مال میں سے ہے یا کہاں سے ہے؟ حالانکہ یہودیوں کی رقم قاسد معاملات، شراب کے کاروبار وغیرہ سے ہوتی تھی۔ یہودیوں سے ہمیشہ مسلمان، جزیہ اور مختلف ٹیکس وصول کرتے رہے ہیں لیکن کسی نے کبھی تحقیق نہیں کی کہ یہودیوں کا یہ سرمایہ کہاں سے آ رہا ہے جب کہ وہ ”لحم الحنزیر“ کا بیو پار بھی کرتے تھے۔

حضرت رسالت پناہ ﷺ کے خدام جلیل

فرمایا جن خواتین و حضرات نے حضرت رسالت مآب ﷺ کی خدمت کی ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو ان کا بہت خیال رہتا تھا۔ ان کے حالات اور تعداد وغیرہ پر ایک بہترین کتاب امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الفحصر المشوای فیمن انتسب إلى النبی ﷺ من الخدم والموالي“ کے نام سے تحریر فرمائی جو کہ اپنے ہاں کے ذخیرہ کتب میں موجود ہے۔

صحابہ کرام

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَالَّذِينَ آوَاوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا
لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ.

(پ: ۱۰، سورۃ الانفال، آیت: ۷۴)

اور جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے (اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا)
گھریا چھوڑا (مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) اور اللہ تعالیٰ ہی کی راہ میں
جہاد و جہد بھی کی، پھر جن لوگوں (انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نے انہیں
(مہاجر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو) رہنے کو جگہ دی اور ان کی ہر طرح
(سے) مدد کی، بس یہ تو (تمام مہاجرین اور انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم)
پورے پورے ایمان والے ہیں۔ انہی کے لیے (تو) خطاؤں سے
درگزر رہے اور (انہی کے لیے تو جنت میں) بہترین رزق ہے۔

مقام ابراہیم علیہ السلام اور اس کی تحصیل

فرمایا (۱۸) مقام ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ سے جڑا ہوا تھا۔ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ۷۱ھ میں جب بیت اللہ کی توسیع کروائی ہے تو مکہ مکرمہ میں ۲۰ دن ٹھہرے تھے اور انہی ایام میں یہ حکم دیا تھا کہ مقام ابراہیم علیہ السلام کو کعبہ اللہ سے کچھ فاصلے پر رکھا جائے۔ لیکن یہ کہنا کہ جہاں آج ۳۳ھ میں مقام ابراہیم ہے، یہ وہی جگہ ہے جہاں امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے رکھوایا تھا، شاید ممکن نہیں، غالباً اس "مقام" کو مختلف جگہوں پر رکھا جاتا رہا ہے۔

عام الزماذہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اقدامات

فرمایا (۱۸) کہ "عام الزماذہ" کہا جاتا ہے۔ "رماذہ" کے معنی ہیں "راکھ" اس سال بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط پڑ گیا تھا اور قحط اور خشک سالی اتنی شدید تھی کہ وحشی جنگلی جانور بھی بھوک کے مارے انسانوں کے قریب آ کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی مملکت میں امراء کو خط لکھا کہ اس قحط میں اہل حرمین شریفین کی مدد کی جائے، سب سے پہلے حضرت ابوسعیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے اناج لاؤ کر چار ہزار اونٹ تھاجاز کے لیے روانہ کئے۔ پھر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر سے خشکی اور بحری دونوں راستوں سے اشیاء خورد و نوش بھجوائیں۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نماز استسقاء پڑھائی، بارش کے لیے دعا مانگی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھی دعا

مانگی ابھی اس دعا سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ بارش شروع ہو گئی اور بارش بھی ایسی کہ لوگوں کو جوتے پہننا دشوار ہو گئے۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا شرف۔

فرمایا حضرت رسالت مآب ﷺ کی صاحبزادیوں میں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو یہ شرف حاصل ہے کہ جب ان کی تدفین ہوئی تو آپ نے بنفس اطہر و بنفس خود مٹی کے ڈھیلے اٹھا کر قبر بند کرنے والے افراد کو دیے اور فرمایا ان سوراخوں کو بند کرو۔

نماز فجر کی جماعت کی اہمیت نگاہ فاروقی رضی اللہ عنہ میں۔

فرمایا امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں تمام رات اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں اور نماز فجر کی جماعت میں شامل نہ ہوں تو پھر اس سے زیادہ اچھا یہ ہے کہ شب بھر سوتا ہوں اور فجر کی نماز جماعت سے بڑھوں۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، نگاہ نبوت میں۔

فرمایا حضرت رسالت پناہ ﷺ کو حضرت زید رضی اللہ عنہ سے بہت محبت تھی اسی لیے تو ان کے لیے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت نسیب رضی اللہ عنہا کا رشتہ پسند فرمایا تھا۔ پھر ان کے صاحبزادے حضرت أسامہ رضی اللہ عنہ سے بھی بہت محبت تھی، آخری جہنڈا جو آپ نے باندھا ہے، وہ حضرت أسامہ رضی اللہ عنہ ہی کے لیے تھا۔ شب معراج میں آپ نے

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اعمال بھی ملاحظہ فرمائے تھے اور یہ بھی ملاحظہ فرمایا کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا درجہ زید رضی اللہ عنہ سے اوپر ہے تو حضرت جبریل امین علیہ السلام سے فرمایا کہ یہ فرق کیوں ہے؟ میرا تو خیال یہ ہے کہ زید، جعفر سے کم درجے کے انسان نہیں ہیں۔ جبریل امین علیہ السلام نے عرض کیا کہ زید، جعفر سے کم درجے کے انسان تو نہیں ہیں لیکن جعفر کا ایک درجہ اس لیے بلند کیا گیا کہ جناب والا کے عزیز (چچا زاد بھائی) بھی تو ہیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ پر عنایات نبوی ﷺ

فرمایا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو حضرت مآب رضی اللہ عنہ نے ”جنت“ میں صرف حکمران اور قاضی ہی مقرر نہیں فرمایا تھا بلکہ انھیں قرآن کریم اور شریعت کی تعلیم کا استاد بھی مقرر فرمایا تھا۔ بہت سخی تھے۔ ان کے ہاں مال جمع کرنے کا دستور ہی نہیں تھا۔ اسی لیے عمر بھر جو کچھ بھی کمایا، قرض ادا کرنے میں لگ گیا۔ فتح مکہ کے بعد حضرت رسالت مآب رضی اللہ عنہ نے انھیں یمن روانہ کیا ہے۔ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں شام کا گورنر مقرر فرمایا تھا، پھر ان کی وفات کے بعد انہوں نے یہ عہدہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو دے دیا تھا۔

یمن کے پانچ حصے اور ان کے گورنر

فرمایا حضرت رسالت مآب رضی اللہ عنہ نے یمن کو پانچ حصوں میں تقسیم فرمایا تھا۔ صنعاء

پر حضرت خالد بن سعید کو، کندہ پر حضرت مہاجر بن ابی امیہ کو، حضرت موت پر حضرت زیاد بن لبید کو، جند پر حضرت معاذ بن جبل کو، زبید پر حضرت ابو موسیٰ اشعری کو اور عدن اور ساحلی علاقوں پر حضرت زمرہ رضی اللہ عنہم کو گورز مقرر فرمایا تھا۔ یمن والوں نے ایک استاد کا بھی مطالبہ کیا جو انھیں تعلیم دے تو آپ نے ارشاد فرمایا رات کو آنا میں ایسا اچھا آدمی دوں گا جو اس منصب کا اہل بھی ہے اور امانتدار بھی۔ رات کو جب وہ حاضر ہوئے تو آپ نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور ارشاد فرمایا انھیں لے جائیں میری امت میں سب سے زیادہ امانتدار فرد تو بس یہ ابوعبیدہ ہے۔ اسی لیے تو حقیقہ بنو ساعدہ میں جب خلافت کی بحث ہوئی تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگو! دو۔۔۔ عمر اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ۔۔۔ میں سے کسی کی بھی بیعت کرلو، میں خوش ہوں اور یہی وجہ یعنی امین ہونا ہی تو تھا کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شام تشریف لے گئے ہیں تو وہاں فوج کے قائد بھی تھے، انھیں دیکھا، پھر ان کے حالات ملاحظہ فرمائے تو ارشاد فرمایا ابوعبیدہ، حضرت رسالت مآب ﷺ کے بعد دنیا کے اموال و اسباب نے ہم سب کی زندگی میں ضرور کچھ نہ کچھ تہدیلی کر دی مگر آپ ویسے کے ویسے ہی رہے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی عمر کم ہوئی انھوں نے برس کے تھے، جب واصل الی اللہ ہوئے۔ اردن میں ان کی قبر ہے بارہا حاضری کی توفیق ہوئی، ان کی نماز جنازہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے پڑھائی تھی اور قبر میں حضرت معاذ، عمرو بن العاص اور ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہم اترے اور انھیں سپرد خاک کیا۔

جن حضرات کو یمن میں حکومت عطا فرمائی تھی ان میں سب سے افضل تو عائشہ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تھے کہ انہوں نے دو ہجرتیں کی تھیں ایک ہجرت تو یمن سے حبشہ اور دوسری ہجرت حبشہ سے مدینہ منورہ لیکن سب سے زیادہ خوبصورت اور حضرت رسالت مآب ﷺ کے محبوب، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ سر قامت، گورے چنے، غلانی آنکھیں، دندان مبارک کہ درعدن، گھنے، سلجھے اور سیاہ بال لیکن عمر بہت کم ہوئی صرف اڑتیس برس، ہجرت مدینہ سے قبل جو ستر سے زائد افراد مدینہ منورہ سے بیعت عقبہ کے لیے مکہ مکرمہ حاضر ہوئے تھے، یہ ان میں سے ایک تھے۔ حضرت رسالت مآب ﷺ نے ہجرت کے بعد انھیں حضرت عبداللہ بن مسعود مہاجر یا حضرت جعفر بن ابوطالب مہاجر رضی اللہ عنہ کا بھائی قرار دیا تھا۔ دونوں روایات مل جاتی ہیں مگر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مواخات کی روایت کو ترجیح حاصل ہے اور وہ اس کی یہ ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے تو براہ راست مدینہ طیبہ ہجرت کی ہی نہیں۔ وہ تو ہجرت مدینہ سے بھی پہلے اپنی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے ہمراہ اہل مکہ کے مظالم سے نکل آ کر حبشہ ہجرت کر گئے تھے۔ پھر وہ حبشہ سے فتح خیبر کے دن مدینہ منورہ حاضر ہوئے ہیں تو اس طرح سے انہوں نے دو ہجرتیں کی ہیں۔ جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو پہلے حبشہ ہجرت کر کے پہنچے تھے پھر حبشہ سے مکہ مکرمہ واپس تشریف لائے تھے پھر حبشہ تشریف لے گئے تھے اور غزوہ بدر سے پہلے ہی حبشہ سے مدینہ منورہ ہجرت کی تھی۔ بار بار ہجرت کے اسفار پیش آئے تھے تو قرین قیاس یہی ہے کہ یہ مدینہ منورہ چونکہ پہلے پہنچے ہیں اس لیے ان کی مواخات حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے کرائی گئی تھی اور اگر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو مانا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ مواخات کا سلسلہ کم سے کم

فتح خیر تک باقی رہا جو کہ بہت مشکل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حیات طیبہ سرور ہجرتوں ہی میں تو گزری ہے۔ ہجرت مدینہ منورہ کے بعد پھر خلافت فاروقی تک یہیں رہے پھر حضرت امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں کوئی بطور معلم روانہ فرما دیا تھا۔ خلافت عثمانی میں پھر واپس تشریف آوری مدینہ منورہ میں ہوئی اور پھر یہیں انتقال فرما کر جنت البقیع تشریف لے گئے۔ ان کا مکان وہی تھا جو بعد میں حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا گھر تھا۔

قانون اور انصاف کے فروغ کے لیے فاروقی رضی اللہ عنہ اقتدائے امت۔

فرمایا

حضرت امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں جن شعبوں کی خاص طور پر نگرانی فرمائی ان میں سے ایک شعبہ قانون اور اس کے نفاذ کا بھی تھا۔ لوگوں کو ہمیشہ انصاف ملتا رہا اور قانون کی حکمرانی رہی۔ اسی لیے انہوں نے حضرت ابومعیدہ بن الجراح اور حضرت معاذ بن جبلؓ کے نام ایک گرامی نامے میں تحریر فرمایا کہ جو دیا نندار افراد قاضی بننے کے قابل ہوں، انہیں نگاہ میں رکھو اور ان کی اچھی تحویلوں میں مقرر کرو۔ اور اس انصاف پسندی کی بھی اصل بنا خوف خدا اور آخرت میں جواب دہی کا گہرا احساس تھا۔

حضرت خالد بن ولید، عمرو بن العاص

اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم کا قبول اسلام۔

فرمایا

حضرت خالد بن ولید، عمرو بن العاص اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم نے مجھ میں اسلام

قبول کیا تھا۔ پھر حضرت رسالت مآب ﷺ نے ان تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو غزوہ ذات السلاسل میں امیر مقرر فرمایا تھا اور پھر اس لشکر کی روانگی کے بعد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں شامل ہونے کے لیے حضرت ابوبکر، عمر اور ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم کو بھی بھیج دیا گیا تھا۔ پھر حضرت رسالت مآب ﷺ نے انھیں ”عمان“ کا گورنر بنا دیا تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں عمان سے واپس بلا کر شام کا امیر مقرر فرما دیا تھا۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی تہہ بلی شام سے فلسطین کر دی۔ مصر کی فتح کا موقع آیا تو امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لشکر کی قیادت انھیں دے دی اور جب مصر فتح ہو گیا تو آپ نے انھیں مصر کا گورنر مقرر کر دیا اور پھر امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد تک بھی یہ اپنے عہدے پر قائم رہے ہیں۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی انھیں مصر پر حاکم بنا دیا تھا یہاں تک کہ ۴۳ھ میں یہ اسی عہدے پر فائز تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا۔

خطبہ چیمہ الوداع کن کی درخواست پر تحریر کیا گیا؟

فرمایا حضرت رسالت مآب ﷺ نے چیمہ الوداع میں جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا وہ حضرت ابوشاہ رضی اللہ عنہ کی درخواست پر تحریر کر کے ان کے حوالے کیا گیا تھا۔ حضرت ابوشاہ رضی اللہ عنہ یمن سے حاضر ہوئے تھے۔ ”مصطفیٰ ابن ابی شیبہ“ میں یہ جو آیا ہے کہ قریش میں سے ایک صاحب نے، جن کو شاہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔۔۔ یہ درست نہیں ہے۔ قریش میں کسی کا نہ تو یہ نام تھا اور نہ ہی کسی کی کنیت۔ یہ حضرت ابوشاہ رضی اللہ عنہ تو یمنی تھے نہ کہ قریشی۔

علوم وحی میں سے بعض علوم اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ !

فرمایا پہلی صدی ہجری میں ہی یہ بات پھیلنے شروع ہو گئی تھی کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے علوم وحی میں سے بعض علوم امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائے ہیں اور ان کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری جماعت ان علوم سے محروم اور بے خبر ہے۔ اسی لیے تو حضرت قیس بن عبادہ، ابوہریرہ اور اشتر غفنی کو یہ سوال کرنا پڑا کہ امیر المومنین کیا حضرت رسالت مآب ﷺ نے آپ کو علوم وحی میں سے کچھ ایسا علم بھی مرحمت فرمایا ہے، جو آپ کے علاوہ کسی کو نہیں دیا گیا؟ یہ تمام پوچھنے والے پہلی صدی ہجری ہی کے تھے ہیں اور حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا خود اس بات کو جھوٹ اور افواہ اور شاذ فرمانا، اس سے بھی تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ زعم فاسد حضرت امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت جو کہ ۴۰ھ میں ہوئی ہے، سے بھی پہلے لوگوں میں پھیل چکا تھا۔

جوانی اور بڑھاپا، تکالیف اور عنایات۔

فرمایا بعض لوگوں کی زندگی کا ابتدائی حصہ اور جوانی حتیٰ کہ ذہنی عمر تک شدید تکالیف اور مسائل میں گذرتی ہے پھر اس کے بعد بڑھاپے کی ابتداء ہی سے مشکلات میں کمی اور الطاف و عنایات الہیہ کا دروازہ کھل جاتا ہے تو یہ صحیح زندگی ہے۔ عقل اور نقل دونوں اس کی تائید کرتے ہیں۔ عقل تو اس لیے کہ جوانی وغیرہ کا زمانہ ہی شدید محنت و مشقت کا دور ہوتا ہے۔ آدمی سہہ بھی لیتا ہے، دشواریوں کا مردانہ وار مقابلہ بھی کر لیتا ہے اور صبر و استقامت اور

طاقت بھی ہوتی ہے اور نقل اس طرح سے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کی ابتدائی زندگی پر غور کیا جائے تو کیا کیا مشکلات تھیں اور کیسے ٹھن حالات تھے اور جب حیات طیبہ کا آخری دور آیا تو بادشاہ اور ان کی اولادیں بھی اسلام قبول کرنے کے لیے خدمت شریفہ میں حاضر ہوئیں۔ یہ حضرات واکل بن حجر رضی اللہ عنہ شہزادے تھے ان کے والد حضرت موت کے بادشاہ تھے جب یہ حضرات یمن (حضرت موت) سے حاضر ہوئے ہیں ان کے وفد کا استقبال ہوا۔ حضرت رسالت مآب ﷺ نے ان کے لیے اپنی چادر بچھائی اور حضرت واکل رضی اللہ عنہ کو اپنے ہمراہ بٹھایا اور دعا بھی دی کہ اے اللہ واکل اور ان کی اولاد کو برکت سے نواز۔ ایسے ہی کندہ کے بادشاہ حضرت اشعث بن قیس ؓ اہ میں، سخر حضرت پر مشتمل اپنے وفد کے ہمراہ حاضر خدمت ہوئے ہیں۔ اشعث عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں ”بکھرے بالوں والا“ انھیں بھی اشعث اس لیے کہا گیا کہ ان کے بال ہمیشہ بکھرے رہتے تھے۔ حضرت اشعث رضی اللہ عنہ کا استقبال حضرت رسالت مآب ﷺ نے کیا ہے پھر یہ شام اور عراق کی فتوحات میں شریک رہے ہیں۔ کوفہ میں ہی سکونت اختیار کر لی تھی۔ امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے رفقہاء میں سے تھے۔ چنانچہ صلحین میں بھی انہی کی رفاقت میں رہے۔ امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ٹھیک چالیس دن بعد آپ کا بھی انتقال ہو گیا تھا اور نماز جنازہ حضرت حسین بن علی ؓ شہید کربلا، سپہر رسول ﷺ نے پڑھائی تھی۔ اس لیے عقلاً و نقلاً زندگی دواجمی ہے کہ ابتدائی دور میں تو محنت و مشقت اور عمر کے آخری حصے میں آسائش اور آسانی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں صدقے اور سود کی آیات میں جو ایک مثال دی ہے کہ کوئی ایسا شخص جو یوزھا ہو جائے، اس کی اولاد

ابھی چھوٹے بچے ہوں اور ایسے میں اس کے باغ کو آگ لگ جائے تو کبھی بڑی حالت ہو۔ اس مثال سے بھی اس جوانی اور بڑھاپے کی بات کو سمجھا جاسکتا ہے۔

خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے بعد امت کے سب سے بڑے فقیر۔

فرمایا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی منقبت میں کوئی حدیث، کوئی واقعہ یا کوئی اثر نہ بھی ہوتا تو بھی ان کی منقبت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کے بعد امت میں سب سے بڑے فقیر وہی ہیں۔ خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ پورے مجمع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کوئی ایک شخص ایسا نہیں ہے، جو علم و نقد میں ان کا پاسنگ ہو۔

جنگ بدر کے موقع پر کن صاحبزادی رضی اللہ عنہا صلابہ کا انتقال ہوا؟

فرمایا

حضرت رسالت مآب ﷺ جب بدر میں تھے تو آپ کی غیر موجودگی میں آپ کی جن صاحبزادی صلابہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا ہے، وہ حضرت امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ بعض محدثین نے اس موقع پر آپ کی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نام لیا ہے، جو کہ غلط ہے۔ ان کا انتقال تو ۹ھ میں ہوا ہے اور انھیں حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے غسل دیا ہے اور مدینہ منورہ میں عورتوں کو غسل عموماً حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا ہی دیا کرتی تھیں۔ بہت سے اکابر محدثین کرام رضی اللہ عنہم سے یہ سنا ہے کہ یہ ان کی نظر تاریخ پر نہ تھی۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے امتیازات

فرمایا

غزوہٴ اُحد میں جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی کم عمری کی وجہ سے حضرت رسالت مآب ﷺ نے میدانِ جہاد سے واپس بھیج دیا تھا ان میں حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا اصل نام سعد بن مالک تھا۔ ان کے والد مالک بن سنان رضی اللہ عنہ غزوہٴ اُحد میں شامل تھے اور وہیں شہادت بھی ہوئی تھی۔ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَغَنَّا. ان کو ”خدری“ اس لیے کہا جاتا ہے کہ مدینہ منورہ میں قبیلہ خزرج کی ایک شاخ ”خدرہ“ تھی اور ان کا تعلق چونکہ اس شاخ سے تھا اس لیے یہ ”خدری“ کہلائے۔ واڑھی کو سفید نہیں رہنے دیتے تھے۔ مہندی یا خضاب وغیرہ لگا کر اسے زرد کر لیتے تھے۔ مونچھیں ایسی کاٹتے تھے کہ گویا مونہ دیتے تھے۔ فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ لمبی عمر پائی، ۴۷ھ میں مدینہ طیبہ میں انتقال ہوا اور جنت البقیع میں تدفین ہوئی۔ اہل مدینہ نے یزید کے خلاف جو بغاوت کی تھی یہ بھی اس میں شریک تھے۔ حضرت حافظ ابن جریر عسقا فی رحمۃ اللہ نے یہ تصریح کی ہے کہ حضرت ابوسعید خدری سعد بن مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے حضرت رسالت مآب ﷺ کی معیت میں بارہ غزوات میں شرکت کی ہے۔



حضرت عبداللہ بن زید الانصاری رضی اللہ عنہ نام کے
دو صحابہ اور ان میں فرق!

فرمایا حضرت عبداللہ بن زید الانصاری رضی اللہ عنہ نام کے دو صحابی ہیں ایک تو وہ ہیں جنہوں نے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خواب میں اذان کا طریقہ سمجھا تھا۔ ان کا پورا نسب یہ ہے۔
عبداللہ بن زید بن عبد ربیع بن ثعلبہ الانصاری اور اسی نام کے دوسرے صحابی
حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم المازنی الانصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ انصار کے قبیلے بنو مازن سے تعلق رکھتے تھے بعد واقعہ ۷ میں شہید ہوئے تھے۔ یہ جو پہلے صحابی حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ ہیں انہیں محدثین کے ہاں "صاحب النداء" یا "الذی ارئی النداء" کے عنوان سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ ان دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں فرق کرنا ضروری ہے۔

حضرت عبداللہ بن زید الانصاری رضی اللہ عنہ کی
محبت رسول ﷺ کا انوکھا انداز۔

فرمایا حضرت عبداللہ بن زید الانصاری رضی اللہ عنہ کو حضرت رسالت مآب ﷺ سے شدید محبت تھی۔ ان کا اپنا ایک باغ بھی تھا اور اس کی آمدنی سے گدروں پر ہوتی تھی۔ ایک دن اپنے باغ میں کام کر رہے تھے کہ بیٹے نے آ کر خبر سنائی کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ اس خبر و شہادت اثر سے دل پر سخت چوٹ لگی اور زبان سے دعا مانگی کہ اللہ اب یہ بصارت واپس لے لے۔ میں اپنے دوست کے بعد اب کیا کسی کو دیکھوں گا۔

چنانچہ اسی مقام پر بیٹھے بیٹھے ان کی دھنکی واہس چلی گئی۔ یہ باتیں بس اسی کی سمجھ میں آ سکتی ہیں جس نے زندگی میں محبت کا مزا چکھا ہو۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ ”مسند عبداللہ بن زید بن عبد ربہ ثعلبہ الأنصاری الذی لری الأذان جمعته للرد علی من زعم أنه لم یرو سوی حدیث الأذان“ میں تحریر فرمایا ہے۔

زبان نبوت سے صحابہ کرام رضی اللہ کے لیے القابات۔

فرمایا حضرت رسالت مآب ﷺ نے مختلف صحابہ کرام رضی اللہ کو مختلف القابات سے نوازا تھا مثلاً امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ”ابو حفص“ فرمایا تھا۔ امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ”ابو تراب“ کا لقب دیا تھا لیکن جتنے القابات حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمائے تھے غالباً کسی اور پر یہ شفقت و عنایت نہیں ہوئی۔ حضرت رسالت مآب ﷺ کو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے بہت محبت تھی۔ غزوہ بدر سے پہلے غزوہ ذوالعشیرہ میں جو حضرت رسالت مآب ﷺ نے انھیں پہلا لقب عنایت فرمایا تھا ”طلحہ الخیر“ تھا پھر غزوہ بدر میں دوسرا لقب عنایت فرمایا ”طلحہ الفیاض“ اور آخری لقب غزوہ حنین میں عطا فرمایا ”طلحہ الجود“ انہوں نے اپنے قبیلے ”بنو تیم“ میں کوئی ایسا گھرانہ نہیں رہنے دیا جسے خوشحال نہ کر دیا ہو۔ اس قدر بخشنے والے کہ قبیلے بھر کے یتیم بچے، معذور افراد، عورتیں اور بے پردہ زکا ر فروانی کے در پر پڑتے تھے۔ ان کے تجارتی قافلے عراق تک جاتے تھے اور جو نفع آتا تھا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیتے تھے۔ جنگ جمل میں ۳۶ھ میں شہید ہوئے اور بصرہ ہی میں تدفین ہوئی۔ عشرہ مبشرہ میں بھی تھے اور امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے

بعد خلافت کے لیے جن چہ افراد کو منتخب فرمایا تھا، یہ ان میں سے ایک تھے۔

امین الامۃ — حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ

فرمایا

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ جنہیں حضرت رسالت مآب ﷺ نے ”امین الامۃ“ کا لقب عنایت فرمایا تھا ان کا اصل نام عامر بن عبد اللہ تھا۔ امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بعد فوج کی قیادت انہیں عطا فرمائی تھی اور شام کی فتوحات انہی پر اختتام پذیر ہوئی تھیں۔ شام میں جو طاعون عمواس پھیلا تھا، اسی میں ۸ھ میں ان کا انتقال ہوا تھا۔

حضرت طلحہ بن خویلد اسدی رضی اللہ عنہ کا اسلام،
ارتداد اور دوبارہ قبول اسلام۔

فرمایا

بنو اسد کا ایک وفد ۹ھ میں حضرت رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں قبول اسلام کی غرض سے حاضر ہوا۔ ان میں نذر شیر اور اپنے قبیلے کی آنکھ کا تارا، حضرت طلحہ بن خویلد اسدی رضی اللہ عنہ بھی تھے، جو ایک ہزار سواروں کے برابر مانے جاتے تھے۔ انہوں نے بھی اسلام قبول کیا لیکن جب اپنے قبیلے میں لوٹے تو نبوت کا دعویٰ کر دیا اور مرتد ہو گئے۔ حضرت رسالت مآب ﷺ پر یہ ارتداد بہت گراں گزرا اور آپ نے حضرت ضرار بن اللہ اور کوفہ میں سزا دینے کے لیے بھیجا۔ حضرت ضرار رضی اللہ عنہ نے انہیں کھوار ماری تو ان کی کھوار چک (Slip) گئی۔ اس واقعہ کا بنو اسد قبیلے پر یہ اثر ہوا کہ انہوں نے یہ

کہنا شروع کیا اور یقین کر لیا کہ ہمارے نبی کے جسم پر اسلحہ کا اثر نہیں ہوتا۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام میرے پاس آتے ہیں، وحی ہوتی ہے اور پھر اشعار سنا کر اپنی وحی بیان کی۔ نماز قائم کی لیکن یہ ترمیم کر دی کہ ہماری شریعت میں جو نماز ہے وہ بغیر جہدے کے ہوگی۔ سرخ جھنڈا اپنا نشان بنایا اور بنواسد سے متاثر ہو کر غطفان اور طئی قبیلے کے لوگ بھی مرتد ہوئے اور ان کی نبوت کے قائل ہو گئے۔ اسی اثنا میں حضرت رسالت مآب ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور اس فتنے کی سرکوبی کے لیے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں ایک لشکر روانہ کیا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے لشکر نے شکست کھائی اور یہ شام بھاگ گئے۔ لیکن اس لشکر کشی کا فائدہ یہ ہوا کہ بنواسد، غطفان اور طئی قبائل نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔ اب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اسدی رضی اللہ عنہ کا زور ٹوٹ گیا۔ اسی اثنا میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت رسالت مآب ﷺ کے پہلو میں جگہ پائی اور امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آغاز ہوا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے ایک وفد تیار کیا اور مدینہ منورہ پہنچ کر دوبارہ اسلام قبول کیا۔ حضرت امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نہایت دانشمندی سے کام لیا، نہ صرف یہ کہ ان کا ارتداد سے رجوع اور قبول اسلام خوشی سے مانا بلکہ انہیں شرف بیعت سے بھی نوازا۔ انہیں فوج میں جانے کا حکم دیا اور ان کی بہادری کے پیش نظر انہیں عراق کی فوج میں عہدہ بھی دیا۔ ان کی وجہ سے مسلمانوں کی فتوحات میں اضافہ بھی ہوا اور ۲۱ھ میں غزوہ نہاد میں یہ شہید ہوئے۔



امام باقریؑ کی کتاب ”مناقب الائمة الاربعہ“

فرمایا: جس شخص نے بھی مسئلہ امامت، حضرت رسالت پناہ ﷺ کی وراثت، مشاجرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے فضائل، باغ فدک اور حضرات حسنین کریمین اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تعلقات پر اہل السنۃ کے صحیح موقف اور گمراہ فرقوں کے باطل موقف، کو پڑھنا یا سمجھنا ہو، اسے چاہیے کہ امام باقریؑ کی کتاب ”مناقب الائمة الاربعہ“ کا ضرور مطالعہ کرے۔ یہ کتاب بظاہر اپنے ہم ستونوں لگتی ہے جیسے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کے مناقب میں ہوگی لیکن درحقیقت یہ چاروں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے مناقب میں ہے۔ اپنے موضوع پر بہترین کتاب ہے۔ لوگ اس کتاب کو پڑھے بغیر ان نازک مسائل پر گفتگو شروع کر دیتے ہیں اور بہت گمراہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ کتاب اگر چہ ناایاب ہے لیکن اپنے ذخیرہ کتب میں موجود ہے۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حالات۔

فرمایا: حضرت امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت رسالت مآب ﷺ سے اتنی محبت اور آخرت کا اتنا خوف غالب تھا کہ ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا، میں نے حضرت رسالت پناہ ﷺ سے یہ سنا ہے کہ روز قیامت کوئی نسب اور رشتہ داری کام نہیں آئے گی ہاں البتہ میرا نسب اور ہمارا داماد ہونا سودمند ہوگا۔ تو میری رشتہ داری تو

حضرت رسالت پناہ ﷺ سے قائم ہے (ام المومنین حضرت خلیصہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے بھی اور قریشی ہونے کی وجہ سے بھی) لیکن چاہتا ہوں کہ ان کا داما بھی بن جاؤں (تاکہ قیامت میں داماد ہونے کا نفع بھی پہنچے)۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی چھوٹی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح، امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کر دیا اور اس رشتے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے داماد بن گئے۔ اور اسی حوالے سے وہ حضرت رسالت پناہ ﷺ کے بھی داماد ٹھہرے۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی، حضرت رسالت مآب ﷺ کی وفات سے پہلے دنیا میں آچکی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی ایک بیٹی پیدا ہوئی جن کا نام رقیہ بنت عمر رضی اللہ عنہا تجویز ہوا اور ایک بیٹی پیدا ہوا، زید بن عمر رضی اللہ عنہ۔ ایک مرتبہ قبیلہ بنو عدی میں باہمی خانہ جنگی ہوئی اور یہ حضرت زید بن عمر رضی اللہ عنہ صلح کرانے کی غرض سے تشریف لے جا رہے تھے۔ بنو عدی کا ایک آدمی انھیں پہچان نہیں پایا اور رات کی تاریکی میں انھیں زخمی کر دیا۔ گھر آٹھا کر لائے گئے۔ کچھ دن یہ زخم برداشت کیے اور اچانک رات کو ان کا اور ان کی والدہ حضرت ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ دونوں کی وفات ایسے اکٹھے ہوئی کہ کوئی بھی یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ پہلے کس کا انتقال ہوا ہے اور کون کس کا وارث بنے گا۔ چنانچہ ان دونوں کی وراثت تقسیم نہیں کی جاسکی۔ نماز جنازہ میں حضرت زید اور ام کلثوم دونوں کے دو بھائی حضرت حسن اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے احترام میں انھیں جنازہ پڑھانے کے لیے آگے کر دیا حالانکہ وہ میت کے سوتیلے بھائی تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پہلے

حضرت زید بن عمر کا جنازہ رکھا گیا اور ان کے بعد ان کی والدہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا اور آپ نے ان دونوں کا جنازہ اکٹھے پڑھایا۔ فرضی اللہ عنہم و عنا جمیعاً۔

حضرت ابوبکر اور سیدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہما
کا وصال، ایک ہی دن۔

فرمایا

حضرت رسالت مآب ﷺ نے بنو امیہ میں سے جن لوگوں نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا تھا ان میں سے ایکس (۲۱) سالہ جوان حضرت عتاب بن اسید اموی رضی اللہ عنہ کو گورنر مکہ مقرر فرمادیا تھا۔ پھر وہی مکہ مکرمہ کے گورنر رہے ہیں حتیٰ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جس سال ۱۳ھ میں وفات ہوئی ہے یہ اس وقت بھی مکہ مکرمہ کے گورنری تھے اور پھر جس دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مدینہ منورہ وفات ہوئی ہے، اسی دن مکہ مکرمہ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ رضی اللہ عنہما و عنہم۔

حضرت زید بن حارثہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما

فرمایا

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے حضرت رسالت پناہ ﷺ کو بہت تعلق خاطر تھا۔ علم میں نہیں کہ کسی لشکر میں حضرت زید رضی اللہ عنہ بھی شامل ہوں اور آپ نے اس لشکر کی لہارت کسی اور کے سپرد فرمائی ہو۔ امارت ہمیشہ ان کی ہی رہی۔ قدیم الاسلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک ہیں ان کی شادی حضرت رسالت پناہ ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کی۔ ان کے علاوہ ان کی شادی حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے ہوئی

اور انہی سے ان کے صاحبزادے سیدنا أسامہ رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔ حضرت أسامہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے والد کی طرح حضرت رسالت پناہ رضی اللہ عنہ کے منظور نظر تھے۔ مرض الوفا سے پہلے آپ نے جو لشکر شام کی طرف روانہ فرمایا تھا اس کی امداد حضرت أسامہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے مدبر اور باطل حریت ان کے ذریعہ کانٹے تھے۔ دیکھیے چونکہ أسامہ کو امیر حضرت رسالت پناہ رضی اللہ عنہ نے مقرر کیا تھا اس لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی حضرت رسالت پناہ رضی اللہ عنہ سے محبت اور ان میں فتنیت اس قدر شدید تھی کہ امیر المومنین ہو جانے کے باوجود تاحیات اس امداد کا احترام کرتے رہے۔ أسامہ جب بھی نظر آتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے السلام علیکم یا امیر۔ امیر المومنین کو حضرت رسالت مآب رضی اللہ عنہ سے اس قدر گہرا تعلق تھا کہ ذکر مبارک آنے پر دوپٹے تھے اور کبھی تو ایسی یا دستاں تھی کہ یہ غم فراق کئی کئی دن تک چارپائی پر ڈال دیتا تھا۔ اگر کوئی شخص اس موضوع پر کام کرے تو ایک چھوٹا سا رسالہ مرتب ہو جائے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ تو غزوہ موتہ میں بطور امیر تھے اور ۸ھ میں شہید ہو گئے تھے جبکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا انتقال مدینہ منورہ میں ۵۴ھ میں ہوا اور جنت البقیع ہی میں بیوند خاک ہوئے۔ رضی اللہ عنہ و عنہم۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بیٹوں میں سب سے زیادہ افضل اور سمجھدار کون؟

فرمایا

حضرت امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو عمواس کا طاعون ۱۸ھ میں

آیا تھا، اس میں بہت سے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دنیا سے تشریف لے گئے۔ حضرت ابوسعیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو شام اور اردن وغیرہ پر کمانڈر مقرر کیا گیا تھا اور جہاد پرے زور و شور سے جاری تھا کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کی جگہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا تو ان کا انتقال اسی طاعون میں ہو گیا۔ ان کی جگہ پھر حضرت یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا گیا تو غالباً ان کا انتقال بھی اسی طاعون میں ہوا تھا۔

حضرت یزید رضی اللہ عنہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بیٹوں میں سب سے زیادہ افضل اور سمجھدار تھے۔ لوگ انھیں ”یزید الخیر“ کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر اپنے والد اور بھائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت اسلام قبول کیا تھا۔ پھر یہ غزوہ حنین میں بھی شریک ہوئے۔ حضرت رسالت پناہ رضی اللہ عنہ نے انھیں حنین کے مال فہیمت میں سے سواوٹ اور چاندی کی ایک بڑی مقدار مرحمت فرمائی تھی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ بلال اتنی چاندی تول کر یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو دے دیں۔ حضرت رسالت پناہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے روایت کی ہے کہ جو شخص رکوع اور سجدے کو پورا نہیں کرتا وہ اس بھوکے کی طرح ہے جو ایک دو کھجوریں کھاتا ہے اور یہ اس کی بھوک نہیں مٹا تیں۔ حضرت یزید رضی اللہ عنہ کی اولاد انھیں تھی اس لیے ان کا سلسلہ آگے کو نہ چلا۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور والدہا نہ محبت رسول رضی اللہ عنہم

فرمایا

خلیفہ حضرت رسالت مآب رضی اللہ عنہم، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اصل نام کیا تھا،

اس کے بارے میں اگرچہ علماء اسماہ الرجال کا اختلاف ہے لیکن علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے "عبد اللہ" قرار دیا ہے اور ان کے والد حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی "عثمان" تحریر فرمایا ہے۔ اس اعتبار سے سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی "عبد اللہ بن عثمان" تھا۔ واقعہ معراج کی صبح آپ نے اس واقعے کی تصدیق کی اور آپ کا لقب صدیق ہوا۔ انھیں مکمل یقین، اعتماد اور ایمان تھا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں وہ سب کچھ حق اور سچ ہے اور حضرت رسالت پناہ ﷺ کو بھی معلوم تھا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہر معاملے میں میری تصدیق ہی کرتے ہیں اور اسی دولت یقین اور باہمی اعتماد ہی کی وجہ سے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تیل پر سوار ہو گیا تو تیل نے کہا میں سواری کے لیے نہیں پیدا کیا گیا، مجھے تو کھیتی باڑی کے لیے، بل میں جو تنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ لوگوں کو اس بات پر تعجب ہوا کہ تیل بھی انسانوں سے باتیں کرتے ہیں تو حضرت رسالت پناہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس تیل کے بات کرنے پر میں گواہ ہوں اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے بھی پوچھ لو، وہ گواہی دیں گے۔

مقام فکر ہے کہ اس واقعے کو حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے نہ سنا اور نہ دیکھا لیکن حضرت رسالت پناہ ﷺ کو ان دونوں ہستیوں پر اتنا یقین ہے کہ وہ میری تصدیق کریں گے کہ بلا کھٹک، تعجب کا ازالہ یہ کہہ کر فرمایا کہ ان دونوں سے دریافت کر لیا جائے، وہ بھی تصدیق کریں گے۔

ہجرت، بدر، احد، خندق، بیعت رضوان، فتح مکہ، حنین، تبوک، وفات اور حجتی کہ تہ فین تک میں ہر موقع اور مقام پر یہ حضرت رسالت پناہ ﷺ کی خدمت میں ہمیشہ ساتھ

ساتھ نظر آتے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں بہت سے لوگوں کو مشرکین نے جملائے عذاب کر رکھا تھا کہ قبولیت اسلام ان کا "جرم" تھا۔ ان میں کچھ لوگ، جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ستائے گئے، (وَأُولَٰئِكَ هُمُ السَّابِقُونَ) ان پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا مال خرچ کیا۔ انھیں غلامی سے آزادی دلائی اور پھر انھیں اپنا غلام بھی نہیں بنایا بلکہ انھیں آزاد کر دیا۔ جب بھی کوئی تحریک یا نیا نظریہ وجود پذیر ہوتا ہے، اس کی بقا اور اشاعت کے لیے مال بھی خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اسلام کے آغاز میں مال خرچ کرنے کا یہ فریضہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ادا کیا تھا۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مالی قربانی کے بغیر قومیں بن جاتی ہیں انھیں اس نقطے پر غور کرنا چاہیے کہ کفر ہو یا اسلام اس کی جڑیں مضبوط کرنے کے لیے مال خرچ کیے، بتاں کوئی چارہ نہیں ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال، عامر بن لمیرہ، زبیر، نہید یہ اور ان کی صاحبزادی، بقیلہ بنو منہل کی ایک ہانڈی وغیرہ کو ان کے مالکان سے خرید کر اسلام کی غلامی میں داخل کر دیا۔ حضرات عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم میں حضرت عثمان، علی، زبیر، عبدالرحمن بن عوف، ابوعبیدہ بن جراح اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم ان ہی کی محنت اور دعوت سے حلقہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اسلام کے لیے ساری تنگ و دو، عبادات، مجود و قیام مختلف ممالک کی لاکھوں مربع میل کی فتح اور ہر ہنسی میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بھی حصہ ہے۔

حضرت رسالت پناہ ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے جتنے بھی گھروں کے دروازے مسجد نبوی میں کھلتے تھے، حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے دروازوں کے علاوہ، تمام کو بند کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

سیدنا ابوبکر خلیفہ رسول اللہ ﷺ تھے، اپنی وفات سے پندرہ دن پہلے ضعف اور بیماری شدید بڑھ گئے تھے، چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جا کر فرمایا کہ نماز پڑھانے کے لیے آپ مسجد میں آنا دشوار ہے اس لیے آئندہ سے آپ لوگوں کی امامت کرائیں۔ یہ وہی اواقعی جو حضرت رسالت پناہ ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے اپنائی تھی۔ آج اس سنت کے اتباع کی گھڑی آگئی اور درحقیقت ان کی وفات کا سبب بھی وہ گہرا صدمہ تھا، جو حضرت رسالت پناہ ﷺ کے انتقال سے آپ کو پہنچا تھا۔

ایک حدیث مبارکہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا طرز عمل۔

فرمایا حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عمل کے لیے بس یہ بات کافی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے یا حضرت رسالت مآب ﷺ نے یہ فرمایا ہے۔ بس حکم صحیح ذرائع سے ان تک پہنچا ہو۔ درمیان میں کوئی غلط فہمی، انسیان یا جھوٹ یا کوئی قطعی تردید وغیرہ شامل نہ ہو گئے ہوں۔ حضرت ابومریم عمرہ بن مرۃ رضی اللہ عنہ بہت قدیم الاسلام اور غزوات میں شریک رہے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں ان سے فرمایا کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ فرماتے تھے کہ جو حکمران ضرورت مندوں اور غریب لوگوں کی شکایات سننے کی بجائے، اپنے دروازے بند رکھے گا تو پھر اس حکمران کو جب خود مدد کی ضرورت ہوگی تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے دروازے اس کے لیے بند کر دے گا۔ یعنی نہ تو مشکل حالات میں اس حکمران کی دعا سنی جائے گی اور نہ اس کی مدد کے لیے رحمت کے دروازے کھلیں گے۔ حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو سن کر اسے مشکور ہوئے کہ

ﷺ

فورا ایک نئی وزارت قائم کر دی۔ ایک شخص کو اس عہدے پر مقرر کیا اور اس کی ذمہ داری صرف یہ تھی کہ جو بھی ضرورت مندی یا شکایت کرنے والے یا داوری کے طالبین وغیرہ اس کے پاس آئیں، ان کی شکایات کے ازالے کے لیے فوراً اطلاع، حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو دی جائے۔ کاش کہ اس اُمت کے ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ افسران تک، یہ تمام حضرات اس حدیث اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے طرز عمل سے کچھ سیکھتے۔

خود اپنے ہی اسلحہ سے شہید ہو جانا اور
حضرت مولانا نور محمد صاحب رحمۃ اللہ کی شہادت۔

فرمایا میدان جنگ میں بہت مرتبہ یوں بھی ہوتا ہے کہ آدمی خود اپنے اسلحے سے ہی شہید ہو جاتا ہے۔ مثلاً ہینڈ گرنیڈ (Hand Grenade) اٹھا کر دشمن کی طرف پھینکنا چاہا اور فوجی کے خود اپنے ہی ہاتھ میں پھنٹ گیا اور وہ شہید ہوا اور دشمن صاف بچ گیا تو ایسی شہادت پر دہی مزاج لوگ بہت سے اشکالات کا اظہار کرتے ہیں اور حتیٰ کہ اس شہادت کو شہادت ماننے سے ہی انکار کر دیتے ہیں لیکن یہ طرز فکر عمل درست نہیں ہے خود حضرت رسالت مآب ﷺ کے دور میں ایک ایسا واقعہ پیش آ گیا تھا تو آپ نے ایسے مجاہد کو دو گنا ثواب ملنے کی بشارت ارشاد فرمائی تھی۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے چچا حضرت عامر بن سنان اکوع رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کی شاعری کو دربار رسالت میں نہ صرف قبولیت حاصل تھی بلکہ کبھی فرمائش بھی ہوتی تھی کہ عامر بن سنان اپنے اشعار سے راحت پہنچائیں۔ غزوہ خیبر میں انہوں نے اشعار پڑھے اور رحمت کی دعا بھی حاصل کی، بہت

بے جگر سی سے لڑ رہے تھے اور ایک کافر کو جو تلوار ماری تو وہ اس کافر کے جسم سے اچک کر خود خنجریں آ گئی۔ وار کھا یا کا ری تھا کہ یہ موقع پر، اپنے اسلحے سے، خود شہید ہو گئے۔ کچھ لوگوں کو ان کی شہادت پر اذکار تھا کہ یہ کیسی موت تھی جو اپنے ہی اسلحے سے آ گئی؟ شدہ شدہ یہ اذکار حضرت رسالت پناہ ﷺ کی سماعت مبارکہ سے گذرا تو آپ نے ان لوگوں کی تقلید کی جو اس موت کو شہادت نہیں سمجھتے تھے اور فرمایا کہ جو لوگ اس موت کو شہادت نہیں سمجھتے، ان کی یہ سوچ درست نہیں ہے یہ شخص (عامر بن سنان رضی اللہ عنہ) تو جہاد کر بھی رہا تھا اور مجاہد بھی تھا اس لیے اللہ تعالیٰ اسے دوسرے شہید کا اجر دے گا۔ پھر اپنا دست مبارک بلند کر کے دو انگلیوں سے اشارہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسے دوسرے شہید کا اجر ملے گا۔

ایسے ہی وہ لوگ جو عہد حق صاف کر رہے ہوتے ہیں اور وہ بھری ہوئی ہوتی ہے اور ذرا سی بے احتیاطی سے چل جاتی ہے اور صفائی کرنے والا شہید ہو جاتا ہے، وہ بھی شہید ہی کے زمرے میں آتا ہے کیونکہ اپنے اسلحے کی حفاظت اور صفائی میں خود اپنے اسلحے ہی سے شہید ہو جاتا ہے۔ ہم نے اپنے اساتذہ میں حضرت مولانا نور محمد صاحب رحمہ اللہ جیسا ذکی، ذہین، انہایت معتقلہ اور حاضر دماغ شخص کسی کو نہ پایا۔ اپنی مثال خود ہی تھے مسلم اثبات، سلم، مکتبہ شریف، اور صحیح بخاری اور ترمذی ان سے پڑھی۔ ہماری آنکھیں تو ان جیسا کیا کسی کو دیکھتیں خود ان کی آنکھوں نے بھی اپنے جیسا نہ دیکھا ہوگا۔ وفات سے کچھ دن پہلے اپنی ترمذی شریف مرحمت فرمائی جس کے حواشی پر بعض جگہ بہت معمولی سا، کچھ تحریر بھی فرمایا ہے۔ اپنے ہاں کے ذخیرہ کتب میں موجود ہے، ان کی شہادت بھی ایسے ہی

ہوئی تھی۔ اپنے گھر (میلوڈی، اسلام آباد) میں اپنی بندوق صاف کر رہے تھے اور وہ بھری ہوئی تھی، اچانک گولی چل گئی اور وہ زخمی ہو گئے اور اسی زخم سے شہادت واقع ہوئی۔
 مَلَأَتْ ثَوْبَهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَعَنْهُمْ.

وہ واحد صحابی رضی اللہ عنہ جن کی چار پشتیں
 شرف صحابیت سے مشرف ہوئیں۔

فرمایا

خلیفہ حضرت رسالت مآب ﷺ، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ وہ واحد صحابی ہیں جن کی چار پشتوں نے حضرت رسالت مآب ﷺ کی زیارت کی اور صحابیت کے شرف سے مشرف ہوئے۔ ایک تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نفس نفیس دوسرے ان کے والد حضرت ابو قحافہ قریشی تھے جنہوں نے جو کہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے تیسرے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ اسے شہید اور بہادر تھے کہ غزوہ بدر میں اور پھر احد میں کفار مکہ کے ہمراہ جنگ کے لیے آئے اور قتل ہو گیا کہ کوئی میرے مقابلے کا ہو تو ذرا سامنے آئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھے اور قریب تھا کہ مومن والد اور کافر بیٹے کا مقابلہ ہو جاتا، حضرت رسالت مآب ﷺ نے والد کو روک دیا اور فرمایا ابھی تو تم مجھے اپنی ذات سے نفع اٹھانے دو۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ یہیہ میں مسلمان ہوئے تھے ان کا پرانا نام عبدالکعبہ تھا اور حضرت رسالت مآب ﷺ نے حدیبیہ ہی میں ان کا نام عبدالرحمن جو یہ فرمایا تھا۔ بہت مانے ہوئے تیرا انداز تھے۔ اور پھر چوتھی پشت میں محمد بن عبدالرحمن تھے اور یہ بھی صحابی تھے جنہوں نے گویا کہ ان چاروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شجرہ یوں بنا۔

حضرت ابو قافہ قریشی ثقی (صحابی)



خلیفہ رسول اللہ حضرت سیدنا ابو بکر (صحابی)



سیدنا عبدالرحمن (صحابی)



سیدنا محمد (صحابی)

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَ غَنَاهُمْ.

علم کی فضیلت و اہمیت۔

فرمایا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بھی مختلف مدارج تھے دو قہم حضرات علم و فضل کی مختلف منازل پر فائز تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت علی، حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم تو ایسے لوگ تھے کہ ان میں سے ایک آدمی کے علم کی زکوٰۃ بھی شہروں کو کافی ہے۔ حضرت رسالت مآب ﷺ ان لوگوں کو ترجیح دیتے تھے جن کا تعلق علم سے تھا اسی لیے ایک مرتبہ مسجد نبوی میں مختلف حضرات کے مختلف حلقے گئے ہوئے تھے کہ آپ کی تشریف آوری ہوئی اور آپ اس حلقے میں تشریف فرما ہوئے جہاں قرآن کریم کی تعلیم ہو رہی تھی اور تین مرتبہ یہ ارشاد فرمایا کہ مجھے حکم ملا ہے کہ میں اصحاب قرآن کی مجلس میں بیٹھوں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ”مولیٰ“ ہونے کی حدیث متواتر ہے۔

فرمایا امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ”مولیٰ“ ہونے کی حدیث متواتر ہے اور وہ لوگ جو اس روایت کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں، انہیں بہت محتاط رہنا چاہیے کہ متواتر احادیث کا انکار بسا اوقات موجب کفر بن جاتا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک دن خود اس روایت کے متعلق حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا تھا کہ کس کس نے یہ جملے براہ راست حضرت رسالت پناہ ﷺ سے سنے ہیں تو سترہ (17) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اُنھے کھڑے ہوئے اور گواہی دی کہ ”یہم ندرہ“ میں انھوں نے حضرت رسالت پناہ ﷺ سے سنا کہ میں جس کا مولیٰ (آقا) ہوں، علی اس کے مولیٰ ہیں اے اللہ جو علی کا دوست ہو اس سے محبت فرما اور جو علی کا دشمن ہو، اس سے دشمنی رکھ، اور یہ جملہ آپ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔

حضرت ام انس رضی اللہ عنہا کی دعا اور خواہش۔

فرمایا حسن عقل بھی اللہ تعالیٰ کی عطا ہے جسے چاہے سرفراز فرمائے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسی خوبصورت دعائیں اور اتنی عقل اور ایسے سلیقے سے مانگتے تھے کہ لا جواب تھے۔ حضرت ام انس رضی اللہ عنہا حاضر ہوئیں اور حضرت رسالت مآب ﷺ کو دعا دی کہ اللہ کے رسول، اللہ تعالیٰ آپ کو آخرت میں ”رفیق الٰہی“ کا مقام عطا فرمائے۔ پھر دوسری دعا یا خواہش کا اظہار فرمایا کہ اے اللہ کے رسول اس مقام پر میں بھی آپ کی خدمت میں

ریہوں۔ حضرت رسالت پناہ ﷺ خوش ہوئے اور فرمایا: میں۔ پھر اس اعلیٰ مقام کی تسنن اور دعا کی قبولیت پر نظر کر کے فرمایا، ام انس نماز پابندی سے پڑھا کیجئے اور گناہوں سے ہمیشہ دور رہنا ہے، دیکھیے گناہ کو چھوڑ دینا، جہاد سے بھی افضل عمل ہے۔

اب امت مسلمہ کے افراء، مرد و عورت کا یہ حال ہے کہ معمولی گناہ تک نہیں چھوڑ سکتے۔ اپنی روزمرہ کی باتوں میں جھوٹ تک سے پرہیز نہیں کرتے حتیٰ کہ بغیر کسی سبب اور حذرے کے بھی، معاصی میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں اور جان دینے کی بات کیجئے، لڑنے، مرنے اور مارنے کی بات کیجئے تو ہزاروں تیار ہوں گے۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی خوش نصیبی

فرمایا حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا بڑی شان کی خاتون تھیں۔ حضرت رسالت مآب ﷺ ان سے ملاقات کے لیے ان کے گھر خود چل کر جاتے تھے اور جب دنیا سے رخصت ہو گئے تو سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما بھی ان کی زیارت کے لیے خود ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی صاحبزادے تھے۔

حضرت خلیدہ رضی اللہ عنہا کا خوبصورت استدلال

فرمایا جب کسی مرد و عورت کا انتقال ہوتا ہے اور اس کی روح عالم بزرگ میں پہنچتی ہے تو اپنے سے پہلے پہنچے ہوئے مرد و زن سے اپنے اعزاء و اقارب کے احوال بیان کرتی ہے۔ اگر جتنا عذاب نہ ہو تو پھر یہاں کی خبریں وہاں جا کر سناتی ہے۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ

کا انتقال ہو رہا تھا کہ حضرت خلیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائیں اور یہ برآ بن معرور رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ فرمانے لگیں کہ اے کعب ابھی انتقال کے بعد میرے والد سے ملاقات ہو تو میرا سلام پیش کیجئے گا۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ تمہاری عمر دوازہ کرے وہاں تو حساب و کتاب کی مشغولیت بہت ہوگی۔ تو انہوں نے کہا کہ آپ کیا بات ارشاد فرماتے ہیں آپ نے یہ نہیں سنا تھا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ فرماتے تھے کہ ایمان والوں کی روحیں تو جنت کے باغات میں پھل کھایا کریں گی اور فاجر کی روح کو جہنم خانے میں بند کر دیا جائے گا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روضہ مبارک پر حاضری

فرمایا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو حضرت صاحب الرسالہ ﷺ سے محبت تھی۔ جب حضرت رسالت مآب ﷺ کا انتقال ہوا تو یہ یمن میں گورز تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں لوٹے اور مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو رات ہو چکی تھی۔ سیدھے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر حاضر ہوئے کہ قبر مبارک وہیں تھی۔ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے دروازہ بند کر دیا تھا کہ رات ہو چکی تھی انہوں نے دستک دی تو فرمانے لگیں اب اتنی رات گئے کون ہمارے دروازے پر دستک دے رہا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ معاذ۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے اپنی خادمہ معتودہ سے فرمایا کہ دروازہ کھول دیں۔ معاذ رضی اللہ عنہ قبر مبارک پر حاضر ہوئے اور آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

ۛ بی اے ہم نفس باہم بنائیں
من و تو کشیدہ شان بنائیں
دو حرفے ہر مراد دل بگوئیں
پائے خواہد چشماں را بنائیں

حضرت رسالت مآب ﷺ کا حضرت رملہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا سے نکاح اور اس کی تفصیلات۔

فرمایا

حضرت رسالت مآب ﷺ کو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے جو تعلق خاطر تھا اس کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے ۵۵ھ میں خروہ خندق پر پنا کیا۔ مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہوئے اور ناکام لوٹے اور ابھی ایک برس کی مدت بھی نہیں گزری تھی کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت رملہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا۔ حضرت رملہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے شوہر عبداللہ بن حبش کے ہمراہ حبشہ ہجرت کر گئی تھیں۔ وہاں عبداللہ بن حبش نے عیسائیت قبول کر لی اور پھر اسی حالت میں انتقال ہو گیا۔ اب حضرت رملہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہو گئی۔ حضرت رسالت مآب ﷺ نے غالباً عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کو خط دے کر حبشہ روانہ کیا اور نہاشی رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ حضرت رملہ کے ساتھ میرا نکاح کر دیں۔ نہاشی نے بہت اہتمام کیا حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ، ام المومنین رضی اللہ عنہا کے وکیل ٹھہرے۔ نہاشی نے 400 دینار حق مہر اپنے پاس سے پیش کیا۔ تقریباً نکاح

کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے گوشت چکویا سب کی دعوت ہوئی اور گویا کہ یہ حضرت رسالت مآب ﷺ کا لہجہ تھا۔ اور آپ مدینہ منورہ میں تشریف فرما تھے۔ حضرت شریح بن حصہ رضی اللہ عنہ نے بندوبست کیا کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ لے جائیں اور پھر خود انھیں لے کر مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ آخر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو اس تمام واقعے کی خبر ہوئی تو اپنی بیٹی کے اس رشتے پر صرف یہ فرمایا کہ میرے والد امجد رضی اللہ عنہ جیسے رشتے کو انکار نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی ہمیشہ سے مسائل بھی پوچھا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مسئلہ یہ پیش آیا کہ کوئی آدمی جن کپڑوں میں اپنی بیوی سے مقاربت کرتا ہے ان میں نماز بھی پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں خدا لکھا کہ اس معاملے میں حضرت رسالت پناہ ﷺ کا طرز عمل کیا تھا؟ تو ام المومنین حضرت رملہ رضی اللہ عنہا نے جواب تحریر فرمایا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ جن کپڑوں میں اپنی کسی بھی اہلیہ سے مقاربت فرماتے تھے تو غسل کے بعد ان کپڑوں کو دیکھ لیتے تھے کہ ان میں کوئی ناپاکی تو نہیں لگ گئی اور جب ان کپڑوں کے پاک ہونے کا یقین ہوتا تھا تو انھیں ہی پہن کر نماز ادا فرماتے تھے۔

برکتیں تو منیوں کے ساتھ ہی ہوتی ہیں۔

فرمایا عورتوں کے مسائل بہت ہوتے ہیں اور پھر وہ معاشرتی زندگی میں ہمیشہ بھی ہوتے چلے جاتے ہیں۔ عرب اسی وجہ سے منیوں کی ولادت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ یہ



حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بصیرت۔

فرمایا حضرت امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جن لوگوں سے اصرار کیا گیا کہ وہ خلافت سنبھال لیں ان میں ایک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ مروان نے انہیں یہ پیش کش کی تھی کہ اہل شام کی نگاہ خلافت کے لیے آپ پر ہے۔ آپ آگے بڑھیں۔ انہوں نے فرمایا عراق والوں کا کیا بنے گا؟ اس نے کہا عراقیوں کو تمہارے زور پر متوائیں گے تو عبداللہ فرمانے لگے اللہ کی قسم اگر خلافت کے مفتوحہ تمام علاقے میری خلافت پر راضی ہوں اور صرف ایک چھوٹے سے گاؤں (ذکر) کے لوگ نہ مانیں تو بھی میں خلافت نہ لوں اور اگر بالفرض اس گاؤں والے بھی مان جائیں اور ان میں سے صرف ایک آدمی کو باغی قرار دے کر قتل کرنا پڑ جائے تو میں اس خون کے عوض بھی خلافت لینے کو تیار نہیں ہوں۔ مسلمانوں کے خون بہانے سے وہ حد درجہ مجتنب تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں لڑنے پر اگرچہ انہیں پہلے اشکال تھا لیکن بعد میں وہ ان کے اجتہاد کے صحیح ہونے کے اسے قائل ہوئے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دینے پر ہمیشہ اظہارِ ندامت فرماتے رہے۔ وفات سے پہلے بھی فرمایا کہ دنیا میں کوئی عمل ایسا نہیں جس پر افسوس ہو سوائے اس کے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کرنے والوں کے خلاف جہاد کیوں نہ کیا؟

قباچ بن یوسف کے گناہوں میں ایک گناہ انہیں شہید کر دینا بھی تھا۔

حضرت عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی جنگ صفین میں شہادت۔

فرمایا حضرت امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دوسرے صاحبزادے حضرت عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ رہے اور حتیٰ کہ جنگ صفین میں انہی کے پرچم تلے لڑے اور شہید ہوئے اس میں بہت اختلاف ہے کہ انہیں کس نے شہید کیا۔ بہت سے نام لیے جاتے ہیں لیکن تحقیق نہیں ہو سکی سخت دشواری ہے۔ حضرت عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بہت طویل القامت تھے۔ شہادت پر ان کی اہلیان کی میت لینے کے لیے آئیں اور پھر ان کی تدفین کی گئی۔ ان کی تلوار جو درحقیقت انہیں وراثت میں ملی تھی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تھی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خرید لی اور پھر یہی تلوار انہوں نے حضرت عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو تختہ میں مدینہ منورہ بجاوادی تھی۔

علم کے مختلف شعبے.....!

فرمایا علم کے بعض شعبے ایسے ہیں جن سے ہمیں اپنی معاشرتی زندگی میں واسطہ پڑتا ہے۔ مثلاً طب ہے کہ ہر شخص بیماری میں طبیب کی طرف رجوع کرتا ہے۔ مکانات کے نقشے اور تعمیرات کا، پورا ایک علم و فن ہے اب ہر آدمی کو اس کی ضرورت ہے تو ایسے علوم میں کفار سے استفادے کی اجازت نہ صرف شریعت نے دی ہے بلکہ یہ ثابت ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حارث بن کلدہ سے مشورہ کرنے اور دوا لینے کا حکم فرمایا جبکہ حارث بن کلدہ

کافر تھے۔ ان کا انتقال بھی کفر پر ہی ہوا تھا۔ اور ان کے بیٹے حضرت حارث بن حارث رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے تھے اور وہ مولانا القلوب میں سے تھے۔

صاحب نور الانوار پر تنقید — دو ہر امعیار کیوں؟

فرمایا آئمہ حنفیہ رحمہم اللہ پر تو جین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا الزام دھرتے ہیں کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو فقیہ نہیں مانتے۔ صاحب نور الانوار پر تنقید ہے کہ وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو فقیہ نہیں مانتے اور تمہیک یہی باتیں علماء تاریخ و اسماہ الرجال کہیں تو پھر کوئی بات نہیں۔ مخالفین احناف نے یہ دھرا معیار کیوں بنا رکھا ہے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہ جالے کا فتویٰ دیں اور اس فتوے پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تنقید فرمائیں تو وہ درست اور احناف یہ بات اور اس کا نتیجہ بیان کریں تو نا درست۔ علماء اسماہ الرجال اور حافظ ابن الاثیر رحمہم اللہ تحریر فرمائیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ علم حدیث میں توجید تھے لیکن علم فقہ میں جید نہ تھے تو صحیح اور صائب اور یہی جملہ اور اس کے مضمرات ہم بیان کریں تو تو جین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مرکب ٹھہریں یہ کہاں کا انصاف ہے؟ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دلائل کی بنا پر کوئی حنفی فقیہ غیر مجتہد تحریر کرے تو گنگا پر ٹھہرے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ غافل قرار دیں تو قابل ستائش اور محقق ٹھہریں۔ کیا اسی کا نام بدل ہے؟ حالانکہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے غیر مجتہد ہونے پر خود احناف کا اختلاف ہے۔ علامہ ابن ہمام رحمہم اللہ نے فتح القدیر میں ان دونوں جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

کو مجتہد قرار دیا ہے۔

عبادہ اربعہ سے مراد کون ہیں؟

فرمایا

کتب احادیث میں جب یہ جملہ آتا ہے کہ عبادہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں یا عبادہ اربعہ کی یہ روایت ہے تو عبادہ اربعہ سے مراد چار عبداللہ ہوتے ہیں۔ عبادہ دو حقیقت عبداللہ کی جمع ہے اور اربعہ کا مطلب ہے چار، تو اس اصطلاح کا مطلب یہ ہوا کہ چار عدد عبداللہ اس قول یا فعل پر متفق ہیں یعنی چاروں کا عمل یا فتویٰ یہی ہے۔ چار، عبداللہ سے محدثین کی مراد:

① عبداللہ بن عمر رضی اللہ

② عبداللہ بن عباس رضی اللہ

③ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ

④ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ، ہیں۔

یہ چاروں عبداللہ رضی اللہ عنہم حضرت رسالت مآب ﷺ کے انتقال کے موقع پر نوجوان اور کم عمر تھے اس لیے طبعی طور پر بہت مدت تک حیات رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان میں شامل نہیں ہیں کیونکہ وہ ان چاروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عمر میں بڑے تھے اور پھر ان کی وفات بھی خلافت عثمانی میں ہو گئی تھی پھر یہ بھی ہے کہ ان عبادہ اربعہ سے مراد اگر کوئی اور عبداللہ بھی لیا جائے تو پھر تو عبداللہ نام کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد دو سو سے بھی زائد ہے، جنہوں نے حضرت رسالت مآب ﷺ کے دیدار سے

ﷺ

اپنی آنکھیں روشن کی ہیں۔ ایسے ہی جن حضرات نے ان عبادہ اور بعد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو شامل کر کے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے نام کو حذف کیا، ان کے اس ترمیم و اضافے کو محدثین کرام رضی اللہ عنہ نے قبول نہیں کیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے مفتیان کرام۔

فرمایا امام ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "اصحاب الفتناء من الصحابة والشاہین و من بعدهم علی مرتبہم فی سکرۃ الفتناء" میں مطلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد ۱۳۶ تحریر فرمائی ہے اور اس کتاب کے محقق سید کردی نے حواشی میں یہ تعداد ۱۳۴ مردوں اور ۲۰ عورتوں کی تحریر کی ہے اور اس طرح سے یہ کل تعداد ۱۶۲ بن جاتی ہے۔ اپنے ذخیرۂ کتب میں موجود کتاب کو دیکھ لیا جائے۔ رَحِمَی اللہُ عَنْہُمْ وَ عَنَّا۔

وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کی روایات کی تعداد ہزاروں میں ہے۔

فرمایا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کس صحابی سے کتنی احادیث کی روایات ملتی ہیں؟ اس سوال کے جواب کے لیے امام ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ کی کتاب "اسماء الصحابة الرواة و ما لکل واحد من العدد" کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کی روایات کی تعداد ہزاروں میں ہے، کہتے ہیں؟ ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ نے صرف چار صحابہ کرام ① حضرت ابو ہریرہ ② حضرت عبداللہ بن عمر ③ حضرت انس بن مالک ④ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ فرمایا ہے۔



اَنْظُرْ كَيْفَ نَصَرَفُ الْاَيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ.

(پ: ۷، سورۃ الانعام، آیت: ۶۵)

دیکھو! ہم دلائل کو کیسے بار بار بیان کرتے ہیں تاکہ وہ لوگ گہری سمجھ سے کام لیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور فقہیہ کے تین اوصاف۔

﴿فرمایا﴾

کسی شخص نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مسئلہ پوچھا اور اپنے سوال کے ساتھ ساتھ مختلف فقہاء کے مسائل کا تذکرہ بھی کیا کہ ان کے فتاویٰ تو یہ ہیں، اب آپ کیا فرماتے ہیں؟ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تم نے کبھی فقہیہ دیکھا ہے کہ کون ہوتا ہے؟ پھر فرمایا فقہیہ وہ ہے جس میں تین باتیں ہوں:

- ① دنیا کی محبت سے پاک ہو۔
- ② اپنے دین اور مسلک سے صحیح معنی میں باخبر ہو۔
- ③ ہمیشہ اپنے پروردگار کی عبادت میں لگا رہے۔

”مسلم الثبوت“ اور اس کی پہلی شرح۔

﴿فرمایا﴾

اصول فقہ کی کتاب ”مسلم الثبوت“ کی اصل دیکھنی ہو تو علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کی ”المختصر“ ابن حاجب رحمۃ اللہ علیہ کی ”مختصر“ اور قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کی ”منہاج“ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ حضرت محبت اللہ بہاری رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی معروضات اس کے علاوہ ہیں۔ حنفی اور شافعی اصول فقہ خوب سمجھ میں آتے ہیں بشرطیکہ پڑھانے والا ان مباحث کو سمجھتا ہو۔ ملاحظہ فرمائیے اللہ قد باری نے اپنی کتاب ”مختصر المحصول فی علم الاصول“ میں ان مباحث کو لیا ہے، وہ بھی زیر مطالعہ فرمائیے چاہیے۔ لطف کی بات یہ بھی ہے کہ اس کتاب ”مسلم الثبوت“ کی سب سے پہلی شرح ”الفوائد العظمیٰ“ پانی درس نظامی

ملا نظام الدین فرنگی محلی (اتوفی ۱۱۶۱ھ بمطابق ۱۷۴۸ء) ہیئت نے، مصنف
قاضی محب اللہ بہاری (اتوفی ۱۱۱۹ھ) ہیئت کی زندگی میں ہی لکھوائی تھی۔

[پنے (Lease) پر دی جانے والی زمین کے احکامات۔]

فرمایا جو زمین (Leas) پر دی جاتی ہے اور دوا می پنے طے کر لیا جاتا ہے ان
زمینوں میں قبرستان اور مساجد بنانا جائز ہیں کیونکہ یہ پنے ہمیشہ کے لیے ہوتا ہے۔ لوگ
ان پر مکانات بنالیتے ہیں پھر توڑتے ہیں پھر نئے مکانات بنتے ہیں۔ یہ زمین اور
مکانات وراثت میں تقسیم ہوتے ہیں۔ وصایا نافذ کی جاتی ہیں۔ نہ آج تک حکومت
نے لوگوں کو ان کی زمینوں سے بے دخل کیا ہے اور نہ ہی ان زمینوں میں دفن مردوں کو
اکھاڑا ہے۔ نہ قبریں مساکر کی گئی ہیں اور نہ ہی مساجد کو شہید کیا گیا ہے تو پھر یہ وقف
یا پنے ہمیشہ کے لیے نہیں تو اور کیا ہے؟

اس لیے یہ وقف تابید ہے۔ شہ نہیں کرنا چاہیے۔ ہمارے ہاں راولپنڈی کینٹ تقریباً
سارے کا سارا اسی طرح دوا می پنے پر ہے۔ حکومت نے آج تک رعایا، مساجد اور
قبرستان کا ازالہ نہیں کیا بلکہ لوگوں کی ملکیت کا اثبات اور جب مدت وقف پوری
ہو جائے تو اپنا حصہ وصول کر کے دوبارہ داغی پنے پر دے دیتی ہے تو یہ تمام مساجد،
قبرستان، وصایا کا نفاذ اور خرید و فروخت درست ہے۔ علامہ ابن حمام ہیئت نے
فتح القدیر میں اس مسئلے پر عمدہ بحث کی ہے۔

خواتین کا قبرستان جانا۔

فرمایا

خواتین اگر قبرستان جائیں اور غیر شرعی اعمال مثلاً بدعات اور بین و غیرہ کرنے کی مرگب نہ ہوں تو ان کے لیے یہ زیارت قبور ممنوع نہیں۔ انھیں بھی مردوں ہی کی طرح اجازت ہے، منع نہیں کرنا چاہیے۔ اصل کام سے نہیں روکنا بلکہ اس مستحب کام کے ساتھ جو ناجائز امور بڑھادیئے جاتے ہیں انھیں منع کرنا چاہیے۔ ہاں لوگ اگر بازاری نہ آئیں تو پھر اجازت ہے کہ اس مستحب کام کی اجازت نہ دی جائے کیونکہ اس صورت میں مستحب کام (زیارت قبور) حرام کام (بدعات) کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب حج کے لیے مکہ مکرمہ جاتی تھیں تو راستے میں ان کے بھائی حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قبر بھی پڑتی تھی، وہ اس قبر کی زیارت بھی کرتی تھیں۔ حنفی فقہاء کرام رحمہم اللہ میں سے امام علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری (المتوفی ۷۳۰ھ) نے جو ”کشف الاسرار عن اصول امیر دوی“ میں عورتوں کے قبرستان جانے کا جواز لکھا ہے وہاں اسی روایت سے استدلال کیا ہے۔ حضرت ابن نجیم رحمہم اللہ نے ”المحرر الرائق“ میں بھی جواز کی کافوقی دیا ہے۔

وقف کی ہیئت کی تبدیلی۔

فرمایا

وقف کی ہیئت صرف اسی صورت میں تبدیل کی جاسکتی ہے جب واقف نے گھرانہ وقف کو یہ اختیار دیا ہو کہ وہ وقف کی مصلحت طوً نظر رکھتے ہوئے، ہیئت تبدیل

کر سکتا ہے مگر نہ تو وقت کو اپنی اصل حالت میں باقی رکھنا واجب ہے۔

نماز جنازہ اور نماز عید کے قضاء ہونے کا خطرہ اور تحکم۔

فرمایا

نماز جنازہ اور نماز عید دونوں ایسی نمازیں ہیں جن کی قضاء نہیں ہے۔ اس لیے شریعت نے یہ اجازت دی ہے کہ اگر ان دو فرض نمازوں کے قضاء ہونے کا خطرہ ہو تو خواہ پانی سامنے نظر آ رہا ہو، وضو نہ کرو، جمعہ کر لو اور ان دونوں نمازوں کو پڑھو۔

جانوروں میں نجفی اور ان کا حکم۔

فرمایا

انسانوں کی طرح جانوروں میں بھی نجفی ہوا کرتے ہیں۔ مردادہ دونوں کی علامتیں ایسی ہوتی ہیں کہ کوئی وجہ ترجیح نہیں ہوتی۔ نہ مردادہ ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا تو ایسے جانور کی قربانی درست نہیں ہوتی البتہ اس کو اگر ذبح کریں تو گوشت حلال ہوگا۔ ایسے کا گوشت کھنا بھی نہیں لیکن یہ گوشت کھانا جائز ہے۔

قربانی کے متعین جانور۔

فرمایا

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ قربانی کرو اور جانوروں کا خون بہانے پر تمہیں ثواب دوں گا۔ بس یہ بات ہے مگر نہ جانور کے خون بہانے پر ثواب ملنا ایسی بات ہی نہیں جسے عقل سلیم قبول کرے۔ اس لیے قربانی بھی فقط انہی جانوروں کی ہوگی جنہیں شرع نے متعین کیا ہے۔ ان کے علاوہ دیگر حلال جانوروں کی قربانی بھی درست نہیں۔ مثلاً

کوئی نیل گائے کی قربانی کرنا چاہیے، تو درست نہ ہوگی۔

اَنُو سے متعلق اہم معلومات۔

فرمایا اَنُو حرام ہے اور اس کا کھانا جائز نہیں حضرت رسالت پناہ ﷺ نے ہر اس پرندے کو حرام قرار دیا ہے جو اپنے پنجوں سے شکار کرتا ہے اور حکمت اس کی یہ ہے کہ آدمی جو گوشت کھاتا ہے اس جانور کی بدخصلت اس میں آسکتی ہے۔ جو چنچے والا پرندہ پنجے سے بے رحمی اور سنگ دلی سے شکار کرتا ہے ڈر ہے کہ اس کی یہ سنگدلی انسان کی خصلت نہ بن جائے اور انسان اگر سنگدل ہو جائے گا تو نصیحت قبول نہیں کرے گا۔ اَنُو نہ صرف یہ کہ اپنے پنجے سے، اپنے سے کمزور پرندوں کا شکار کرتا ہے بلکہ کبھی تو رات کے وقت کمزور بلیوں اور اس سے ملے جلتے جانوروں کو بھی نہیں چھوڑتا۔ تو اس لیے اس کی حرمت میں شبہ نہیں ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں جو اَنُو کو حلال لکھا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں پر اصل عربی عبارت میں لفظ ”بوم“ آیا ہے۔ اب اس لفظ ”بوم“ کا ترجمہ کرنے والا کوئی مفتی اور فقیر نہ تھا نہیں، اس نے ترجمہ ”اَنُو“ کر دیا حالانکہ عربی میں ”بوم“ ہر اس پرندے کو کہا جاتا ہے جو رات کی تاریکی میں اپنے آشیانے سے نکلتا ہے۔ سو جو پرندے رات کو اپنے آشیانے سے نکلتے اور انکے چنچے نہ ہوں تو وہ کھانا جائز ہوں گے اور جن کے چنچے ہوں گے اور وہ ان سے شکار کرتے ہوں گے، اگرچہ وہ ”بوم“ تو ہوں گے لیکن ان کا کھانا ناجائز ہوگا۔ اس لیے مترجم نے بوم بمعنی چنچہ یعنی ”اَنُو“ ترجمہ کر کے اسے جائز لکھا حالانکہ یہ کیونکر حلال ہو سکتا ہے کیونکہ چنچے سے شکار

کرتا ہے، گوشت خور ہے۔ اس کے پیچھے بہت سے شکاری پرندوں کے بچوں سے زیادہ تیز ہیں۔ نیپال میں ”آلو“ بازاروں میں بکتے دیکھا۔ لوگ خرید رہے تھے۔ ایک ہندو شخص ایک سڑک کے کنارے بیٹھا بیچ رہا تھا۔ وہاں اسے اور اس کے بچوں کو خوب غور سے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ ایک شاعر نے کہا ہے

۔ شاید وہ عاشقوں کو سمجھتا ہو یومِ محض

رکھتے ہیں جو وفا کی تمنا جفا کے بعد

ایک دور ایسا بھی تھا کہ شرفاء کسی احمق کو ”آلو“ کہنا خلافِ ادب سمجھتے تھے چنانچہ جس کو ”آلو“ کہنا ضروری ہوتا تھا اسے ”کھکھو“ کہہ دیا کرتے تھے۔ یہی لفظ اب تک پنجاب میں بولا جاتا ہے اور کسی کو بے وقوف کہنا ہو تو ”کھکھو“ بول دیتے ہیں۔

[جہاں کوئی مسلمان شرعی حاکم موجود نہ ہو وہاں علماء کرام
اس کے قائم مقام سمجھے جائیں گے۔]

فرمایا جس جگہ کوئی مسلمان شرعی حاکم نہ پایا جائے وہاں علماء اس شرعی حاکم کے قائم مقام بن جائیں گے۔ اور اگر کسی ایک عالم پر لوگ متفق نہ ہو رہے ہوں تو پھر ہر علاقے کے لوگوں کو چاہیے کہ اپنے علاقے کے سب سے بڑے عالم دین کا اتباع کریں اور اگر علماء بھی علم میں برابر ہوں تو پھر ان کے درمیان قرعہ اندازی کر لینی چاہیے۔

حکمران وقت کا قاضی مقرر کرنا۔

فرمایا حکمران وقت خواہ عادل ہو یا ظالم، مسلمان ہو یا کافر، مسلمانوں کے باہمی تنازعات یا امور شرعیہ کے فیصلے کے لیے جب وہ کسی مسلمان عالم دین کو قاضی مقرر کر دے گا تو اس قاضی کا تقرر درست ہوگا۔

ورثاء کو وراثت سے محروم کرنے والے، خود کہیں
جنت سے محروم نہ کر دیے جائیں۔

فرمایا بعض لوگ اپنے ورثاء کو بغیر عذر کے، اپنے ورثے سے محروم کرنے کی چالیں چلتے رہتے ہیں کہ اپنا ترکہ ہی نہیں چھوڑنا چاہیے کہ کل ان کی اولاد یا رشتے دار ان کی وراثت سے فائدہ اٹھائیں۔ تو انہیں سوچنا چاہیے کہ جیسے وہ ورثے سے محروم کر رہے ہیں کہیں موت کے بعد اپنے حقیقی والد سیدنا آدم علیہ السلام کے ورثے (جنت) سے خود محروم نہ ہو جائیں۔ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے بدو عادی ہے کہ جو شخص اپنے ورثاء کو ترکہ دینے سے گریز کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت میں اسے اس کی میراث (جنت) سے محروم کر دے۔ ہاں کوئی شرعی عذر ہو مثلاً اولاد فاسق و فاجر ہو اور یقین ہو کہ میرا ترکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں استعمال ہوگا وغیرہ وغیرہ تو پھر اس صورت میں ورثاء کو محروم رکھنا مستحب ہے۔

گھریلو استعمال کی اشیاء اور ان کی ملکیت کا حکم

فرمایا

شوہر جو اشیاء گھریلو استعمال کے لیے خرید کر گھر لاتا ہے اور بیوی کے حوالے کر دیتا ہے مثلاً پچکھا، کرسیاں، صوفہ، میز، برتن وغیرہ تو جب تک صراحۃً یا قرآن سے یہ بات واضح نہ ہو جائے کہ اس نے یہ سامان اپنی بیوی کی ملکیت میں دے دیا ہے، اس وقت تک اس سامان کا مالک شوہر ہی گنا جائے گا اور اس کے مرنے کی صورت میں یہ اشیاء اس کی وراثت میں شمار کی جائیں گی۔ یہ سمجھا جائے گا کہ یہ تمام اشیاء اس مرد نے اپنی بیوی اور بچوں کو محض استعمال کے لیے دی تھیں، مالک نہیں بنایا تھا۔ شوہر کی خریدی ہوئی چیز سے عورتیں فائدہ اٹھاتی ہیں اور شوہر اپنی بیوی اور اولاد کے ان اشیاء کے استعمال کرنے پر خوشی کا اظہار بھی کر دیتا ہے تو بھی یہ ان کے مالک ہونے کی دلیل نہیں۔ ملکیت کے لیے صراحت یا ولایت یا قرآن چاہئیں۔

اولاد کو وراثت سے محروم کرنا

فرمایا

یہ جو لوگ اخبارات میں اشتہارات دیتے پھرتے ہیں کہ ہم نے اپنی اولاد کو وراثت سے عاق کر دیا، یہ اعلانات محض بے کار ہیں۔ کوئی شخص وصیت بھی کر جائے کہ میرا سارا مال فلاں کو دے دیا جائے یا فلاں کو محروم کر دیا جائے تو اس کی وصیت کا کوئی اعتبار نہیں۔ میراث دینے والے خود اللہ تعالیٰ ہیں، نہ تو کوئی شخص کسی کا یہ حق ساقط کر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی شخص خود اپنا یہ حق ساقط کر سکتا ہے۔ وارث اگر کہہ بھی دے،

جیسے کہ ہمارے معاشرے میں خواتین یہ کہہ دیا کرتی ہیں — میں نے اپنا حصہ وراثت چھوڑ دیا — تو بھی کہنے والے کا حق ساقط نہ ہوگا، جہاں خواتین کو وارث بنایا جائے گا۔ وراثت سے محروم کرنے یا خود ہو جانے کی کوئی صورت نہیں۔ صرف دو صورتوں میں حق وراثت کسی مسلمان سے ساقط ہوگا ایک تو یہ کہ مثلاً کوئی خاتون اپنا حق وراثت قبضے میں لے کر کسی کو دے دے تو اب جس کو یہ دیا جا رہا ہے اس کے لیے یہ ہدیہ ہو جائے گا، وراثت نہ رہے گی اور دوسرے یہ کہ کوئی شخص حالت صحت میں اپنا مال خود ختم کر دے تو اب موت کے بعد اس کا کوئی ترکہ نہ ہوگا تو جب ترکہ ہی نہ رہا تو وراثت کا ہے میں تقسیم ہوا؟ ارثہ اور غیرہ کی صورتیں اس مسئلے سے الگ ہیں۔

منصوص مسائل اور لوگوں کا تعامل

فرمایا منصوص مسائل کے بالمقابل لوگوں کا تعامل معتبر نہیں ہوتا۔

فقہاء نے جن اقوال کو مرجوح قرار دیا ہے

ان کے مطابق فتویٰ دینا جائز نہیں

فرمایا فقہاء احناف رحمہم اللہ نے اپنی کتب فتاویٰ میں جن اقوال کو مرجوح قرار دیا ہے، ان کے مطابق فتویٰ دینا جائز نہیں۔ مرجوح اقوال پر فتویٰ منصف افتاء کے خلاف بھی ہے، جہالت بھی ہے اور اجماع کو باطل قرار دینا بھی ہے۔

سود کے متعلق احکامات.

فرمایا سود کے حرام مال کا اگر کوئی شخص مالک بن جائے تو وہ ملک غبیٹ ہے۔ اس لینے والے پر فرض ہے کہ یہ ناپاک مال جن افراد سے لیا ہے انھیں واپس کرے اگر وہ لوگ زندہ نہ ہوں تو ان کے ورثاء کو ڈھونڈ کر واپس کرے وہ بھی نہ ملیں تو بغیر نیت ثواب اس مال کو صدقہ کر دے۔ اور اگر وراثت میں سودی مال ایسا ملے کہ اصل مالکان کا بھی معلوم نہیں اور اس سودی مال کے ساتھ کچھ حلال مال کی بھی آمیزش ہے تو اب تقویٰ تو یہ ہے کہ کل مال صدقہ کر دے، یہ بہتر ہے اور اگر صدقہ نہ کرے اور اس مخلوط مال کو اپنی ضروریات میں استعمال کرے تو جائز ہے۔ مال کا حرام ہونا، پشت بہ پشت چمکا رہتا ہے لیکن وراثت میں یہ صورت نہیں ہوتی۔ حرام کی وراثت اگر اصل مالکان یا ان کے ورثاء معلوم ہیں تو انھیں لوٹائی جائے۔ ورنہ یہ مال اصل مالکان کی طرف سے نیت کر کے صدقہ کر دیا جائے اور اگر حرام و حلال مخلوط ہو تو یہ مال مشتبہ بھی ہے، اور پھر اگر اصل مالکان کا بھی علم نہیں تو اب وارث کے لیے جائز ہے لیکن اس سے بھی بچے تو تقویٰ اور رضائے الہی کا سبب ہے۔

امام ابو بکر خصاف رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ اور باقی آئمہ کی رائے۔

فرمایا اکابرین امت کا احترام چاہیے جو دنیا کا نظام قائم رکھنے اور آخرت میں نفع بخش ہے لیکن پرستش نہیں کرنی چاہیے۔ یہود و نصاریٰ اسی سبب سے اپنے دین میں

تحریف کے مرتکب ہوئے کہ ان کے ہاں جس کسی نے کوئی مسئلہ طے کر دیا اب دلائل سے اس کے خلاف ثابت بھی ہو جائے تو بھی نہیں ماننا، اپنے علماء و مشائخ کو شارع کا درجہ دے دیا۔ یہ ”شُرک فی الرسالۃ“ تھا جو آہستہ آہستہ بڑھتا چلا گیا اور شرک باللہ کا سبب بنا۔ ایسے ہی اکابرین امت کا احترام نہ کرنا، ان کی مساعی کی قدر نہ کرنا، ان کے مقام سے نادانیت اور ان کی توہین تو نہایت خطرناک ہے۔ یہ صحیح حرکت تو کبھی کبھی سلب ایمان کا موجب بن جاتی ہے۔ ہمارے دور کے بعض اہل حدیث نوجوان اور وہابی تو خاص طور پر اس مصیبت میں مبتلا ہیں اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے اور انہیں سلامتی کی راہ نصیب فرمائے۔

اپنے اکابر سے علمی اختلاف ہمیشہ امت میں رہا ہے۔ چاہیے کہ اختلاف اور احترام کو جمع کیا جائے۔ دیکھیے علامہ احمد بن عمرو بن مسیر الشیبانی المعروف امام ابو بکر خصاص رحمۃ اللہ علیہ اتونی رحمۃ اللہ علیہ کس قدر بلند پایہ شخصیت ہیں۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے صرف دو واسطوں سے شاعر ہیں، فتویٰ یہ دیتے ہیں کہ نکاح میں لڑکی کا وکیل، لڑکی کی غیر موجودگی میں، اس کا نام لیے بغیر نکاح کر دے تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔ حضرت شمس اللہ نسیمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس فتوے کا بہت احترام کیا ہے اور فرمایا کہ حضرت ابو بکر خصاص رحمۃ اللہ علیہ بلند پایہ ہستی تھے ان کے فتوے کو مانا جائے لیکن اس کے باوجود علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس فتوے پر اپنی رائے تحریر فرمائی کہ حضرت خصاص رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ امام کبیر تھے لیکن فقہ حنفی میں فتویٰ اس کے برعکس ہے۔ ایک دوسری مثال دیکھیے ایک شخص نے کسی سے دس لاکھ روپے قرض لیے۔ اب واپس نہیں کرتا۔ تو جس شخص نے قرض دیا ہے کیا اس

کے لیے یہ درست ہوگا کہ وہ اپنے قرض کے عوض اس شخص کی کسی ایسی گاڑی پر قبضہ کر لے، جس کی مالیت بھی دس لاکھ ہے۔ حنفی فقہاء رحمہم اللہ اسے جائز نہیں کہتے تھے کہ شے کی جنس بدل گئی۔ قرض تو دس لاکھ کے نوٹ دیے تھے اور واپس گاڑی لی جا رہی ہے جو کہ نوٹ نہیں ہیں۔ لیکن علامہ مقدسی رحمہم اللہ نے اس فتوے سے اختلاف کیا اور لکھا کہ میرے والد کے ماما جمال اشقر رحمہم اللہ نے یہ فتویٰ دیا کہ خلاف جنس قرض وصول کرنے کا فتویٰ اکابر کے دور میں اس وجہ سے تھا کہ لوگ قرض کی ادائیگی میں شریعت کا خیال رکھتے تھے اور اب لوگ قرض لے کر بے فکر ہو جاتے ہیں مسلسل اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں یعنی رقم ہونے کے باوجود قرض ادا نہیں کرتے اس لیے اب فتویٰ یہ ہوگا کہ خلاف جنس سے قرض واپس لے لینا درست ہے۔ اس طرح کی سینکڑوں مثالیں مل جائیں گی کہ اکابر نے اصغر کے قول کو قبول کیا اور اصغر نے اکابر کے اقوال سے ہٹ کر فتویٰ دیا تو یہ علمی اختلافات ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ اس میں نہ تو کسی کی توہین ہے اور نہ عدم احترام۔ اگر کوئی شخص اسے عدم احترام سمجھتا ہے تو اسے چاہیے کہ اپنی طبیعت میں اعتدال پیدا کرے۔

امام ابو بکر خصاف رحمہم اللہ کا فقہی مقام و خدمات۔

فرمایا حضرت امام ابو بکر خصاف اشعیاہی رحمہم اللہ کے والد ماجد عمرو بن مسیر اشعیاہی رحمہم اللہ، حضرت حسن بن زیاد تولوی رحمہم اللہ کے شاگرد تھے اور وہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہم اللہ کے، سواں طرح امام ابو بکر خصاف رحمہم اللہ بدو واسطہ حضرت الامام الاعظم رحمہم اللہ کے شاگرد

تھے۔ حدیث میں ابو داؤد الطیالسی، مسدد بن سرحد، علی بن مدینی، ابوفیم، فضل بن دین، امام واقدی، سفیان بن عیینہ، کندی، وکیع بن الجراح، ابن ابی الزناد جیسے محدثین اور فقہائے کرام رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ بہت کتابیں تحریر فرمائیں۔ کتاب الوصایا، کتاب الشروط الکبیر، کتاب الرضا، کتاب النفقات علی الاقارب، کتاب ذرائع الکفایہ، کتاب احکام الوقت، کتاب المسجد والقرآن اور ان کے علاوہ بھی بہت کتابیں ہیں لیکن افسوس کہ اب اکثر کتابیں نہیں ملتیں۔ خلیفہ وقت المصطفیٰ باللہ العالی کو ان کے فتوے پر بہت اعتماد تھا اور انھیں اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا لیکن جب وہ قتل ہوا تو شہید کرنے والوں نے اسے جان سے اور انھیں کتابوں سے محروم کر دیا۔ ان کی کتابوں کی لوٹ مار ہوئی اور کچھ مسودات وہ ساتھ لے گئے، انہوں نے اس خلیفہ وقت کے لیے ایک کتاب ”کتاب الخراج“ بھی لکھی تھی۔ متقی اسنے تھے کہ ہمیشہ اپنے ہاتھ سے محنت مزدوری کر کے اپنا رزق کماتے رہے۔ محنت کیا تھی؟ چمڑے سے جوتے بنانا، پیٹے سے آدمی کا مرتبہ متعین نہیں ہوتا، ذات اور پیشہ دیکھیے اور علمی مرتبہ اور جلالت شان دیکھیے۔ احناف کے آئمہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی کتاب النفقات کی شروح امام ابو بکر بھاص رازی، امام حلوانی، امام سرخسی، امام اسماعیلی اور حضرت صدر الشہید رحمہ اللہ جیسی ہستیوں نے تحریر فرمائی ہیں لیکن افسوس کہ اب ان میں سے اکثر شروح نایاب ہیں۔



تقلید کیا ہے؟

فرمایا ہر جھڑے میں، فیصلے کی غرض سے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت رسالت مآب ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے گا مگر ہر شخص کو بلا واسطہ رجوع کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ یہ ضروری ہے کہ رجوع کرے لیکن جو کچھ حکم ہو اس کو سمجھنے کے لیے واسطہ ضروری ہوتا ہے اور اسی واسطے کی اتباع تقلید کہلاتی ہے۔

قربانی کی کمال کے احکامات.

فرمایا قربانی کی کمال شوہر اور بیوی ایک دوسرے کو ہدیہ کر سکتے ہیں اور جو ہدیہ قبول کرے اگر اس ہدیہ کو بیچ دے تو اس کی قیمت اسے استعمال کرنا درست ہے۔ مثلاً شوہر نے قربانی کی اور اپنے جانور کی کمال بیوی کو ہدیہ کر دی، بیوی نے یہ کمال فروخت کر کے دام نکھرے کیے تو اب یہ رقم اس بیوی کو خرچ کرنا درست ہے۔ ایسے ہی قربانی کی کمال سادات کرام کو دینا بھی جائز ہے۔

نکاح ایک پانچ عہد.

فرمایا نکاح اور طلاق کو لوگوں نے کھیل سمجھ رکھا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نکاح کو ”بیثاق غلیظ“ (نہایت پانچ عہد) فرماتا ہے۔ یہ اتنا مضبوط عہد ہے کہ شوہر کو اگر کوڑھ یا مہلہ سہری ہو جائے تو بھی عورت طلاق کا مطالبہ نہیں کر سکتی اور شوہر بیوی سے کسی نقص

کی وجہ سے صحبت نہ کر سکے مثلاً بیوی کے ستر کا مقام جڑ گیا اور مرد دخول نہیں کر سکتا یا بیوی کے اس مقام پر بڑی ابھڑائی اور شوہر اپنی ضرورت پوری نہیں کر سکتا تو پھر بھی بیوی کا کوئی قصور نہیں وہ ان وجود کی بنا پر اسے طلاق دینا تو درکار، اس کا نان و نفقہ بھی بند نہیں کر سکتا۔

جو شخص حرام مال چھوڑ کر مر جائے تو.....!

فرمایا جو شخص حرام مال چھوڑ کر مر جائے تو اس کے ورثہ کو چاہیے کہ اس کل مال کو صدقہ کر دیں کیونکہ اب انھیں تو معلوم نہیں کہ یہ مال کس کس شخص سے وصول کیا گیا ہے اور اس مال کا اصل مالک کون ہے۔ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ یہ تمام مال اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچ کر امانت رہے گا اور قیامت میں تفصیلی حساب کے وقت اللہ تعالیٰ یہ مال اصل مالکوں کو اس عالم شخص کی طرف سے پہنچا دے گا۔ فتاویٰ عالمگیری میں متفرق مسائل کے ضمن میں جہاں فصب کے مسائل تحریر کیے گئے ہیں، وہاں یہ مسئلہ مل جائے گا۔

دعوت و یرسہ اور اس کا قبول کرنا۔

فرمایا اگر کوئی دوست و یرسہ کی دعوت دے اور اس تقریب میں کوئی شریعت کے خلاف کام نہ ہو، تو ایسی دعوت کو قبول کرنا بعض فقہاء کرام کے نزدیک تو واجب ہے کہ اسے قبول نہ کرنے پر گنہگار ہوگا چنانچہ فتاویٰ تاجرانہیہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

علامہ یحییٰ بن علیؒ نے اسے واجب کے قریب لکھا ہے اور فتویٰ اس بات پر ہے کہ اس دعوت میں جانا، بشرطیکہ کوئی غیر شرعی کام نہ ہو رہا ہو، تو سنت مؤکدہ ہے اور کھانا کھالے تو بہت اچھا ہے کہ دوستوں کو ملی خوشی ہوگی اور اگر کسی وجہ سے نہ کھا سکے تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔

جانور کو ذبح کرتے وقت تکبیر کا حکم

فرمایا جانور کو ذبح کرنے کے لیے جب قصاب چھری چلائے اور کوئی انسان قربانی کے ارادے سے اس قصاب کی چھری پر ہاتھ رکھ کر اس چھری کو چلانے لگے تو اس کے لیے بھی یہ ضروری ہوگا کہ وہ تکبیر پڑھے۔ دونوں پر تکبیر ذبح واجب ہے۔ اگر ایک نے بھی یہ سوچا کہ دوسرا تو تکبیر پڑھ رہا ہے مجھے کیا ضرورت ہے اور تکبیر نہ پڑھی تو جانور حرام ہو جائے گا۔

حربی کا فراء و صدقہ

فرمایا حربی کا فراء کو مسلمان صدقہ نہیں دے سکتا۔ احناف نے لکھا ہے کہ اگرچہ وہ مستامن بھی ہو تو بھی اسے تمام صدقات دینا ناجائز ہے۔ اس کے ساتھ صلہ رحمی بھی نہیں کی جائے گی اور نہ ہی اس پر احسان کیا جائے گا۔



بد نظری کی نیت اور فقہاء کرام۔

فرمایا

یہ جو فرمایا گیا ہے کہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے تو اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ کسی شخص نے نگاہ اٹھائی اور دور فاصلے پر اسے ایک عورت نظر آئی، اب یہ اسے دیکھنے کی نیت سے بار بار نگاہ اٹھاتا ہے۔ اس غیر محرم کو دیکھنا چاہتا ہے، لیکن جب بہت قریب آیا تو معلوم ہوا کہ یہ تو نظر کا دھوکہ تھا، کوئی عورت نہیں بلکہ یہ تو ایک درخت ہے۔ اس فعل پر گناہ ہوگا کیونکہ نیت تو غیر محرم کو دیکھنے کی تھی چنانچہ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے اس کی تصریح کی ہے۔

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور فتح روم کی شرط۔

فرمایا

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے روم کی فتح کے بارے میں جو شرط لگائی تھی، جب کفار مکہ وہ شرط ہار گئے تو آپ نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے شرط میں طے شدہ اونٹ کفار مکہ سے لے لیے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار مکہ حربی کافر تھے۔ اور حربی کافر کا مال معصوم نہیں ہوا کرتا، اگر ان کا مال معصوم ہوتا تو پھر یہ معاملہ جوا ہو جاتا۔ اور جو نے مال سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ یا اجازت حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم لے لیں، یہ کیسے ممکن ہے؟



فتاویٰ قاضی خان کا ایک اہم مسئلہ

فرمایا

حضرت الامام قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ کے کیا کہنے، حقیقتاً فقیرہ انفس تھے۔ ان کے فتاویٰ میں ایک مسئلہ لکھا ہے جس پر احناف کسر اللہ سوادھم کے مخالفین بہت جھگڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کہ جس شخص کی تکسیر پھوٹ پڑے اور خون بند نہ ہو اور وہ اپنی پیشانی پر اسی خون سے قرآن کریم کی کوئی آیت لکھے تو کیسا ہے؟ حضرت ابو بکر اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جائز ہے پھر ان سے عرض کیا گیا کہ اگر پیشاب سے کوئی آیت لکھے تو جائز ہے؟ فرمایا اگر اس میں شفاء معلوم ہو تو یہ بھی جائز ہے۔ عرض کیا گیا کہ اگر مردار جانور کی کھال پر قرآن لکھے تو؟ فرمایا یہ بھی جائز ہے۔ اب اس مسئلے کو بیان کرتے ہیں اور احناف رحمۃ اللہ علیہ کو مطمئن کرتے ہیں۔ جب کوئی سنتا ہے تو قرآن کریم کی نسبت سے یہ سب کچھ سن کر واقعی اس کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔ لیکن اس مسئلے کی حقیقت یہ ہے کہ فقہائے احناف رحمۃ اللہ علیہ اس فتوے کے ساتھ پہلی شرط یہ لگاتے ہیں کہ تکسیر کا خون اس قدر بہہ رہا ہو کہ تھمتا ہی نہ ہو حتیٰ کہ زندگی خطرے میں پڑ جائے۔ اب انسان غور کرے کہ ایسی حالت میں تو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں سور کے گوشت کو کھانے کی اجازت دیتے ہیں، یہ فتویٰ تو کم درجے کا ہے کہ سور کا گوشت تو جز و بدن بنے گا۔ اب احناف رحمۃ اللہ علیہ کے اس فتوے کو غلط استعمال کرنا ایسے ہی ہے جیسے کوئی عیسائی کل کو یہ کہے کہ مسلمانوں کی مذہبی کتاب قرآن میں سور کا کھانا جائز لکھا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ حضرت قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری شرط یہ تحریر

فرمادی کہ یہ عمل اس وقت جائز ہوگا جب پورے یقین سے یہ معلوم ہو جائے کہ اس طرح کرنے سے خون رک جائے اور انسانی زندگی بچ جائے گی۔ خود ہی انصاف کرنا چاہیے کہ اگر یقین سے یہ بات معلوم نہ ہو تو پھر جائز ہی نہیں ہوگا۔ اور اگر یقین سے معلوم نہ ہو اور پھر انسانی جان کا ضیاع ہو جائے کچھ پروا نہیں کرنی چاہیے، کون جھگندہ یہ مشورہ دے گا اس لیے اس شرط کے بعد ہی بات بنے گی۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اس عمل کے علاوہ کوئی دوا کارگر نہ ہو سکے تو یہ عمل جائز ہے۔ اب تو سائنس کی ترقی سے ایسی ایسی ادویہ بازار میں میسر ہیں کہ ان اعمال کی نوبت ہی نہیں آتی۔ اس لیے یہ عمل زمانہ قدیم میں بحالت اضطرار شاید ہوتا ہوگا تو اس زمانے کے اعتبار سے یہ فتویٰ ہوگا اور یہ کون ثابت کر سکتا ہے کہ اس فتوے پر کبھی عمل بھی ہوا ہے۔ بسا اوقات لوگ محض فرضی سوالات دریافت کرتے ہیں۔ اور یہ فعل واقع نہیں ہوتا۔ حضرت قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ کی ان تین شرائط کے بعد احناف رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں چوتھی شرط یہ ہے کہ مریض کے لیے کوئی متبادل دوا تو ہو لیکن فوری طور پر مل نہ رہی ہو تو پھر یہ عمل جائز ہے۔ گویا کہ مریض کی جان بچانے کے لیے یہ عمل کیا جاسکتا ہے۔ اب خود کرنا چاہیے کہ جو عمل ان چار شرائط کے ساتھ متعین ہو

① مریض کے مرنے کا اندیشہ

② عمل سے یقینی طور پر زندگی کا بچاؤ

③ عمل کے علاوہ کوئی دوا نہ ہو

④ دوا ہو لیکن دستیاب نہ ہو، تو پھر یہ عمل کیا جاسکتا ہے۔

اب کہاں یہ چار شرائط اور کہاں یہ کہنا کہ احناف کے نزدیک ناپاک خون اور پیشاب سے قرآن لکھنا جائز ہے۔ جب خوف خدا نہ ہو تو پھر تہمت گھڑنے میں کیا دیر لگتی ہے۔ اس طرح تو قرآن کریم سے یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ کفر کا کلمہ کہنا، توہین رسالت کا ارتکاب اور گنہگار کی توپہ بھی قبول نہ ہونا سبھی باتیں قرآن میں لکھی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ احناف کتاب و سنت کا اتنا احترام اور ادب کرتے ہیں کہ باید و شاید۔ ہمارے حضرت، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو اپنے اجتہاد اور مسلک کی بنیاد ہی اس بات پر رکھی ہے کہ ہمارے ہاں حدیث شریف اگرچہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو، قیاس اور رائے سے بہتر ہے۔ اس اصول پر حنفی فقہاء کا اجماع ہے اور ہمارے اس اصول کو ہر مکتپہ فکر کے فقہاء کرام نے نقل بھی کیا ہے کہ احناف کے ہاں یہ اصول مسلم ہے۔ ”اعلام الموقعین“ میں حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ تک نے اس اجماع کو نقل کیا ہے۔ کونہیں کی پاکی اور ناپاکی کے متعلق جو بھی مسائل ہیں، ان میں ہم نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار پر عمل کیا ہے اور قیاس کو بالکل ترک کر دیا ہے۔ امام بیہقہ کر نماز پڑھائے اور اس کے پیچھے مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھیں، یہاں قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ مقتدیوں کی نماز فاسد ہو کیونکہ مقتدی کی حالت قیام کی ہے اور امام کی حالت بیٹھنے کی ہے تو مقتدی کی حالت امام سے بہتر ہے اور اگرچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ یہ ہے، لیکن ہم نے قیاس کو صحیح حدیث ہی کی بنیاد پر تو ترک کیا ہے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض و وفات میں نماز میں بیٹھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی امامت کی حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حالت قیام کی تھی۔ اس لیے احناف کے خلاف یہ ڈھنڈورا پیٹنا کہ ان کی فقہ

خلاف حدیث ہے، ایسا الزام ہے جس کی بازپرس قیامت میں ہوگی، ہمیشہ جھوٹ اور تہمت لگانے سے بچنا چاہیے۔ مقلدین میں سے جو محمد شہن کرام اور غیر مقلدین میں سے جو آئمہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے ادبی کے مرتکب ہوتے ہیں، کبھی کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور اپنی روش تبدیل کریں وگرنہ بے ادبی دنیا و آخرت دونوں پر ہاد کر دیتی ہے۔

ازدواجی تعلقات قائم کرنے میں تین مقاصد۔

فرمایا

اہلہ کے ساتھ تعلق قائم کرنے میں تین مقاصد یا نیتیں ہونی چاہیں

① اللہ تعالیٰ صالح اولاد عطا فرمائیں۔ امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہما تو شادیاں اسی غرض سے کرتے رہے کہ اولاد صالحہ میں اضافہ ہو۔

② بیوی کے حقوق کی ادائیگی کے لیے کہ حقوق العباد میں بیوی کا ایک اہم حق یہ بھی ہے

③ اپنے اطمینان نفس کے لیے کہ ذہن پر سکون ہو اور اپنے دینی اور دنیوی کام اطمینان سے پایہ تکمیل تک پہنچا سکے۔

مشتبہ مال اور اس کا مصرف۔

فرمایا

کسی شخص کے پاس کوئی ایسا مشتبہ مال ہو جسے اس نے خیرات کرنا ہے تو یہ ضروری تو نہیں کہ وہ اس مال کو کسی غیر پر خیرات کرے یا مسجد کے بیت الخلاء بنواوے اگر اس مال کو وہ اپنے بھائی کو دے دے، والد کو دے دے یا خاندان میں ہی کسی کو دے دے تو اس کی ذمہ داری ادا ہو جائے گی۔

حضرت رسالت مآب ﷺ کے لیے دعائے مغفرت۔

فرمایا

حضرت رسالت مآب ﷺ صغائر و کبائر تمام گناہوں سے معصوم تھے اس لیے کوئی امتی ان کے لیے دعائے مغفرت مانگے، یہ جائز کیا، گناہ کی بات ہے۔ کیونکہ یہ وہم پیدا ہوگا کہ ان سے کوئی کوتاہی ہوگئی تھی جو امتی ان کے لیے دعائے مغفرت مانگ رہا ہے۔

خطبہ جمعہ کے احکام۔

فرمایا

خطبہ جمعہ جب شروع ہو جائے تو پھر اس کے سننے کا حکم نمازی کی طرح کا ہو جاتا ہے یعنی جیسے نماز میں کھانا پینا، بات چیت کرنا، ادھر ادھر دیکھنا، گھڑی دیکھنا، پیدل چلنا کوئی فضول حرکت کرنا وغیرہ بھی کام منع ہیں ایسے ہی یہ کام اگر کوئی خطبہ کے دوران کرے تو گنہگار ہوگا۔

وقف کو دوبارہ وقف کرنا۔

فرمایا

وقف کو دوبارہ وقف نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً ایک مقام پر قبرستان تھا اور اس کی زمین وقف تھی اب اگر کوئی یہ چاہے کہ ان تمام قبروں کو مٹا کر دوبارہ اس زمین کو مسجد کے لیے وقف کر دے تو حرام ہے وہ دوبارہ وقف ہو نہیں سکتی کیونکہ اب اس پر قبرستان بن چکا۔

فاسق اور عدالت میں گواہی۔

فرمایا

جس شخص کو شریعت کا ضروری علم بھی حاصل نہ ہو مثلاً اسے یہ نہ پتہ ہو کہ غسل یا وضو کب فرض ہوتا ہے یا نماز کے فرائض کیا ہیں یا نماز کن کاموں سے ٹوٹ جاتی ہے یا نماز باجماعت کو جان بوجھ کر ترک کر دیتا ہے یا اپنی اولاد کو گالیاں دیتا ہے، مصلے وغیرہ میں لوگوں کو گالیاں دیتا پھرتا ہے یا اسے معلوم ہی نہیں کہ ضروریات دین کیا ہیں تو ایسا شخص خود ہی فاسق ہو جائے گا اور عدالت میں اس کی گواہی قابل قبول نہ ہوگی۔

زکوٰۃ کا وکیل اگر خود مستحق ہو تو....!

فرمایا

کسی شخص نے اپنی زکوٰۃ کا وکیل کسی دوسرے شخص کو بنایا اور اسے اجازت دی کہ وہ زکوٰۃ کی رقم جس مستحق کو چاہے، دے دے تو اگر یہ وکیل خود مستحق ہے یا اس کی اولاد، بیوی وغیرہ مستحق ہیں تو یہ زکوٰۃ کی رقم یہ خود بھی رکھ سکتا ہے اور اپنی بیوی اور بچوں کو بھی دے سکتا ہے کیونکہ زکوٰۃ دینے والے (مالک مال) نے اسے مطلقاً اجازت دے دی ہے۔

جائیداد کی تقسیم اور نکاح اولاد۔

فرمایا

جس شخص کے ورثاء مالدار ہوں یا اسے معلوم ہو کہ اگر میں اپنے مال میں سے ۱/۳ حصے کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کروں اور اس کے بعد بھی جو میرا مال یا جائیداد

بچے گی، میرے ورثاء میں سے ہر ایک کا حصہ اسے مالدار کر دے گا تو اس شخص کے لیے بہتر یہ ہے کہ اپنے مال میں سے $\frac{1}{3}$ حصہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دے اور اگر اسے معلوم ہو کہ جو مال اور جائیداد میں چھوڑ کر دنیا سے جاؤں گا، اس کے حصے جب تقسیم ہوں گے تو میرے تمام ورثاء مالدار نہ بن سکیں گے تو پھر ایسے شخص کے لیے ثواب کی بات یہ ہے کہ وہ اپنے مال میں سے $\frac{1}{3}$ حصہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی وصیت نہ کرے کیونکہ وہ $\frac{1}{3}$ حصہ اللہ تعالیٰ کی جس راہ میں بھی خرچ کرے گا مثلاً مسجد کی تعمیر، مدرسے کی مدد، بیماروں کی ادویہ، یتیم خانہ وغیرہ ان تمام مصارف سے بہتر یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کا خیال کرے اور انھیں کھانا پینا چھوڑ کر جائے اور اگر اولاد نالائق ہو اور معلوم ہو کہ یہ میرے چھوڑے ہوئے مال یا جائیداد کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ذریعہ بنادیں گے تو ایسی نالائق اولاد کو وراثت سے محروم کر دینا بہتر ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی زمین اس کی نافرمانیوں سے پاک رہے۔

قرآن کریم کی تلاوت اور فرض نماز کی جماعت۔

فرمان: اگر کوئی شخص تلاوت قرآن کریم میں اتنا مصروف ہو گیا کہ فرض نماز کی جماعت جاتی رہی تو ایسی تلاوت کرنا گناہ ہوگی۔ اگر کوئی شخص اتنی تلاوت کرے کہ کمزور پڑ جائے اور رمضان شریف کا فرض روزہ نہ رکھ سکے تو ایسی تلاوت کرنا جائز ہی نہیں گناہ کی بات ہے۔ کسی شخص نے فرض روزہ رکھا اور پھر اتنی کمزوری ہو گئی کہ فرض نماز کھڑے ہو کر ادا نہیں کر سکتا تو اسے فرض روزہ چھوڑ دینا جائز نہیں روزہ رکھے اور فرض نماز بیٹھ کر ادا کرے۔

بغیر عذر کے زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر۔

فرمایا مال اور سونے چاندی وغیرہ پر جو فی سال پورا ہوا یا جو فی زکوٰۃ کی ادائیگی کا دن آئے، اسی دن زکوٰۃ فوراً ادا کرنا ضروری ہے، بغیر کسی عذر کے زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ حضرت امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسے شخص کی گواہی قبول نہیں کی جاسکتی ہے اسے رو کر دینا چاہیے۔

نماز کا ایک اہم مسئلہ۔

فرمایا کسی شخص نے کوئی فرض نماز پڑھنی شروع کی پھر اسے خیال آیا کہ یہ نماز تو میں پڑھ چکا ہوں اور اس نے نماز توڑ دی، تو درست کیا اب اس کے ذمے کوئی قضا نہیں لیکن کسی شخص نے نفل نماز شروع کی اور پھر اسے توڑ دیا تو اس کے ذمے ان نفلوں کو دوبارہ پڑھنا یعنی انکی قضا کو ادا کرنا یعنی دو نفل پڑھنا واجب ہے۔

مفتی کو جب دو صحیح قول مل جائیں تو.....!

فرمایا مفتی کو جب فتویٰ دینے کے لیے دو صحیح قول مل جائیں اور کسی ایک قول کو ترجیح دینے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہ آ رہی ہو تو پھر کسی بھی ایک قول پر اکتفا و قضا جائز ہوتی ہے۔

چند مسافروں کا اپنے طور پر نماز جمعہ ادا کرنا۔

فرمایا چند مسافر مل جائیں اور بروز جمعہ اپنا جمعہ قائم کرنا چاہیں تو جمعہ تو درکنار نماز ظہر بھی باجماعت نہیں پڑھ سکتے شہر کے جمعہ میں شرکت کریں۔ شہر کی نماز جمعہ سے پہلے اور نماز جمعہ کے بعد بھی مسافر، قیدی اور معذور افراد اپنی نماز ظہر علیحدہ علیحدہ پڑھیں۔ جماعت کرانا جائز نہیں۔

محمد شین اور فقہاء کا کسی حدیث کو موضوع قرار دینے میں معیار۔

فرمایا کسی بھی حدیث پر کوئی حکم لگانے کے معاملے میں محدثین اور فقہاء کرام اہل سنت کے طریقہ کار میں فرق ہے۔ محدثین جب کسی حدیث کو ”ضعیف“، ”منکر“ یا ”غریب“ کہتے ہیں تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو حدیث اس وقت پیش نظر ہے اس کی سند یا متن میں ضعف یا نکارت ہے یہ ضروری نہیں ہوا کرتا کہ اسی حدیث کے باقی طرق بھی ضعیف یا منکر ہوں۔ عین ممکن ہے کہ وہ حدیث کسی اور سند یا متن کے اعتبار سے بالکل صحیح ہو لیکن فقہائے کرام اہل سنت کا طریقہ مختلف ہے کہ وہ جب کسی حدیث کو موضوع کہتے ہیں تو اس حدیث کے متن پر موضوع ہونے کا حکم لگا رہے ہوتے ہیں کہ اس حدیث کے جتنے بھی متون ہیں سب موضوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سزا اور عیث میں فرق

(فرمایا)

”سَلَّہ“ اور ”عَنْبُت“ میں فرق ہے۔ ”اَلْعَنْبُتُ“ کے معنی ہیں کسی سنجیدہ کام کے ساتھ کھیل کود کو شامل کر دینا۔ اسی لیے وہ کھانا جو مختلف اشیاء کو باہم ملا کر پکایا گیا ہو ”اَلْعَنْبُتُ“ کہلاتا ہے۔ مجبور، گھری اور ستو کو ملا کر جو آمیزہ یا کھانا تیار کیا جاتا ہے اسے ”عَنْبُتِی“ کہا جاتا ہے۔ سنجیدہ کام عیث کسی غرض کے تحت کیے جاتے ہیں اور کھیل کود کے کام عام طور پر بغیر کسی صحیح غرض کے غفلت سے انجام پاتے ہیں اس لیے ”اَلْعَنْبُتُ“ اس کام کو بھی کہتے ہیں جس کا مقصد صحیح نہ ہو۔ فقہاء کرام رحمہم اللہ اپنی اصطلاح میں ”عَنْبُتُ“ اس فعل کو کہتے ہیں، جس فعل کو کرنے والے کی غرض صحیح نہ ہو۔ یا اس کی غرض شرعی نہ ہو، مثلاً ایک شخص رقم اس غرض سے جمع کرے کہ اس سے شراب پیئے گا تو اس کا یہ فعل عَنْبُت ہے اسی لیے فقہاء کرام رحمہم اللہ ہر عیث کام کو حرام کام قرار دیتے ہیں۔ اور سَلَّہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ کام جس کا کوئی مقصد ہی نہ ہو دراصل یہ لفظ (سَلَّہ) بنیادی طور پر چلکے پن کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بلکی چیز قیام پذیر نہیں ہوتی اور اس میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ اسی لیے ”مہار“ کو ”زَمَانٌ سَلِیْنٌ“ کہا جاتا ہے کہ وہ ہر وقت متحرک رہتی ہے اسے قرار نہیں ملتا۔ ”ثَوْبٌ سَلِیْنٌ“ رومی اور بے کار کپڑے کو کہا جاتا ہے اور اسی وجہ سے وہ انسان جو چکا ہو، جس کی رائے میں استقامت نہ ہو لہذا پہلے اپنے فیصلے اور سوچ تبدیل کرتا رہے اسے بھی ”سَلِیْنٌ“ یہوقوف کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی زندگی، اس کی فکر، اس کا کلام اور اس کے فیصلے سب بے مقصد ہوا کرتے ہیں۔ اس وجہ

سے فقہاء کرام اہل سنت کے نزدیک یہ ”عہد“ سے بھی بدتر ہے کہ وہ تو ایسا کام کرتا ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں میں خسارہ اٹھاتا ہے۔ یہ قوف آدمی یا تو عقل سیکھنے کی کوشش کرتا رہے اور یا پھر عقلمندوں کی مجلس میں بیٹھ کر ان کی گفتگو سنے اور ان کے اعمال کی علت سمجھنے کی کوشش کرے اور یا پھر اپنے آپ کو کسی عقلمند کے حوالے کر دے اور یا پھر خاموشی سے موت کا انتظار کرے۔

کتاب و سنت کا باہمی تعلق

فرمایا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ رکوع کرو اور سجدہ کرو اس لیے نماز میں رکوع اور سجدہ کیا جاتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ارشاد فرمایا گیا کہ رکوع کرو تو ایک رکعت میں ایک رکوع کر لیا گیا۔ حکم ربانی کی اطاعت ہوگئی۔ پھر فرمایا گیا کہ سجدہ کرو تو اگر ایک سجدہ بھی کر لیا جاتا تو آیت کریمہ پر عمل ہو جاتا پھر سجدے دو کیوں اختیار کیے گئے؟ اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے۔ یہ ماننا پڑے گا کہ اس آیت میں اجمال ہے تفصیل نہیں ہے۔ اور اس آیت پر عمل کرنے کے لیے تفصیل ہمیں حضرت رسالت مآب ﷺ کے عمل سے ملے گی کہ آپ نے اس آیت پر عمل کرتے ہوئے نماز کی ہر آیت میں رکوع تو ایک ہی کیا لیکن سجدے ہمیشہ دو کیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تشریح کبھی حضرت رسالت مآب ﷺ کے اقوال سے ہوتی ہے اور کبھی اعمال و افعال سے۔ اس لیے جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ ہدایت کے لیے صرف قرآن کافی ہے اور سنت یا احادیث کی کوئی ضرورت نہیں تو پھر وہ اس مندرجہ بالا سوال کا

جواب دے دیں۔

ادب اور بے ادبی کا معیار۔

فرمایا ادب اور بے ادبی کا مدار کبھی عرف پر بھی ہوتا ہے۔ حضرت رسالت مآب ﷺ کے دور میں یہودی اپنی عبادت گاہ میں داخل ہونے سے پہلے جوتے اتار دیا کرتے تھے۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی مخالفت کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہودیوں کے برعکس تم لوگ مسجد میں جوتوں سمیت آیا کرو۔ چنانچہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے جوتوں سمیت مسجد میں جانا بھی ثابت ہے۔ لیکن اب مسلمان ہر جگہ مسجد میں جوتے پہن کر جانے کو بے ادبی سمجھتے ہیں تو مسجد کی تعظیم کا اعتبار اب عرف پر آ گیا اور مفتی حضرات نے فتویٰ دیا کہ مسجد میں جوتے پہن کر داخل ہونا مکروہ ہے۔ ایسے ہی عرب اور انگریز اپنے بڑوں کو انت (تو) You (تو) کہہ کر بلا تے ہیں اور ہمارے ہاں بڑوں کے لیے ”آپ“ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اس لیے اگر کوئی اپنے بڑوں یا ماں باپ وغیرہ کو یہاں ”تو“ کہہ کر پکارے گا تو بے ادب سمجھا جائے گا اور فی الواقع ہے بھی ”بے ادب“ کہ عرف عام کا اعتبار نہیں کرتا۔

فقہاء کا یہ فرمانا کہ ”یہ بات نہ کرنا بہتر ہے“ کی وضاحت۔

فرمایا فقہاء کرام رضی اللہ عنہم جن امور پر یہ تحریر فرماتے ہیں کہ ”یہ بات نہ کرنا بہتر ہے“ تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوا کرتا کہ اگر کوئی شخص وہ کام کر لے تو گناہ کا مرتکب ہوگا بلکہ

مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کام کو اگر کر بھی لے تو کوئی حرج نہیں۔ اس کی ایک واضح مثال یہ بھی ہے کہ فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد قرآن کریم کی کوئی سورت یا چند آیات کا پڑھنا واجب ہے اور آخری دو رکعتوں میں جیسے حکیم، عصر اور عشاء یا آخری ایک رکعت میں جیسے کہ مغرب، میں سورہ فاتحہ کے بعد اگر کوئی سورت یا چند آیات پڑھے تو اس پر فتیہ کرام رحمۃ اللہ علیہ دیتے ہیں کہ یہ خلاف اولیٰ ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان آخری رکعتوں میں سورت یا آیات کا ملنا جائز ہے۔ اگر کوئی شخص یوں کرے تو گناہ نہ ہوگا۔

اس کی ایک دوسری مثال یہ بھی ہے کہ جس شخص نے قربانی کرنی ہو اس کے لیے ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد ناخن تراشنا یا جسم کے بال لینا مناسب نہیں۔ مستحب یہ ہے کہ قربانی ہو چکنے کے بعد صفائی حاصل کرے لیکن اگر کوئی شخص اس پر عمل نہیں کرتا ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی سے پہلے ان نو دنوں میں صفائی حاصل کرتا ہے۔ ناخن تراشنا ہے تو یہ بالکل جائز ہے کوئی گناہ نہ ہوگا۔

بدعت جب اہل بدعت کا شعار نہ رہے تو.....!

فرمایا

بدعت، جب اہل بدعت کا شعار نہ رہے تو پھر اس کام کو کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ کسی کام پر بدعت کا حکم لگانے کے لیے بہت احتیاط چاہیے۔ کوئی کام اگر بنیادی طور پر کتاب و سنت سے نہیں نکلا، تو وہ بدعت نہیں ہوتا اگرچہ اس کام کی کتاب و سنت میں کوئی دلیل بھی نہ ہو۔ قرآن کریم جو رکوعات میں تقسیم کیا گیا ہے تو

اس تقسیم کی کتاب وسنت میں کیا دلیل ہے؟ اور ایسے ہی ہر آیت کے بعد نمبر شمار لکھ دیا گیا ہے، اس لکھنے کی بھی، کتاب وسنت سے کیا دلیل ہے؟ عام طور پر کھانے کی دعوت میں اصل کھانے کے بعد جو میٹھی چیز (Sweet Dish) کھلائی جاتی ہے اس کا کتاب وسنت میں کیا ثبوت ہے؟ حضرت رسالت پناہ ﷺ کو اگرچہ میٹھا پسند تھا لیکن دعوتوں میں جس اہتمام سے میٹھا کھلایا جاتا ہے اس اہتمام کی اصل کیا ہے؟ خود مدارس کا پختہ اور خوب آرام دہ بنانے کا مسئلہ بھی ایسے ہی ہے کہ کتاب وسنت میں ایسے مدارس کا کیا جواز ہے؟ سو یہی کہیں گے کہ یہ تمام افعال کتاب وسنت کے منافی نہیں اگرچہ براہ راست ان کا ثبوت بھی نہیں۔ ایسے ہی کوئی کام درحقیقت جائز ہو اور اہل بدعت کا شعار بن جائے تو جب تک وہ ان کا شعار رہے گا، اس وقت تک اس کام کو نہیں کیا جائے گا کہ اہل بدعت سے مشابہت پیدا نہ ہو اور جب وہ وقت گزر جائے اور وہ فعل اہل بدعت کا شعار نہ رہے تو پھر اس کام کو کرنے میں بھی کوئی حرج نہ ہوگا۔ مثلاً کسی زمانے میں اہل السنۃ والجماعۃ کے فقہاء کرام رحمہم اللہ دائیں ہاتھ میں انگلی پینے سے منع فرماتے تھے کہ اس زمانے میں یہ اہل بدعت کا شعار تھا۔ اب کوئی منع نہیں کرتا کہ اب دائیں ہاتھ کو انگلی کے لیے مخصوص کرنا اہل تشیع کے شعار میں سے نہیں رہا۔ فقہاء کرام رحمہم اللہ کی کتابوں میں اس اصول کی متعدد مثالیں ملیں گی۔

بدعت کو بھی تو اس وجہ سے منع کرتے ہیں کہ اس فعل میں بدعتوں سے مشابہت پیدا ہوتی ہے اگرچہ وہ فعل سنت سے ثابت ہی کیوں نہ ہو ہاں جب کوئی فعل بدعت اور واجب کے درمیان دائر ہو جائے تو اس کام کو کیا جائے گا کیونکہ واجب فعل کا کرنا

ضروری ہے، بدعت کا لحاظ نہ کیا جائے گا اور جب کوئی فعل سنت اور بدعت کے درمیان دائر ہو تو اس کام کو چھوڑ دیا جائے گا کیونکہ بدعت کا ارتکاب حرام ہے اور سنت کے اتباع سے کہیں زیادہ ضروری یہ ہے کہ بدعت سے بچا جائے کیونکہ اس کا ارتکاب حرام ہے۔ حرام سے بچنا فرض ہے۔ مثلاً دیکھیے سیاہ عمامہ پاندھنا حضرت رسالت مآب ﷺ سے ثابت ہے۔ فتح مکہ زادھا اللہ شرفاً و تعظیماً کے موقع پر آپ نے یہی زیب سراقہ فرمایا تھا لیکن ہمارے دور میں یہ شیعہ اور خوارج دونوں کا یکساں شعار بن گیا ہے اس لیے اس سے منع کیا جائے گا کہ یہ سیاہ عمامہ ان دونوں بدعتی فرقوں کا شعار بن گیا ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ اس سے بچیں گے کہ یہ اگرچہ سنت سے ثابت لیکن اہل بدعت کا شعار ہے لہذا اس مشابہت سے بچنا واجب ہے۔

اور کبھی بدعت سے بچنا اس لیے بھی ضروری ہوتا ہے کہ وہ فعل سرے سے شریعت سے ثابت نہیں ہوتا۔ شیعہ جو تعمز یہ برآ کر تے ہیں اس کی اصل شریعت میں کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ دور از کار تاویلات سے ثابت کیا جاتا ہے اور الزامی جوابات دیے جاتے ہیں مگر نہ تو یہ خود اہل تشیع کے ہاں بھی مختلف طور پر ثابت نہیں ہے۔ اس لیے جو کام دراصل شرعاً ثابت ہی نہ ہو اور نہ وہ ایسا کام ہو جو امور شرعیہ میں معاون ثابت ہوتا ہو، یا امور خیر کا وسیلہ بننا ہو تو ایسا کام بدعت اور حرام کے زمرے میں آئے گا اس لیے اس سے بچنا بھی ضروری ہوگا۔

اور کبھی کوئی شخص اہل بدعت جیسا کام خود کرتا ہے تاکہ وہ اہل بدعت سے مشابہت پیدا کر سکے، اپنے آپ کو انہی میں سے ایک ہونے کا تاثر دے تو پھر مسئلہ یہ پیدا ہو جاتا

ہے کہ آخروہ یہ تاثر کیوں دینا چاہ رہا ہے؟ اس لیے کہ انھیں دھوکہ دے تو دھوکہ تو انھیں دینا بھی جائز نہیں ہے، جو دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ کیا یہ کہ اہل بدعت کو دھوکہ دیا جائے کہ وہ کم سے کم دائرہ اسلام میں تو داخل ہیں۔ یا وہ یہ تاثر اس لیے پیدا کرنا چاہتا ہے کہ اہل بدعت نے ہتھیاراٹھا لیے ہیں۔ خوارج کی طرح عام مسلمانوں کے جان و مال کو مباح سمجھ کر وحشیانہ حرکتیں کر رہے ہیں۔ شرعی حکومت انھیں تہہ تیغ کرنے کی غرض سے مخبری کے لیے اپنی فوج کو اہل بدعت کے شعائر اختیار کرنے کا حکم دیتی ہے۔ تو ان مقاصد کے لیے اہل بدعت کے شعائر کو شرعی فرائض کو انہماک دینے کی غرض سے، اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یا کسی وقت علماء کرام کو جو صحیح معنی میں اصحاب علم و تقویٰ ہوں اور ڈر رہے ہوں کہ ان اہل بدعت پر اگر کام نہ کیا گیا اور دین کی صحیح تصویر ان کے سامنے نہ رکھی گئی تو یہ اب تو بدعتی ہیں، پھر کافر ہو جائیں گے تو اس صحیح مقصد کے تحت اور کفر سے بچانے کی خاطر یہ کسی وقت اہل بدعت کے شعائر کو اپنائیں تو اس میں بھی کچھ حرج نہ ہوگا لیکن یہ راستہ بہت خطرناک ہے۔ اس راہ پر اسی کو چلنا چاہیے جو علماء و ائمہ کے زمرے میں آتا ہو۔ علم میں منہاج اور سلوک و تصوف کی گھاٹیوں کو عبور کر چکا ہو اور مشہور مقتدا بھی نہ ہو مگر نہ ان کو کفر سے بچاتے بچاتے اپنے پیغمبرین کو بدعات کے گڑھے میں پھینک دے گا۔

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ اور "فتح القدیر"۔

فرمایا: صاحب فتح القدیر علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ کہتے بڑے فقیہ تھے اس کا صحیح اندازہ

اس وقت ہوتا ہے، جب کوئی شخص خود فتح القدر کا مطالعہ کرے۔ فقہ حنفی کے اصولوں پر فروعات کو ایسے منطبق کرتے ہیں کہ گویا گھنٹی میں ہیرا جڑتے ہیں۔

یہ سید اسی الاصل ہیں ان کے آباء و اجداد ترکی کے شہر سیواس کے رہنے والے تھے اور ان کے والد ”سیواس“ شہر کے قاضی بھی تھے اس لیے یہ سنیہ اسی کہلائے۔ اسکندر یہ (مصر) میں پیدا ہوئے پھر وہیں عمر بسر کی اور قاہرہ میں انتقال ہوا۔ عام طور پر ”الکمال ابن الھمنام“ یا ”ابن الھمنام“ کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ دس سال کے بچے تھے کہ والد مرحوم ہوئے اور ثانی مرحومہ نے تربیت کی قرآن کے حافظ تھے اور ایسے ذہین تھے کہ ان کے جوابات پر ان کے اساتذہ و رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ علم حدیث بھی خاص طور سے پڑھا اور پھر سلوک و مجاہدہ کے مقامات طے کرنے کے بعد صاحب کرامت اولیاء اللہ میں شمار کیے جانے لگے حتیٰ کہ اپنے دور کے ”ابدال“ میں شمار کیے گئے۔ ان کے اساتذہ میں علامہ بدر الدین یعنی، شیخ سراج الدین قاری الصدایہ، ابن شحنہ، ابن جماعہ، خُرمثی اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمہ اللہ جیسے آسمان علم کے آفتاب و ماہتاب تھے اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر مزید کرم فرمایا اور ان کے شاگرد بھی ایسے ہی دنیائے علم کے نامی گرامی اساتذہ ہوئے۔ علامہ مناوی شافعی، علامہ ابن امیر الحاج حنفی، قاسم بن قطلوبغا، امام سخاوی، امام جلال الدین السیوطی اور شیخ الاسلام زکریا بن محمد الانصاری جن کے علم کی چاپ سے اب بھی عالم اسلام گونج رہا ہے، یہ پورا گروہ اسی ہستی سے سیراب ہوا تھا۔ یہ بھی اپنے دور کے علماء کے حسد کا شکار ہوئے اور پھر زندگی کے آخری سال میں قاہرہ سے مکہ مکرمہ حاضر ہو گئے۔ اب بقیہ تمام زندگی وہیں گذارنے کا ارادہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ غالب

آیا اور بلاشبہ اسی کا ارادہ اصل ہے اور یہ قاہرہ لوٹے۔ رمضان المبارک ۸۶۰ھ میں انتقال ہوا۔ قاہرہ مصر کے سفر میں ”قراق“ کے مقام پر جو ایک بڑا قبرستان ہے، یہ وہیں مدفون ہیں اور بے شمار اکابرین اُمت اللہ کی قبور کی زیارت ہوئی تھی۔ ابن عطاء اللہ سکندری مشہور صوفی بزرگ اور ولی اللہ رحمہ اللہ کے مزار ہی میں یہ مدفون ہیں اسی پر حاضری ہوئی اور درج تک ان کی شخصیت اور خدمات کے سحر میں کھوئے رہے۔

فخر حقنی پر اللہ تعالیٰ نے ان سے بہت کام کروادیا۔ بدیع النظام کی شرح تحریر فرمائی ہے اور فتح القدیر میں اس کا حوالہ بھی دیا ہے۔ اپنے شیخ عمر بن علی قاری الہدایہ رحمہ اللہ کے فتاویٰ بھی جمع فرمائے مگر ان کا اصل کام ہدایہ کی شرح ”فتح القدیر“ کا تحریر فرماتا ہے جو کہ بظاہر ہمیشہ ان کے ایصال ثواب کا ذریعہ قرار پائے گا۔ اگرچہ اس میں انہوں نے تفردات کو بھی اختیار کیا ہے لیکن مجموعی اعتبار سے یہ ایک بے مثال کتاب اور کاوش ہے۔ نماز کے کئی ایک مسائل میں ان کے اپنے فتاویٰ ہیں جو کہ اُمت کے مختار نہیں ہیں لیکن یہ پڑھنے سے معلوم ہوا کہ فقیر کیا مجتہدانہ شان رکھتے تھے۔

کتاب اصولۃ میں یہ بحث کی ہے کہ نماز مغرب کے فرائض سے پہلے، دو نفل پڑھنا کیسا ہے؟ اور آخر پر لکھا ہے کہ تمام بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ دو نفل مستحب نہیں ہیں، لیکن کیا یہ ثابت ہو سکے گا کہ یہ دو نفل مکروہ ہیں؟ نہیں کیونکہ کراہت ثابت کرنے کے لیے نفی استحباب کے علاوہ کوئی مستقل دلیل درکار ہے۔ مستحب کام نہ کرنے سے کراہت حزیبہ لازم نہیں آتی۔ کراہت حزیبہ ہو یا تحریم اس کے ثبوت کے لیے ہمیشہ دلیل درکار ہوتی ہے۔ بے کوئی شک نہ اس فقہات کا۔ چھٹی صدی کے مفتی اور

علماء حضرات طالب اللہ تراہم بوقت ضرورت ہی سبھی اس کا کچھ نہ کچھ مطالعہ کر ہی لیا کرتے تھے اب تو وہ بھی نہ رہے۔ علماء و فقہاء احناف اس عظیم کتاب کی طرف اعتنا فرماتے، اس کی تحقیق و تخریج ہوتی اور کم سے کم ایک نسخہ ہی ایسا تیار ہو جاتا کہ اس کا سہولت سے مطالعہ کیا جاسکتا مگر اب تک ایسے بھی میسر نہیں۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب ”السیاسة الشرعية“

فرمایا حضرت رسالت مآب ﷺ نے ان لوگوں کو بھی مسلمان کر لیا جنہوں نے اپنے قبول اسلام میں یہ شرط لگا دی تھی کہ وہ دو سے زیادہ نمازیں ادا نہیں کریں گے۔ اور ان لوگوں کو بھی مسلمان کر لیا جنہوں نے یہ کہا کہ وہ شراب پیتے رہیں گے۔ ان لوگوں کی شرائط تسلیم کرنے میں مصلحت یہ تھی کہ کم سے کم یہ لوگ کفر سے توبہ کر لیں۔ پھر ان کا اسلام، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت، علامہ المسلمین سے اختلاط، نماز، کفر سے نکراؤ، اسلام کے لیے فیرت و حمیت اور خود حضرت رسالت پناہ ﷺ کی دعائیں وغیرہ وغیرہ یہ تمام عوامل مل کر انہیں ان گناہوں کے ترک اور توبہ کی طرف رغبت دلائیں گے۔ اس طرح کی باتوں کو سمجھنے اور اسلام کا مزاج پھر اس میں جو حکمت اور قانون کا احتراز ہے، اس کی تفہیم کے لیے، حضرت شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب ”السیاسة الشرعية“، امام ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی کتاب ”حجة الله البالغة“، ابن عاشور رحمہ اللہ کی کتاب ”مقاصد الشريعة“ اور امام رازی، ابن خلدون، امام شافعی، مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمہم اللہ کی تمام کتابوں کا بغور مطالعہ کرنا چاہیے۔

عیدین کی نماز اور زمین کا وقف ہونا۔

فرمایا

حضرت رسالت پناہ ﷺ نے جن مساجد میں جمعہ یا فرض نمازیں پڑھائی ہیں وہ تمام مساجد وقف شدہ زمین پر قائم تھیں اگر وہ زمینیں وقف نہ ہوتیں تو مسجد ہی نہیں بن سکتی تھیں البتہ جہاں نماز عید پڑھائی ہے وہ زمینیں وقف نہ تھیں بلکہ لوگوں کی فحی ملکیت تھیں اسی وجہ سے فقہائے احناف رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ نماز عیدین کے لیے زمین کا وقف ہونا نہ عیدین کی سنت ہے نہ مستحب، سنت تو صرف یہ ہے کہ صحرا یا جنگل یا شہر میں ایک کھلا میدان ہو۔

بلغاریہ کی موسیٰ صورتحال ——— شمس الانارہ حلوانی رحمہ اللہ کا فتویٰ
اور شیخ کبیر بقالی رحمہ اللہ کی ذہانت۔

فرمایا

بلغاریہ میں ایسے بھی دن آتے ہیں کہ سورج ایک طرف مغرب میں غروب ہو رہا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہی مشرق سے سورج کا طلوع بھی شروع ہو جاتا ہے۔ اس صورتحال میں انہیں نماز عشاء کی ادائیگی کے لیے وقت نہیں ملتا۔ علامہ یعنی رحمہ اللہ نے ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ ہر سال وہاں چالیس دن ایسے آتے ہیں کہ عشاء کا وقت نہیں ملتا۔ بلغاریہ کے مسلمانوں نے حضرت شمس الانارہ حلوانی رحمہ اللہ سے فتویٰ طلب کیا کہ ان حالات میں نماز عشاء کا کیا کیا جائے تو انہوں نے نماز عشاء کی قضاء کا حکم تحریر فرمایا۔ یہی استثنا جب شیخ کبیر بقالی رحمہ اللہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے عشاء کی نماز فرض نہ

ہونے کا فتویٰ دیا اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ نماز کا سبب وقت ہے تو جب عشاء کا وقت ہی نہیں ہوتا تو پھر نماز بھی فرض نہیں ہوتی۔

شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ نے جب اس فتوے کو دیکھا تو ایک آدمی کو بلا کر فرمایا کہ خوارزم جاؤ اور جب حضرت بقالی رحمۃ اللہ علیہ عام لوگوں کے مجمع میں سوالات کے جوابات ارشاد فرما رہے ہوں تو تم کھڑے ہو کر صرف یہ پوچھنا کہ اگر کوئی شخص پانچ نمازوں میں سے کسی ایک نماز کا انکار کر دے تو اس کی تکفیر کی جائے گی یا نہیں؟

اس آدمی نے اس ہدایت پر عمل کیا اور جامع مسجد خوارزم میں پہنچ کر جب یہ سوال کیا تو حضرت بقالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حافظے اور ذہانت کی بنا پر یہ بھانپ لیا کہ بلخاریہ والوں کو جو فتویٰ میں نے دیا تھا، یہ سوال اسی کے متعلق ہے۔ اس شخص کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ میں آپ سے یہ دریافت کرتا ہوں کہ فرض کرو کسی شخص کے دونوں ہاتھ کہیں سے یا دونوں پاؤں ٹٹنوں سمیت کٹ گئے تو اس کے لیے وضو کے کتنے فرائض باقی رہ جائیں گے۔ اس شخص نے جواب دیا کہ تین فرض باقی رہ جائیں گے کیونکہ چوتھا فرض جس جگہ کو دھونے کا تھا، جب وہ جگہ ہی ندی تھی تو یہ فرض ساقط ہو جائے گا۔

علامہ بقالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بس اسی طرح پانچویں نماز بھی ساقط ہو جائے گی کیونکہ نماز تو وقت کی وجہ سے فرض ہے تو جب وجہ (سبب) ہی ندی تھی تو اب نماز کی ادائیگی کس وقت ہوگی۔

وہ شخص یہ جواب لے کر حضرت شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام ماجرا عرض کیا۔ حضرت حلوانی، حضرت بقالی رحمۃ اللہ علیہ کی ذہانت اور حاضر جوابی سے بہت متاثر ہوئے اور اپنے فتوے سے رجوع کر لیا۔ علامہ ابن ہمام اور حضرت ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ الشافعی رحمۃ اللہ علیہ

نے اس حکایت کو نقل کیا ہے۔

بیوی کی موجودگی میں سالی سے نکاح کا حکم۔

فرمایا: اگر کسی شخص کی بیوی اس کے نکاح میں ہے تو اب وہ اس بیوی کی بہن (سالی) سے نکاح نہیں کر سکتا۔ اگر وہ اس صورت میں سالی سے نکاح کرے تو یہ نکاح فاسد قرار پائے گا۔ اب اگر اس کی اولاد اپنی سالی سے ہوگئی اور پھر اس نے طلاق دی یا تفریق ہوگئی یا مر گیا تو اس کی سالی کو عدت بھی گزارنا پڑے گی اور اس شخص کی سالی سے ہونے والی اولاد کا نسب بھی اسی شخص سے ثابت ہوگا۔ نکاح فاسد کی وجہ سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہ ولد الحرام تو ہوتی ہے، ولد الزنا نہیں ہوتی۔ ایسے بچوں کو یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ نکاح فاسد کی پیداوار نہیں ہیں لیکن حرام کی اولاد نہیں کہا جاسکتا۔ حرام کی اولاد تو ولد الزنا ہوتی ہے۔

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ کا فقہ مالکی پر اعتراض.....!

فرمایا: ہمارے حنفی فقہاء رحمۃ اللہ میں سے صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فقہاء مالکیہ کے متعلق یہ جو لکھا ہے کہ وہ کسی شخص کے اپنی بیوی سے غیر فطری فعل کرنے کو جائز قرار دیتے تھے، تو یہ غلط ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ کا قول یہ نہیں تھا۔ اعتراض کرنے والوں نے مالکی فقہاء رحمۃ اللہ کی اصل کتابوں سے رجوع نہیں کیا اور خواہ تو وہ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ پر رے سے ہیں۔ اور وہ جنہوں نے آئمہ مالکیہ رحمۃ اللہ کی

اصل کتابوں کی طرف رجوع نہیں کیا، وہ بھی معذور ہیں کہ اس دور میں فقہ مالکی کی کتابیں ملتی ہی کہاں تھیں۔ خود ہمارے اس دور میں مالکی فقہ کی تمام اہمات کتب برصغیر میں کہاں ملتی ہیں؟ مراکش، الجزائر، تونس، المغرب اور افریقہ میں مالکی مسلک متداول ہے۔ اب کوئی صاحب علم وہاں کا سفر کرے اور ممالک کی کتابیں وہاں سے خرید کر لائے۔ مگر کیا کچھ کران ممالک کا ویزا بھی دشوار ہے، الغرض پیچیدگی رو پیچیدگی ہے۔

اپنی بیوی سے غیر فطری فعل کی اجازت، مالکی فقہاء رحمہم اللہ نے اپنے امام حضرت امام مالک رحمہم اللہ کا قول لکھا ہے کہ وہ اس فعل کو جائز فرماتے تھے۔ جن مالکی فقہاء نے اس طرح اپنی جنسی آسودگی سے منع کیا ہے تو یہ متاخرین مالکی فقہاء کا قول ہے وگرنہ ان کے حلقہ میں اس کی اجازت دیتے تھے۔ علامہ بیہقی، حافظ ابن حجر عسقلانی اور شوکانی رحمہم اللہ کو پڑھنا چاہیے۔ حضرت ابن عربی رحمہم اللہ نہایت پختہ صوفی اور مالکی فقیہ ہیں۔ وہ فتوحات میں صاف تحریر فرماتے ہیں کہ یہ فعل مباح ہے۔ اور جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اپنی بیوی سے ایسے تعلق قائم نہ کرے تو اسے چاہیے کہ جو فعل مباح ہے، اس سے روکنے کی کوئی دلیل لائے۔ شریعت نہ تو یہ کہتی ہے کہ یہ کام کرو اور نہ ہی یہ کہتی ہے کہ نہ کرو اس لیے یہ جائز اور مباح ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب ہدایہ رحمہم اللہ نے ممالک کا جو مسلک بیان کیا ہے، اس کی اصل خود مالکیوں کے ہاں موجود ہے۔ البتہ یہ بات الگ ہے کہ حنفی فقہاء رحمہم اللہ اس فعل کو حرام اور کبیرہ گناہ کہتے ہیں۔





وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ
وَرَضُوا عَنْهُ.

(پ: ۱۱، سورۃ التوبہ، آیت: ۱۰۰)

اور جو لوگ (بعد میں اُمت میں آئے اور) راست بازی کے ساتھ
ان (مہاجرین و انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کے نقش قدم پر چلے،
اللہ تعالیٰ ان سب (مہاجرین، انصار اور ان کے بعد آنے والوں
سے، جنہوں نے ان کی پیروی کی، ان) سے خوش ہوا اور وہ (سب)
اس سے راضی ہوئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد، راقم السطور (ابوالحسن علی ندوی) کو اس امر کے اعتبار سے مسرت ہے کہ لندن میں مولوی محمد سعید خان صاحب سے ملاقات ہوئی اور چند روز ساتھ رہنا ہوا۔ وہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ عالیہ محمدیہ نقشبندیہ میں داخل ہوئے۔ اور اس عاجز نے ان کو اس میں اجازت بھی دی۔ وہ دوسرے طالبین کو بھی اس سلسلہ عالیہ میں داخل کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اور اس سلسلہ میں داخل ہونے والوں کو اس سلسلہ عالیہ مقبولہ کے حقوق ادا کرنے اور شکر کی توفیق عطا فرمائے۔ اور اس کی برکات میں حصہ عطا فرمائے۔ و ما ذلک علی اللہ بعزیز۔

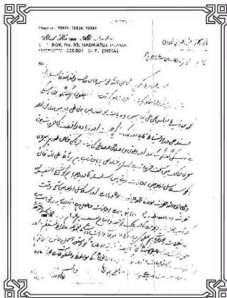
حضرت سید صاحب حکومت الہیہ کے قیام اور عمل بالشریعہ اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جو جدوجہد فرماتے تھے۔ اور اسی سلسلہ میں جان عزیز دے دی۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ میں داخل ہونے والوں اور داخل کرنے والوں کو اس کے اجراء اور اس کے لیے سعی و جدوجہد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

راقم تائب و عاجز،

ابوالحسن علی ندوی

۲۳ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ

○ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ نے پاراگرجوگرافی نامہ جہادی الشافی ۱۳۱ھ بمطابق اکتوبر 1996ء محترم مفتی محمد سعید خان صاحب کو ارسال فرمایا اس کا نکتہ بھی ملاحظہ ہو۔ قارئین کی سہولت کے لیے اسے بھی ٹائپ کر کے پیش کیا جا رہا ہے۔



محبت عزیز و کرم داعی الی اللہ محمد سعید خان صاحب وفقہ اللہ لما یحب
و برضی
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

کل شام کو آپ سے ٹیلی فون پر گفتگو ہوتی اس کے کچھ بعد آپ کا قلم
بھی مل گیا: ہمیں وہ بات جو لندن میں ہوئی تھی، یاد نہیں رہی تھی ۛ اور
مسئلہ بھی ذرا احتیاط کا ہے اور اس کے لیے کچھ محبت اور زیادہ واقفیت کی
ضرورت ہوتی ہے۔ آپ کی گفتگو کے بعد اور دعوتی و اصلاحی مصالح کی بنا
پر جن کی خاص طور پر بیرونی مغربی ممالک میں سخت ضرورت ہے اور
بہ اخلاء بھی پایا جاتا ہے۔ ہم تو کلا علی اللہ تعالیٰ آپ کو سلاسل اربعہ میں
اجازت دیتے ہیں۔ سلسلہ قادریہ میں ہم کو شیخ الشیر اور داعی الی اللہ
حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ سے اور سلاسل اربعہ میں شیخ وقت
حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ سے اجازت حاصل ہے۔
آپ سے یہ درخواست ہے کہ آپ حضرات دیوبند کے مسلک توحید و
اجتہاد سنت پر قائم رہیں اور سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات و ہدایات

ۛ اس سے مراد وہ اجازت نہ ہے جو آکسفورڈ لائبریری لندن میں حضرت رحمۃ اللہ نے نہایت فرمایا تھا۔ عمر مبارک زیادہ
ہونے کی وجہ سے بعض مرتبہ بعض نامور مشائخ بھی لائق ہو جاتے تھے اس کی طرف اشارہ کر رہا ہوں۔ جن حضرات نے
حضرت شیخ علیہ السلام کا ذکر یا صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ اور حضرت مولانا خان محمد صاحب رحمۃ اللہ کی حیات طیبہ کے
آخری سال دیکھے ہیں وہ سب گواہی دینے کے کہ ان حضرات رحمۃ اللہ کے پاس بھی دور آخر میں غلبہ نسیان ہو گیا تھا۔ یہ تمام
عارضہ لازماً ہر چیز کو محبت چھٹی جس کو اس سے اکابر کا فیصلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان اصحاب کرمین و
اولیاء کرام رحمۃ اللہ کے ادب کی توفیق بخشے۔

پر عمل کریں۔ ان کے ملفوظات وارشادات کے مجموعہ ”صراطِ مستقیم“ اور حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ”تسویۃ الایمان“ کو دستور العمل جانیں راقم کی کتاب ”دستور حیات“ اور ہو سکے تو مولانا تھانوی کے مواظظ و ملفوظات سے بھی استفادہ کریں اللہ تعالیٰ آپ سے زیادہ سے زیادہ نفع پہنچائے۔

والسلام
دعا گو: ابو الحسن علی الحسنی الندوی



حضرت مولانا خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے دور میں تصوف کے امام اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے بدرجہ اتم وارث و امین تھے، ان سے محترم مفتی محمد سعید خان صاحب نے حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات شریف اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے دیگر مشائخ کرام رحمۃ اللہ علیہ کی مختلف کتابیں سنا سنا سنا پڑھیں۔ 2005ء میں جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جلسہ ختم نبوت لندن کے لیے سفر فرمایا، تو جناب مفتی صاحب بھی ان کی خدمت میں دوران سفر اور انگلینڈ حاضر رہے۔ تعلیم و تعلم کا یہ سلسلہ اس سفر میں بھی جاری رہا اور پایہ تکمیل تک پہنچا۔ اس موقع پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دست مبارک سے جو سند جناب مفتی صاحب کے لیے تحریر فرمائی اس کا کس، تسکین قارئین کے لیے حاضر ہے۔ اسے ناپ کر کے بھی پیش کیا جا رہا ہے۔

کیا خواجہ آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات سے منحرف ہو گئے تھے؟

فرمایا

مشائخ مجددیہ طاب اللہ ثراہم کے احوال و مقامات پر خواجہ کمال الدین محمد احسان نے ایک کتاب ”روضۃ السیومیہ“ تحریر فرمائی ہے۔ اصل قاری نسخے کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے مزاج میں شدید مبالغہ تھا۔ اپنی اسی طبیعت کی بنا پر انہوں نے حضرت خواجہ آدم بنوری نور اللہ مرقدہ پر یہ الزام لگایا کہ وہ اپنے شیخ حضرت مجدد الف ثانی سرہندی قدس اللہ سرہ الاقدس کی تعلیمات سے منحرف ہو گئے تھے۔ حالانکہ امر واقع ایسا نہیں ہے۔ ان کی اس کتاب ہی کی وجہ سے سرہندی — جن کی قیادت حضرت خواجہ معصوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کر رہے تھے — اور بنوری — جن کی قیادت حضرت خواجہ آدم بنوری نور اللہ مرقدہ کر رہے تھے — دو فریق بنے اور آپس میں اختلافات پیدا ہوئے۔

”مکاشفات عینیہ“ کی نسبت خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف درست نہیں۔

فرمایا

”مکاشفات عینیہ“ کے نام سے جو رسالہ چھپا ہے، یہ دراصل حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ ہی کی تصنیف ہے۔ البتہ اسکے مرتب حضرت خواجہ معصوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی سے اس کی نسبت

غلط ہے۔ انہوں نے یہ رسالہ لکھا ہے اور نہ ہی اسے مرتب فرمایا ہے۔ اب جو چھپا ہے تو اسے خواجہ محمد ہاشم کشمی سے منسوب کیا گیا ہے۔ یہ غلط ہے اور نقشبندی حضرات کو چاہیے کہ اس غلطی کی تصحیح کریں۔

مولانا محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ کی دو کتابیں
دیکھنے اور پڑھنے کی حسرت!

مولانا محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ کی دو کتابیں دیکھنے اور پڑھنے کی حسرت ہے۔
① زبدۃ المقامات ② نسوات القدس۔ بتیس (32) برس سے تلاش جاری ہے۔
کتابیں تو کیا ملیں گی، ان کا نام تک محو ہوتا جا رہا ہے۔ ③

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب احیاء علوم الدین — جمہوری احادیث
اور من گھڑت روایات۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "احیاء علوم الدین" کی بہت تعریف کی جاتی ہے اور صوفیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم اپنی اپنی خانقاہوں میں اسے پڑھتے پڑھاتے رہے۔ بہت ہمت کر کے ایک مرتبہ اسے پڑھا۔ ہمت اس لیے کرنی پڑی کہ احادیث کے معاملے
③ لے لے الحمد للہ کہ یہ دونوں کتابیں پھر سے نکلیں۔ "زبدۃ المقامات" کے بھی نئے کھسکے تڑکی میں چھپ گیا اور محترم کتابیہ و غیر اقبال بھڑی صاحب دام ظلہ نے حد بھر سے فرمایا اور "نسوات القدس" کا نسخہ اور تصدیق سے قاری اسلام آباد میں موجود ہے۔ وہاں سے انکسار C.D اور پھر نوکائی کر دیا کہ اپنے ہاں کے ترجمہ و کتاب میں داخل کر دی گئی۔

میں یہ کتاب جھوٹ سے بھری پڑی ہے۔ حضرت رسالت مآب ﷺ اور دیگر حضرات انبیاء کرام ﷺ سے منسوب روایات، ایسی ایسی تحریر کی گئی ہیں کہ پڑھتے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ سب کچھ وہابیات اور جھوٹ ہے۔ حضرت رسالت مآب ﷺ سے منسوب جھوٹی روایات اور من گھڑت احادیث پڑھنے سے سخت وحشت ہوتی ہے، اس لیے دل پر بھر کر کہ یہ کتاب پڑھی۔

امام ذہبی رحمہ اللہ نے سیر اعلام النبلاء میں محمد بن ولید طروشانی نے اس خط میں جو انہوں نے ابن مظفر کے نام لکھا ہے، اور حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں، احیاء العلوم کی ایسی روایات پر کڑی تنقید کی ہے۔

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے تو احیاء علوم الدین کی ایسی جھوٹی احادیث اور موضوع روایات پر مستقل ایک کتاب ”الاحیاء“ کے نام سے تحریر کی تھی جو کہ غالباً اب تک چھپی نہیں۔

ابن عربی رحمہ اللہ اور ”نزد یار“ نام کا رکھا جاتا۔

فرمایا حضرت الامام محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں متعدد ایسے خواب تحریر فرمائے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عالم رویاء اور مراقبات میں بار بار وحیت باری تعالیٰ کے شرف سے مشرف ہوئے ہیں، چنانچہ ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ذات اقدس جل سلطانہ کی زیارت کی اور اللہ تعالیٰ نے میرا وہ نام تجویز فرمایا جو اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں سنا تھا۔ مجھ سے ارشاد فرمایا کہ ہم نے تمہارا نام ”نزد یار“ رکھا ہے۔ میں نے درخواست کی کہ میرے اس نام کا مطلب کیا ہے

توارش فرمایا "مسوک الدار" (اپنے گھر میں رہنے والا)۔

ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں پڑھانے اور سمجھانے والے
علماء اب برصیر میں نہیں رہے۔

فرمایا

حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی فتوحات مکیہ، فصوص الحکم اور دیگر کتب پڑھانے اور سمجھانے والے علماء اب برصیر میں نہیں رہے۔ ایسے بھی ملے جن کی شہرت تو تھی کہ ان علوم کو جانتے ہیں لیکن حاضری پر معلوم ہوا کہ انھیں تو ڈھنگ سے کتاب کھولنا بھی نہیں آتی۔ علماء کو حد، قیمت اور اتفاق سے فرصت ملے تو مطالعہ کریں اور مطالعہ بھی جب کریں جب علمی بنیاد مضبوط ہو۔ جس ملک اور دور کے مفتی حضرات اردو فتاویٰ دیکھ کر فتویٰ صادر فرمائیں ان کی جہالت کی بھی کوئی حد ہے۔ علم سے تو کیا مناسبت ہو اب بھری مریدی کی سوچھی ہے اور حال یہ ہے کہ کہیں باقاعدہ سلوک کے اسباق ملے نہیں کیے اور نہ معلوم کہ مراقبہ ذات مقدسہ تک کی منازل کیا ہیں اور شیخ المشائخ سے کم درجے پر ممکن ہونے کو تیار نہیں ہیں۔ نتیجہ یہ کہ طالب کی استعداد پر یاد کرتے ہیں۔ مشائخ خدا تعالیٰ آسانی سے بیعت نہیں فرماتے تھے جتنی آسانی سے آج کل کے یہ مشائخ خلافت دے دیتے ہیں۔

ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی معراج اور مختلف انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقاتیں

فرمایا

حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کے مطابق حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو

چونتیس بار معراج ہوئی۔ ایک مرتبہ کی معراج جسمانی تھی جبکہ باقی تمام روحانی تھیں اور بار بار آپ کو عالم برزخ اور آخرت کا ماحولہ کرایا گیا۔ پھر انہوں نے اپنی معراج کا بھی ذکر کیا ہے کہ وہ کیا تھی اور مختلف آسمانوں پر انھیں کن حضرات انبیاء علیہ السلام کی زیارت اور عرض و معروض کا شرف حاصل ہوا۔ جب وہ اس زمین کی حدود سے نکلے تو عناصر اربعہ میں سے ”آب“ عنصر نے ان کا ساتھ چھوڑا پھر ”خاک“ عنصر سے خلاصی ہوئی اور پہلے آسمان تک رسائی ہوئی۔ سیدنا آدم علیہ السلام نے ان سے دریافت فرمایا کہ بیٹے مٹی کا عنصر کہاں رہ گیا؟ عرض کیا کہ زمین نے اپنا حصہ واپس لے لیا تو ارشاد فرمایا کہ میرے ساتھ بھی ایسے ہی ہوا تھا۔ پھر دوسرے آسمان پر جانا ہوا تو وہاں پر حضرت سیدنا مسیح اور سیدنا یحییٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضری ہوئی۔ سیدنا مسیح علیہ السلام نے ان کے بعض سوالات کے جوابات مرحمت فرمائے اور پھر انہوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ روزِ حشر جب موت کو دینے کی صورت میں حاضر کیا جائے گا اور جنت اور جہنم کے درمیان رکھ کر ذبح کیا جائے گا تا کہ اہل جنت اور اہل جہنم سب دیکھ لیں کہ اب کسی کو موت نہیں آئے گی تو اس موت کو آپ ذبح فرمائیں گے؟ حضرت سیدنا یحییٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ درست ہے کیونکہ دیکھیے میں زندگی ہوں اور میں اپنی ضد یعنی موت کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتی، اس لیے نہکت الہیہ اس بات کی متقاضی ہوئی کہ کامل زندگی کامل موت کو فنا کر دے اسی لیے تو مجھ سے پہلے کبھی بھی کسی کا نام یحییٰ نہیں رکھا گیا۔ میں نے ان کا شکر یہ ادا کیا کہ علم کا یہ نقطہ اس سے پہلے مجھے معلوم نہیں تھا۔ پھر ان دونوں حضرات انبیاء علیہ السلام سے تفصیلی سوالات و جوابات ہوئے۔ انھیں بتایا گیا کہ جنت

میں جب کوئی شخص اپنی بیوی سے لطف اندوز ہونے کے بعد فارغ ہوگا تو انزال کی صورت کیا ہوگی۔ انھوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا اس دوسرے آسمان پر آپ کا ٹھکانا ہے تو انھوں نے فرمایا کہ میں حضرت یحییٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام کے درمیان ہوں کبھی یہاں ہوتا ہوں اور کبھی وہاں۔ یہاں اس لیے کہ سیدنا مسیح علیہ السلام میرے خالہ زاد بھائی ہیں اس رشتے کا احترام بھی ضروری ہے اور وہاں اس لیے کہ میں حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں اور ایسے ہی میں حضرت یوسف اور حضرت ادریس علیہ السلام کے ہاں بھی حاضر ہوتا رہتا ہوں۔

پھر تیسرے آسمان پر حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضری ہوئی تو آپ نے عرض کیا کہ حضرت آپ میں اور اس خاتون، عزیز مصر کی اہلیہ میں ایک بات ”نغم“ مشترک تھی؟ ارشاد فرمایا آپ درست کہتے ہیں انھوں نے ”نغم“ (پختہ اور مضبوط ارادہ) یہ کیا تھا کہ مجھے رام کر کے جو وہ چاہتی ہیں وہ ہو جائے اور میں نے ”نغم“ (پختہ اور مضبوط ارادہ) یہ کیا تھا کہ ان کا یہ ارادہ ختم ہو جائے۔

اس کے بعد چوتھے آسمان پر حضرت سیدنا ادریس علیہ السلام کے ہاں حاضری ہوئی، انھوں نے یہ کہہ کر استقبال کیا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کے علوم و معارف کے وارث کا آنا بہت مبارک ہے اور پھر سوالات اور جوابات کی ایک طویل نشست ہوئی۔ خطا اور صواب کی بحث ہوئی حضرت ادریس علیہ السلام نے فرمایا صواب اصل ہے اور خطا امر اضافی ہے۔ انھوں نے دریافت فرمایا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی کس صفت سے کائنات وجود پذیر ہوئی؟ ارشاد فرمایا کہ صفت ”خلو“ سے۔

اس موقع پر ذہن بلا قصد حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی کی طرف متقل ہوتا ہے کہ انھوں نے نیابت الہی میں کچھ اسی طرح کی بات ارشاد فرمائی کہ

من کمردم خلق تا سودے کنم
بلکہ تا بر بندگاں جو دے کنم

ترجمہ: (ہم نے مخلوق کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ ان کی تخلیق میں ہمارا کوئی نفع تھا بلکہ ہم نے تو اس لیے پیدا کیا کہ اپنے بندوں پر اپنی صفت ”جوڈ“ کا اظہار کریں۔)

اسی لیے تو ہم کئی مرتبہ یہ عرض کرتے ہیں کہ اگر آپ فتوحات مکیہ، فصوص الحکم اور حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی دیگر کتب کا مطالعہ کریں اور خاص طور سے فتوحات کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ اگر مثنوی مولانا روم کو بھی پیش نظر رکھیں تو یہ بات بالکل واضح ہوتی چلی جائے گی کہ جن افکار اور خاص طور پر وحدۃ الوجود کے موضوع پر جو کچھ حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے نثر میں فرمایا ہے، حضرت صاحب مثنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس منثور کو منظوم کر دیا ہے۔ ”جوڈ“ کیا ہے؟ ”جوڈ“ کے معنی لغت میں سخاوت اور فیاضی کے آتے ہیں۔ ایک شاعر کا شعر ہے

جوڈ ہے، بخشش ہے دل نوازی ہے
ہر ایک طرح غلاموں کی سرفرازی ہے

تو جب حضرت ادریس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خلق غلاق صفت جوڈ سے ہے تو انہوں نے عرض کیا کہ یہ بات میں نے اپنے بعض مشائخ سے سنی ہے تو انہوں نے تصویب فرمائی

کہ آپ نے جو کچھ سنا وہ درست ہے۔ اب یہ یہاں سے رخصت ہوئے اور پانچویں آسمان پر حاضری ہوئی۔ وہاں حضرت ہارون ؑ کی خدمت میں ٹھہرنا ہوا۔ دیکھا تو وہاں ان سے پہلے حضرت یحییٰ ؑ موجود ہیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ اے حضرت یحییٰ ؑ راستے میں آپ سے تقابل نہیں ہوا تو انھوں نے کیا خوبصورت جواب دیا کہ ابن عربی ہر شخص کا اپنا ایک راستہ متعین ہے اور اس راستے پر صرف وہی چلتا ہے۔ پھر حضرت ہارون ؑ سے جو گفتگو ہوئی اس کے ڈانڈے وحدۃ الوجود سے جاملتے ہیں۔ اس کے بعد اب چھٹے آسمان پر اس ہستی کا دیدار ہوا جو کلام الہی کے شرف سے مشرف اور بارگاہ ناز میں اس قدر عزیز الوجود ٹھہرے کہ تمنائے رویت سے سرفراز کیے گئے۔ حضرت ابن عربی ؒ نے بھی اسی تمنائے رویت کی حقیقت دریافت کی کہ آپ نے یہ درخواست کیسے پیش کی حالانکہ ہمارے نبی حضرت رسالت پناہ ﷺ نے تو فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زیارت قبل از موت ممکن نہیں؟ تو ارشاد فرمایا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے سچ ہی تو ارشاد فرمایا ہے۔ جب میں نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے یہ درخواست کی تو انھوں نے اسے قبول فرمایا۔ آپ فوراً نہیں کرتے کہ قرآن میرے بارے میں یہ کہتا ہے کہ میں گر پڑا تو درحقیقت میری موت ہی تو تھی۔ بس پھر اس موت کے بعد میں نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی زیارت کر لی پھر میں نے جو چاہا تھا اس کا مجھے علم دے دیا گیا تو میں نے جو یہ کہا کہ اللہ میں تو یہ کرتا ہوں تو پھر یہی ذات کی طرف توجہ رجوع تھا جسے میں نے دیکھا تھا۔ اس سوال و جواب کے طویل سلسلے میں ایک مقام پر حضرت سیدنا موسیٰ بن عمران ؑ نے انھیں یہ بھی بتایا

کہ ذوق بقدر مرتبہ ہوا کرتا ہے۔

پھر ساتویں آسمان پر حضرت غلیل اللہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے حضور میں پہنچائے گئے۔ انھوں نے فرمایا کہ دیکھیے نردونے مجھ سے یہ نہیں کہا کہ میرے خدا زندگی اور موت دیتے ہیں بلکہ الزام اپنے سر لے لیا کیونکہ اگر وہ اپنے خداؤں کے متعلق یہ کہتا تو لوگ اس جھوٹ کی وجہ سے ان بتوں سے متنفر ہو جاتے۔ پھر حضرت ابن عربی علیہ السلام نے بعض ایسے جملے تحریر فرمائے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ بین اسطورہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ نردود مدعی الوہیت نہ تھا۔

اس کے بعد حضرت ابن عربی علیہ السلام کو بیت المعمور کی زیارت کرائی گئی جہاں اللہ تعالیٰ کی تجلیات، نور و غلّت کے ستر ہزار تجلیات کو عبور کر کے اپنے مشرق پر پڑتی ہیں۔ پھر سدرۃ المنتہی پر لے جائے گئے۔ نشاء انسان کا مشاہدہ ہوا۔ چار دریا علم کے دکھائے گئے جو کہ علم وہی کے دریا تھے۔ وہاں انھیں ایک خلعت بھی پہنائی گئی جو کہ اپنی مثال آپ تھی۔ اور یہ سراپا نور ہو گئے اور اس موقع پر انھیں یہ آیت بھی عطا کی گئی۔

قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا مِنْ رَبِّهِمْ
وَأَسْمِعِيلَ وَأَسْحَقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ وَمَا أُوْنِيْ مُوسٰى
وَعِيسٰى وَمَا أُوْنِيْ الشَّيْطٰنَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ
مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ

(کہو کہ ہم خدا پر ایمان لائے اور جو کتاب ہم پر نازل ہوئی اور جو صحیفے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر اترے، اور جو

کتاب میں موسیٰ اور یسعیٰ اور دوسرے انبیاء علیہ السلام کو پروردگار کی طرف سے ملیں
(ہم) سب پر ایمان لائے۔ ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں
کرتے اور ہم اس (خدا کے واحد) کے فرمانبردار ہیں۔)

یہ بشارت بھی دی گئی کہ آپ ”محمدی القام“ میں علی صاحبہا اکمل التحیات و
احمل النساء۔ پھر جب انھیں وہاں پر رسالت حضرت رسالت مآب ﷺ کی
عمومیت اور وسعت مشاہدہ کرائی گئی تو یہ تاب نہ لاسکے اور جنگی داماں کی شکایت کرتے
ہوئے عرض کیا کہ ”خشی خشی“ بس کیجئے بس کیجئے۔ یہ جو کچھ بھی دیکھ رہا ہوں مجھے کافی
ہے۔ مجھ میں اس سے زیادہ گنجائش نہیں ہے۔ میں بالکل بھر گیا ہوں۔ اور پھر ان تمام
مشکوفات کے بعد فرماتے ہیں کہ جب جا کر مجھ پر عہدیت کی حقیقت واضح ہوئی اور میں
نے جانا کہ میں تو محض ایک بندہ ہوں۔ مجھ میں ربوبیت کا تو شائبہ تک نہیں۔

اس ایک معراج کے علاوہ بھی انھیں معراج ہوئی اور کئی مرتبہ عروج حاصل ہوا لیکن اب
تو مدت ہوئی ان واقعات کو پڑھے ہوئے لیکن یہ واقعات دلچسپ بھی ہیں اور عہدیت
کی حقیقت اور اس کے عروج، نشیب و فراز، علم و جہل اور مراتب علیا و سفلی کا جو علم
حاصل ہوتا ہے، وہ ہماری صفت نیاز مندی اور عہدیت کو جلا بخشتا ہے۔ عروج و معراج
کو پڑھ کر بار بار حضرت علامہ اقبال مرحوم و مفطور کا یہ شعر دل کے تار چمیرتا ہے

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

”ماوردی“ اور ”ہاشمی“ نسبتوں کی اصل.....؟

فرمایا

جن علماء کرام رحمۃ اللہ علیہم کیساتھ ”ماوردی“ کی نسبت آتی ہے، ان کے متعلق ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ ”ماء الورود“ کا کاروبار کرتے تھے اس لیے ماوردی کہلائے۔ ماء کا مطلب تو ہوا ”عرق“ ”پانی“ او ”ورد“ کا مطلب ہے ”گلاب“ یعنی یہ حضرات ”عرق گلاب“ کا کاروبار کرتے تھے۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ جس کے ساتھ ”ہاشمی“ نسبت ہو، وہ حضرت ہاشم بن عبد مناف کی اولاد میں سے ہی ہوگا بلکہ عباسی خلیفہ سجاج نے کوفہ کے قریب ایک شہر آباد کیا تھا اور اس کا نام ”ہاشمیہ“ رکھا تھا، جن لوگوں کی نسبت اس شہر سے ہوئی وہ بھی ہاشمی کہلاتے تھے۔

عام طور پر بدگمانی کا سبب۔

فرمایا

عام طور پر بدگمانی کا سبب حقائق سے بے خبری ہوتی ہے۔

مخلص آدمی کی ناک ڈوبتے ڈوبتے بھی ساحل پہ جاگتی ہے۔

فرمایا

اخلاص بڑی دولت ہے۔ تحریر اور تقریر دونوں مکمل مطالعے کے بعد الفاظ کے چناؤ کے ساتھ اور محض اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کی جائے اور حقوق کے متاثر ہونے اور اپنے موثر ہونے کی نئی کی جائے تو اخلاص آتا ہے اور اس جذبے سے جو کچھ بھی تحریر کیا جاتا ہے یا تقریر کی جاتی ہے اس کا اثر بہت دیر پا ہوتا ہے۔ نظر ہمیشہ اپنے اخلاص پر رہے تو پھر لکھا،

کہا، سنا، سب کچھ موثر ہو جاتا ہے۔ ہزاروں کی زندگیوں تبدیل ہوتی ہیں اور اثر بقدر اخلاص کی برکات سامنے آتی رہتی ہیں۔ یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہم تو اسے عرصے سے تقریر کر رہے ہیں یا اتنی کتابیں لکھ دیں، قوم پر اثر ہی نہیں ہوا۔ یہ باتیں بالکل بے کار ہیں۔ اپنے اندر اخلاص پیدا کرنا چاہیے۔ مخلص آدمی کی ناکہ ڈوبتے ہوئے بھی ساحل پہ جاگتی ہے۔ غالب نے کیا اچھی بات کہی ہے

کہتا ہے کون نالہ بلبل کو بے اثر
پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے

حضرت خواجہ صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کے مستند
حالات و واقعات کی مدت سے تلاش!

فرمایا حضرت خواجہ صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و واقعات کی تلاش ایک مدت سے ہے لیکن تاریخ میں گویا کہ ان کا تذکرہ ملتا ہی نہیں۔ چند مستند روایات تک نہیں ملتیں۔ انسان کیا تحریر کرے کہ وہ مبارک ہستی کیسی تھی؟ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو خود بہت بڑے صوفی، حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے قابل تکریم بزرگ تھے، انہوں نے سینکڑوں صوفیاء کرام رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرے تحریر فرمائے۔ ان کی کتابیں مشائخ کے تذکروں سے بھری پڑی ہیں اور یہ دلیل بھی ہے اس بات کی کہ انہیں اصحاب باطن سے کیسی عقیدت و محبت تھی لیکن انہوں نے بھی حضرت صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی مفصل تذکرہ نہیں لکھا۔ شاید ان کو بھی کوئی مستند مواد نہیں ملا، جو اپنی کتاب

”اخبار الاخبار مع مکتوبات“ میں اس قدر سری طور سے گزر گئے ہیں۔ صرف سات سطریں تحریر فرمائی ہیں۔ ان کے پاس بھی حضرت صابری کلیری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات تک رسائی کا کوئی مستند ذریعہ نہیں ہوگا۔ اور دوسری طرف صابری نسبت کی مقبولیت عند اللہ اور قبولیت عامہ کا اندازہ کرنا ہو تو گجھلی ڈیڑھ صدی کے مشائخ اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم اسی باب عالی کے در یوزہ گریں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

فلسفی اور صوفی میں فرق۔

فرمایا فلسفی اور صوفی میں کیا فرق ہے؟ حضرت خواجہ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کی بھلی سینا سے ملاقات ہوئی اور بھلی سینا کچھ دیر کے بعد تشریف لے گئے۔ کسی نے حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ نے بھلی سینا کو کیسا پایا تو ارشاد فرمایا

آچھ من می نیم اومی داند

ترجمہ: وہ جو کچھ جانتے ہیں، میں اس کا مشاہدہ کرتا ہوں۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا حالت مراقبہ میں
مرزا تقی کی روح سے استفادہ۔

فرمایا حضرت علامہ اقبال مرحوم خود ”مرد خود آگاہ“ تھے، انہوں نے بہت سے عقدے ایسے چھوڑے، جو اب حل نہیں ہوتے۔ یا تو ان کی زندگی ہی میں کوئی ان سے دریافت کر لیتا یا وہ خود تشریح فرما دیتے اور یا اب کوئی ”مرد خود آگاہ“ ہو، تو شاید یہ عقدے حل

کر پائے۔ مراقبات اتنے قوی ہوں کہ عالم بالا تک رسائی ہو تو کچھ خبر ملے۔ لیکن مشکل یہ بھی تو ہے کہ جنہیں خبر ملتی ہے پھر ان کی خبر نہیں ملتی۔

۔ میان ما و بیت اللہ رحمت

کہ جبریل امیں را ہم خبر نیست (طہارۃ اقبال)

(ہمارے اور کعبۃ اللہ کے درمیان ایسے اشارے ہیں کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام

کو بھی ان باتوں کی خبر نہیں ہے۔)

یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ وہ فرماتے ہیں حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ کی روح مبارکہ مجسم صورت میں انھیں ملے آئی، اور وہ ان کے علوم و معارف سے مستفید ہوئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ، ابن عربی، خود مولانا فاروقی اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ اس طریق کے کھڑے و مد سے قائل ہیں لیکن مسئلہ اس وقت تک جاتا ہے، جب حضرت علامہ اقبال مرحوم ایک غیر مسلم روح سے بھی ”نزول شعر“ کے قائل ہیں۔

خواجہ موتی لعل کے ہاں آٹھ بیٹے پیدا ہوئے اور یہ تمام بھائی ہندومت پر یقین رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک بھائی کا نام فٹھی ہرگوپال تھا۔ انیسویں صدی کے سرے پر پیدا ہوئے اور ۱۸۷۹ء کو انتقال ہوا۔ صاحب دیوان شاعر تھے اور ”راستی“ تخلص تھا۔ جب مرزا اسد اللہ خان غالب کی شاگردی میں آئے تو انہوں نے تخلص بدل کر ”تقدت“ کر دیا اور مرزا کا خطاب بھی دے ڈالا۔ اب یہ ”مرزا ہرگوپال تقدت“ ہوئے اور مرزا غالب مرحوم کو اپنے اس شاگرد سے جو تعلق خاطر تھا، خطوط غالب اس کے گواہ ہیں۔ مرزا غالب نے ان کے ایک دیوان کا دیباچہ بھی تحریر فرمایا تھا اور یہ اتنے پُر گو شاعر تھے کہ اپنے بیٹے جتہر سنگھ

جواں مرگ کی موت پر جو مرثیہ لکھا دو سو پائیس (۲۲۲) اشعار پر مشتمل تھا۔ اپنی وفات کے بعد چار دیوان چھوڑے اور ان کا کرایا کرم بھی ہندومت کے مطابق ہی ہوا۔ ہندومت کے یہ ایک مٹھے ہوئے شاعر تھے اب مسئلہ یہاں پہنچ کر پیچیدہ ہوتا ہے جب حضرت خواجہ حسن نظامی مرحوم ۱۹۳۶ء میں (علامہ اقبال مرحوم کی وفات سے دو برس قبل) دہلی میں پہلی مرتبہ ”یوم غالب“ پر حضرت اقبال کو مدعو کرتے ہیں۔ دعوت نامے کے جواب میں علامہ اقبال مرحوم معذرت کا خط تحریر فرماتے ہیں۔ نہ جائیں دہلی علامہ مرحوم لیکن کم سے کم از رو مروت کوئی پیغام ہی لکھ بھیجیں کہ ان کی غیر موجودگی میں حاضرین جلسہ کو سنایا جاسکے۔ علامہ اقبال مرحوم کے اس پیغام کی تحریر سے قبل کیا ہوا؟ اس کی مقدمہ کشائی کرتے ہوئے حضرت خواجہ حسن نظامی مرحوم کو تحریر فرماتے ہیں کہ پیغام کا مضمون کیا ہوا؟ اس کے لیے مراقبہ کیا تو مرزا ہر گوپال آفندہ مرحوم کی روح سامنے آگئی اور اہل دہلی کے لیے یہ دو شعر نازل کر کے غائب ہو گئی۔

دریں محفل کہ افسوں فرنگ از خود رہو او را
نگاہ پردہ سوز آرد، ولے دانائے راز او را
مئے ایں ساقیان لالہ رو، ذوقے نمی غطفہ
ز فیض حضرت غالب ہاں پیانہ باز آرد
ترجمہ: (اب دہلی میں ایسی محفل بھی ہے کہ فرنگی جاوے نے خود انھیں بے قابو کر دیا ہے اب ایسی پردہ سوز نگاہ چاہیے جو اس افسوں کا پردہ چاک کرے لیکن اس مقصد کے لیے ایک دانائے راز چاہیے۔ ان گل لالہ کی طرح چہرہ رکھنے والوں

کے لیے یہ شراب مزانئیں دے رہی حضرت غالب کے ذوق کے مطابق والی شراب دو بارہ لا۔)

اور پھر اس کے بعد علامہ مرحوم یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ دہلی کے چذتوں کو میرا سلام کہیے گا۔
مرزا ہرگوپال تفتہ کی روح ان کو مراقبے میں ملی کیسے؟ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی روح کے تجسد کو مانا جاسکتا ہے، ارشیدس (Archimedes) کی روح کا تجسد بھی سمجھ میں آتا ہے کہ ان کا دین و مسلک جاننے کا کوئی مستند ذریعہ نہیں ہے۔ حضرت قاسم اطوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی روح مبارکہ دیوبند میں تجسد اقدس وارد ہوئی، ایک دیہاتی کو بھی اس روح سے اس طرح فیض پہنچا کہ حضرت قدس سرہ عالم عصری میں جسم کے روپ میں آئے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ حنفی مارتیڈی تھے لیکن مرزا تفتہ کا دیان گیان تو سب کو معلوم تھا، ان کی روح سے علامہ مرحوم کیسے فیض یاب ہوئے اور وہ روح ان کے مراقبے میں کیسے آئی؟

پیدا کی طور پر ہی ذکر و مراقبات ذات و صفات میں
مصرف رہنے والے۔

فرمایا بعض بچوں کو ریاضت و کسرت کا شوق ہوتا ہے۔ اپنے جسم کو بنانے میں مصروف رہتے ہیں۔ غذاؤں کا استعمال بہت احتیاط سے کرتے ہیں۔ صبح و شام ورزش (Exercise) کرتے ہیں حتیٰ کہ اب بعض بچے تو ان مقاصد کے لیے مختلف دنامنزی کی گولیاں بھی استعمال کرتے ہیں اور نتیجہ کیا نکلتا ہے یہ کہ بہت سی بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

صحت عمدہ رہتی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ اپنے فرائض ادا کرنے میں سستی سے کام نہیں لیتے اور کابلی انہیں چھو کر نہیں گذرتی۔ کابلی سے ایک لطیفہ یاد آیا اور وہ یہ کہ دو بھائی رات کو سونے کے لیے ایک ہی کمرے میں اپنی اپنی چارپائی پر لیٹے۔ دونوں بلا کے کابل تھے۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ ذرا اٹھ کر دیکھو تو باہر بارش ہو رہی ہے یا نہیں۔ دوسرے نے لیٹے لیٹے جواب دیا کہ برس رہا ہے۔ پہلے نے پوچھا کہ حسیں کیسے معلوم ہے؟ اس نے کہا ابھی ٹیلی آئی تھی میں نے اس پر ہاتھ پھیرا تو ترچہ تھی اس سے معلوم ہوا۔ پہلا پھر بولا کہ اچھا ابھی اُٹھو اور چراغ گل کرو۔ دوسرا بولا روشنی کی وجہ سے نیند نہیں آ رہی تا تو منہ لٹاف میں دے لو۔ پہلا بولا ارے بھیا تم تو بہت سستی کے مارے ہوئے معلوم ہوتے ہو چلو اٹھو اور دروازہ بند کرو۔ جواب ملا کہ بھائی جان آپ کے دو کام تو میں نے کر دیے اب آپ بھی تو کوئی کام کریں۔

سو یہ بچے اپنا جسم بناتے ہیں، کابل نہیں ہوتے۔ صوفی بھی ایسے ہی ہوا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کی فطرت ہی میں یہ خاص بات مزید اضافے کے ساتھ رکھ دیتے ہیں کہ وہ اس کی معرفت میں مصروف رہیں۔ ایسے لوگ پیدا انہی طور پر ہی ذکر و مراقبات، ذات و صفات میں مصروف رہتے ہیں۔ اسم ذات سے لے کر مراقبہ ذات تک کی تمام منازل طے کرتے ہیں۔ ذات باری تعالیٰ انہیں اپنا قرب خاص عنایت فرماتی ہے اور ان کے نقوش عمل کو لاغابی بنا دیتی ہے۔ یہ اپنی روح کو بنانے میں مصروف رہتے ہیں۔ روحانی کسرت و ریاضت کے شوق میں اپنے معاصرین سے کوئی اعتناء کیے بغیر منازل شوق طے کرتے ہیں اور ہر گناہ سے اس لیے بچتے ہیں کہ ان کی روحانیت متزلزل کاٹھا ہوتی ہے۔

حتیٰ کہ قربِ فرائض کی منزل سے نکل کر قربِ نوافل میں داخل ہو جاتے ہیں۔ یہی ہیں جن کی زندگی قابلِ تعریف، جن کا عالم نزعِ قابلِ رشک اور جن کی آخرت کی منازل ان کے جسم کی موت سے پہلے ہی انھیں دکھادی جاتی ہیں۔ جسم کی موت اس لیے کہا کہ فرشتے صرف جسم پر موت طاری کرتے ہیں روح تو ہر لمحہ ہر آن حالتِ حضوری میں رہتی ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا ہے۔

فرشتہ موت کا چھوٹا ہے گو بدن تیرا

ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

صحیح عقیدہ سے ناواقف صوفی کی صحبت سم قاتل ہے۔

فرمایا جو صوفیاء یہ سمجھتے ہیں کہ تصوف کی بنیاد صحبتِ شیخ یا ذکر الہی ہے، تو یہ ایک بہت بڑا دھوکہ ہے۔ تفسیر ہو یا حدیث، فقہ ہو یا تصوف تمام علوم اور تقربِ الہی کی بنیاد صحیح عقیدہ ہے۔ عقیدہ اگر رائی کے دانے کے برابر بھی فاسد ہے تو تصوف اور سلوک کی خوشبو تک نہیں پاسکتا اصل جو ہر پانا تو ناممکن ہے۔ اس لیے سب کو سب سے پہلے اپنے عقیدے کو درست کرنا چاہیے۔ یا تو عقیدہ وہ ہونا چاہیے جو ماتریدی حضرات نے کتاب و سنت سے اخذ کیا ہے اور فقہ اکبر یا عقیدہ ملحاویہ میں تحریر فرما دیا ہے اور یا پھر عقیدہ اشعری حضرات کے مطابق ہونا چاہیے کہ وہ بھی اہل حق ہیں اور انہوں نے بھی عقیدے کا استنباط کتاب و سنت ہی سے کیا ہے۔ ماتریدی اور اشعری علماء کے عقائد کا اختلاف کچھ تو محض نزاعِ لفظی ہے اور کچھ اختلافِ مبنی بر حقائق بھی ہے تو وہ ایسے حقائق نہیں

ہیں کہ ان کی بناء پر وہ دونوں ایک دوسرے کی تکفیر یا تحسین کریں۔ جس صوفی کو عقیدے کا معلوم ہی نہیں کہ وہ کیا چیز ہے، اس صوفی کی صحبت سم قائل ہے۔ اس سے ایسے ہی بچنا چاہیے جیسے کہ انسان اپنے آپ کو کسی سانپ، اثر دھار یا درندے سے محفوظ رکھتا ہے۔

جس صوفی کا عقیدہ درست نہ ہو
اس سے بیعت تو دور کنارہ.....!

فرمایا ضروریات دین کی بھی ایک فہرست ہے۔ اور ان ضروریات میں یہ بات بھی شامل ہے کہ جس صوفی کا عقیدہ درست نہ ہو اس سے بیعت تو دور کنارہ اس کی صحبت تک سے بچے۔ مثلاً صوفی کا عقیدہ اگر یہ ہو کہ حلال و حرام سب جائز ہے۔ وجود ایک ہی ہے اور جو حسن ہے وہ ذات القدس ہے معاذ اللہ تو یہ صوفی تو خود مگر وہ ہے معلوم نہیں کہ ایسے جہلوں کے بعد مسلمان بھی رہے گا یا نہیں کہ یہ کہ وہ بیہ مر و شد ہو۔

اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں
وحدۃ الوجود کا غلبہ۔

فرمایا سلطان اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں وحدۃ الوجود کا بہت غلبہ ہو گیا تھا۔ بعض گمراہ صوفی خالق اور مخلوق کے اتحاد کے قائل تھے اور بعض عبد اور معبود میں کوئی فرق روا نہیں رکھتے تھے۔ اس وجہ سے اس زمانے میں چونکہ فتاویٰ عالمگیری مرتب ہو رہی تھی تو علماء کو یہ لکھنا پڑا کہ اللہ تعالیٰ کبھی اتنا نزول نہیں فرماتے کہ بندہ بن جائے اور انسان

کو کبھی اتنا عروج نہیں ہوتا کہ وہ خدا بن جائے۔

جاہل مشائخ کا ایک آدھ صدی کے بعد نام بھی نہیں رہتا۔

فرمایا جب کوئی شخص مرید ہونے آئے تو ہمیشہ غور و فکر سے کام لے کر بیعت کرنا چاہیے۔ سب سے زیادہ سونے ٹھن تو اپنے نفس کی نسبت رکھنا چاہیے کہ میں سرے سے اس قائل ہی نہیں ہوں۔ اگر ذہن میں آئے کہ میں اس قائل ہوں یا یہ کہ شیخ نے کچھ سوچ کر ہی اجازت دی ہوگی وغیرہ وغیرہ تو ہرگز بیعت نہیں لینی چاہیے کہ ابھی تو یہ خود ناقص ہے اور ان لوگوں کا مرید ہونے کے لیے آنا استدراج ہے۔ یہ سمجھنا چاہیے کہ میرا نفس جو مختلف تاویلات کر کے مجھے بھڑکاتا رہا ہے یہ وہ باطل عمل ہے جس پر میں قائم ہوں اور لوگ جو آ رہے ہیں تو میں سمجھ رہا ہوں کہ یہ قبولیت عند اللہ ہے جبکہ میں تو ابھی اپنے نفس کے مکر سے نجات حاصل نہیں کر سکا۔ یہ سب استدراج ہے۔ اور اگر لوگوں کو مرید کر کے خوشی محسوس ہوتی ہو تو پھر تو بالکل ہی بربادی ہے، ایسے شخص کو چاہیے کہ اپنی عاقبت کی فکر کرے۔ کیا فائدہ کہ لوگ تو اپنے اخلاص کے سبب جنت میں چلے جائیں اور یہ جہنم کا کندہ بنے۔ ہاں اگر اس لیے بیعت کرے کہ شیخ کا حکم ہے اس کا اوپ اور امر معروف میں ان کی اطاعت ضروری ہے اور مرید کرتے وقت بھی خائف اور لرزاں رہے اور اللہ تعالیٰ سے التجا اور تضرع و زاری کرے کہ لوگ آپ تک پہنچنے کے لیے مجھے واسطہ بناتے ہیں، آپ ہی میرے اور ان کے دیکھیں ہیں تو البتہ مرید کرنا جائز ہوگا۔ ایسے ہی حضرات کے سلاسل میں اللہ تعالیٰ برکتیں بھی عطا فرماتے ہیں اور یہی سلاسل قائم

رہتے ہیں۔ مگر نہ جاہل اور مریدوں کے زیادہ ہونے سے خوش ہونے والے مشائخ کا سلسلہ اگرچہ بظاہر پھیل رہا ہو لیکن درحقیقت دھوٹ رہا ہوتا ہے چنانچہ ایک آدھ صدی کے بعد ان کا نام و نشان بھی نہیں رہتا۔

صوفیاء کرام اللہ کے کشف والہام کو شریعت کے ترازو میں تولنا چاہیے۔

فرمایا

حضرات صوفیاء کرام اللہ کو جو کشف والہام ہوتا ہے اسے شریعت کے ترازو میں تول کر قبول یا رد کرنا چاہیے۔ ان کی جو بات شریعت کے خلاف ہے، ایک نکلے کے برابر نہیں ہے۔ ان کے خواب اور کشف اگر شریعت کے مطابق نہ ہوں تو انہیں دیوار پر دے مارنا چاہیے۔ تصوف کا اصل کام اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے وعدہ و وعید پر یقین ہونا اور پھر اس یقین میں دن بدن اضافہ ہے۔ یہ یقین اور اضافہ، شریعت پر عمل کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے اور بس۔ اگر کوئی شخص عمر بھر ذکر و مراقبہ میں مصروف رہے اور یہ یقین پیدا نہ ہو کہ حرام کام سے عذاب ہوگا اور نماز پڑھنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوگا، اس کی ذات سبحانہ و تعالیٰ نے اعمال صالحہ اور اپنے فضل سے جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور وہ یقیناً ملے گی اور جن اعمال پر جہنم کا فرمایا ہے ان سے بچتا ہے کہ آخرت میں جہنم دیکھنی پڑے گی، تو پھر ایسے شخص کو بچر بننے سے زیادہ اپنے یقین کو پختہ کرنا چاہیے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اکثر صوفیاء کی نماز کے مسائل سے عدم واقفیت۔

فرمایا

ہمارے زمانے میں اکثر صوفیاء کی نماز سنت کے مطابق نہیں ہوتی۔ انھیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ نمازوں کے مستحب اوقات کیا ہیں۔ چنانچہ نماز عشاء جلدی ادا کرتے ہیں اور نماز عصر بھی مستحب وقت سے پہلے پڑھ لیں گے۔ فرض نماز پڑھائیں گے اور پہلی دو رکعتوں میں دو مختلف سورتوں کی آخری آیات پڑھ کر نماز کو مکروہ کریں گے۔ دوسری تیسری اور چوتھی رکعت کے آغاز میں تسبیہ نہیں پڑھیں گے اور نماز کو مکروہ کریں گے۔ انھیں چاہیے کہ سب سے پہلے اپنی نمازیں سنت کے مطابق کریں۔ تزکیہ نفس تو بہت بعد کی بات ہے۔ فقہ میں صرف طہارت اور نماز کے ابواب ہی پڑھ لیں تو بسا غنیمت ہے۔ اور ان کے مرید اُن سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ ایسی نمازیں پڑھتے ہیں جیسا کہ ان کا شیخ پڑھتا ہے۔ اور اس جاہل شیخ کی نماز کو دلیل بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمارے حضرت ایسے ہی پڑھتے تھے یا پڑھتے ہیں۔ کیا قلم بچا ہوا ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے جیسے نماز پڑھی ہے ویسی پڑھنے کے لیے علم حاصل نہیں کرتے اور اپنے جاہل شیخ کی نماز کو دلیل بناتے ہیں حالانکہ دلیل تو سنت ہے۔ وہ نماز، سیکھ کر اور علم حاصل کر کے پڑھنی چاہیے اور اپنی اور اپنے شیخ کی نماز اس کو ٹیپ پر رکھنی چاہیے۔ جاہل مرید الٹا معاملہ کرتے ہیں۔



اللہ تعالیٰ نے سلسلہ نقشبندیہ کو ہندوستان میں
عروج نصیب فرمایا۔

﴿فرمایا﴾

اللہ تعالیٰ نے سلسلہ نقشبندیہ کو ہندوستان میں جما دیا۔ پے در پے اس نے
اکابر و اعاظم اس سلسلے میں داخل ہوئے کہ ان کی چمک کے سامنے لیکن ماند پڑ گئے۔
حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کو بہت فکر تھی کہ ہندوستان میں اس سلسلے کا مستقبل
کیا ہوگا؟ چنانچہ اپنے مکتوبات شریف میں بھی ایک مقام پر تحریر فرمایا ہے کہ
ایں سوسہ عالیہ کہ دریں دیار بسیار غریب است
(سلسلہ نقشبندیہ کی عالی نسبت ہندوستان میں بہت کم ہے)

اس مقصد کے لیے ہمیشہ دعا گو رہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا مظہر جانجہاں،
حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت مولانا غلام علی صاحب دہلوی، قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی،
حضرت شاہ علم اللہ، خواجہ آدم خوری، حضرت سید احمد شہید، حضرت خواجہ دوست محمد صاحب
قد ہادی رحمۃ اللہ علیہ سے اس پاک سلسلے کو استقامت بخشی اور ان حضرات میں ماتریدی عقیدہ،
اجتناب سنت، صحیح علم، نماز، تلاوت، اپنے مریدین کو سلوک کے تمام اسباق طے کرانا، پختہ
خانقاہیں بنانے کا ذوق، کتب خانوں کا اہتمام کرنا، ضبط احوال اور سکوت، برابر چلتا رہا۔
اور بحمدہ سبحانہ و تعالیٰ ان کی جن شاخوں میں بدعات نہیں آئیں، وہاں یہ خصوصیات اب
تک قائم ہیں۔ ثبتا اللہ و انا ہم علی الطريقة العریضہ۔

گمنامی — مشائخِ چشت کا شیوہ

فرمایا (حضراتِ مشائخِ چشت رحمۃ اللہ علیہم اپنے گاؤں چشت (جو کہ اب بھی افغانستان میں موجود ہے) سے ہندوستان وارد ہوئے۔ گمنامی ان کا ہمیشہ شیوہ رہا۔ نہ کبھی پختہ خانقاہیں بنائیں اور نہ کہیں نام و نشان کے لیے جدوجہد کی۔ اپنے آپ کو ہمیشہ مٹاتے رہے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ انھیں مقاماتِ ارفع عطایت فرماتے رہے۔ یہ اپنے آپ کو اللہ کے لیے خاک میں مٹاتے رہے ہر دم اپنی نئی ان کا شعار رہا اور جو جتنا متاثرہ ہدایت اس پر آتی ہی مرثیٰ۔ ان خاک نشینوں کی تمام عمر داستانِ عشق بیاں کرنے میں گزری اور ہجر کے غم نے ان کی ہڈیوں تک کو گھلادیا۔ یاد الہی کے غلبے میں گریہ و زاری ان کا حال رہی اور مخلوقِ خدا کا ظلم اور اینٹے زماں کا حسد، ان پر ہر دور میں ایسا برساکہ ساون میں برکھا بھی کیا بری ہوگی۔ تقدیر الہی پر صبر اور اپنے آپ کو مٹا دینا سلسلہ عالیہ کی پیچان تھی اور اب تک بھی ان کی جو شائیں بدعات میں جتنا نہیں ہوئیں، وہاں یہی صورتحال ہے۔ ان کے درویش ہمیشہ اس اصول کے قائل رہے کہ

ہر کہ دادہ رنج مارا احتش بسیار باد

(جو ہمیں تکلیف دے اللہ تعالیٰ اس کی راحت میں اضافہ فرمائے)

اربابِ حکومت سے بے نیازی اور اخائے حال سلسلے کا خاصہ ہے۔ شیخِ بدردین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ چشتیہ کے مشائخ اور حضرت خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ بختیار خلکی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاءِ کبار میں سے تھے۔ ان کا تعلق دہلی میں امرائے سلطنت سے تھا اور انہوں نے سلسلہ چشتیہ کی

خدمت کی غرض سے ان کے لیے ایک پختہ خانقاہ تعمیر کر دی۔ حکومت جب تہہ مل ہوئی تو یہ خانقاہ اور اس کے بانی معتب قرار پائے۔ مصائب کا پہاڑ ٹوٹا اور شیخ بدر الدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خواجہ تاش حضرت فرید الدین مسعود رحمۃ اللہ علیہ کو اجودھن خطا لکھا۔ عرض احوال کے بعد دعا کی درخواست کی تو شیخ وقت نے جو جواب تحریر فرمایا وہ سلسلہ چشتیہ کے ذوق کا نمائندہ تھا۔ فرمایا:

جو خود اپنی نئی روش بنائے گا ضرور جتلائے مصیبت ہوگا اور بے چینی ہوگی۔
آپ تو بھراں پاک کے دامن گرفتہ ہیں پھر ان کی روش کے برعکس خانقاہ کیوں
بنوائی؟ اس میں کیوں بیٹھے؟ ہمارے شیخ حضرت خواجہ قطب الدین اور ان کے
شیخ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ روش تو نہ تھی کہ اپنے لیے خانقاہ
بنوائیں اور وہاں کھول لیں۔ ان کا طریقہ تو گمنامی و بے نشانی تھا۔

مولانا الطاف حسین حالی کا ایک شعر مشائخ سلسلہ چشتیہ رحمۃ اللہ علیہ کے ذوق کا صحیح
ترجمان ہے۔

۔ مال ہے نایاب اور گاہک ہیں اکثر بے خبر

شہر میں کھولی ہے حالی نے، دکان سب سے الگ

سلسلہ چشتیہ کے حالات سے آگاہی کے لیے اس وقت سب سے زیادہ مستند کتاب
سیر الاولیاء ہے۔



عالم کا بجز، بندگی اور امتداد علی اللہ۔

فرمایا

عالم نے اپنے اس شعر میں اپنے بجز، اپنی بندگی اور امتداد علی اللہ کی کیا خوب بات کہی ہے۔

۱۔ جنس بازار معاصی، اسد اللہ اسد
کہ سوا تیرے کوئی اس کا خریدار نہیں
اسی مضمون کا ہندی دو با بھی کیا خوب ہے۔

۲۔ دانت گرے اور گھر رکھسے پیٹھ بوجھ نہ لے
ایسے بوڑھے تیل کو، کون باندھ، بھس دے

صوفیاء کے درکاشفات غلط ہونے کے
امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔

فرمایا

شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اہل جہنم کے بھی شامل حال ہو جائے گی۔ کافروں کو عذاب دوزخ تین ٹھنڈے تک ہوگا۔ ٹھنڈہ عربی زبان میں آستی سال کو کہتے ہیں اور ہر سال تین سو ساٹھ دن کا ہوگا۔ $(360 \times 80 = 28800)$ سو ایک ٹھنڈہ جب اٹھائیس ہزار آٹھ سو دن کا ہوا $(28800 \times 3 = 86400)$ تو تین حصے چھیالیس ہزار چار سو دن کے ہوئے اور یہ کل مدت دوسو چالیس سال بنتی ہے اور اس مدت کے بعد دوزخ کی آگ کافروں کی ایسی ہی شعلہ بنی ہو جائے گی جیسے کہ وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام

کے لیے ٹھنڈی ہو گئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے جو انہیں ہمیشہ عذاب دینے کا وعدہ فرمایا ہے تو اگر اللہ تعالیٰ کسی سے انعام کا وعدہ کر کے اسے عطا نہ فرمائیں تو یہ بات تو اس کی شان کے خلاف ہے اور اگر ہمیشہ عذاب دینے کا وعدہ فرمائیں اور کچھ مدت (دو سو چالیس سال) کے بعد وہ عذاب ہٹا دیں اور مزید عذاب نہ دیں تو یہ جو عذاب کا وعدہ پورا نہ کیا تو یہ تو مزید اس کا کرم ہے، کوئی بات اس کی شان کے خلاف نہیں اور حضرات صوفیہ کرام رحمۃ اللہ علیہم سے کسی کا بھی یہ مسلک نہیں ہے کہ کفار کو جہنم کا دائمی عذاب ہوگا۔

ہمارے شیخ و عارف باللہ حضرت مجدد الف ثانی سرہندی نور اللہ مرقدہ نے شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے اس نظریے پر شدید تنقید کی ہے اور فرماتے ہیں کہ شیخ بہت سے دیگر مسائل کی طرح اس مسئلے میں بھی رہ صواب سے ہٹ گئے ہیں کیا انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت دونوں جہاں میں صرف ایمان والوں کے لیے ہے اور کافروں کے لیے تو اس کی رحمت صرف دنیا میں ہے آخرت میں نہیں۔ آخرت میں تو کافر خدا کی رحمت سے محروم ہوں گے۔ شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ جن قرآنی آیات سے استدلال کرتے ہیں وہ ان آیات کے صرف ابتدائی حصے ہیں انہی کے آخری حصے کیوں نہیں پڑھتے جہاں اللہ تعالیٰ نے آخرت میں رحمت کو صرف مسلمانوں کے ساتھ مربوط کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کے مخالفین (کفار) کو ہمیشہ جہنم میں رکھے گا تو اگر اللہ تعالیٰ کسی موقع پر کافروں سے عذاب ہٹا کر رحمت سے کام لے گا تو اس وقت وہ اپنے اس وعدے کے خلاف بھی تو کرے گا جو اس نے اپنے دوستوں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ ہر طرح کے معائب سے منزہ اور پاک ہے اور یہ جوشِ صوفیہ کرام کا مسلک ذکر کرتے ہیں کہ کوئی صوفی بھی کافر کے ہمیشہ جہنم میں رہنے کا قائل نہیں ہے تو زیادہ سے زیادہ صوفیاء کو ایسا کشف ہوا ہوگا تو جب اجماع امت کافروں کے دائمی عذاب پر ہے تو اس اجماع کے مقابلے میں کسی صوفی کے کشف کی حیثیت ہی کیا ہے؟ صوفیاء کا کشف غلط ہونے کی امکانات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔

کمالات نبوت اور کمالات ولایت۔

فرمایا کمالات نبوت کے مقابلے میں کمالات ولایت کی حیثیت اتنی بھی نہیں جتنی ایک اونٹنی قطرے کو کسی چھوٹے سے اونٹنی سمندر سے ہوتی ہے، اس لیے جو لوگ سلوک ازراہ نبوت طے کرتے ہیں ان کے مقابلے میں جو لوگ سلوک ازراہ ولایت طے کرتے ہیں، کاش اس درجے میں بھی ہوتے جو درجہ ذرے کا آفتاب سے ہے۔

سلاسل طریقت میں بدعات کو رائج کرنا
ثمرات و برکات سے محرومی کا سبب ہے۔

فرمایا وہ تمام مسائل جن میں حضرات صوفیائے کرام اور علمائے عظام رحمۃ اللہ علیہم کا اختلاف ہے، صحیح تر بات یہ ہے کہ حضرات علماء کرام رحمۃ اللہ علیہم کا مسلک بہت ظہور اور واضح ہے۔ ان کے قدوائی دھوک اور قابلِ تسلیم و اتباع ہیں اور جب اس کی یہ ہے کہ حضرات علماء کرام اپنے علم کو کتاب و سنت اور آئمہ مجتہدین کے دلائل کی بنیاد پر عمل میں تبدیل کرتے ہیں جب

کہ حضرات صوفیاء کرام اپنا علم کمالات ولایت سے اخذ کرتے ہیں۔ پھر کبھی اس میں اپنے مشکوٰۃ کو بھی شامل کر لیتے ہیں اور رہ صواب سے دور اور رہ خطا پر چل پڑتے ہیں۔ پھر ان صوفیاء کرام میں وہ گمراہ بھی شامل ہو جاتے ہیں جو کتاب و سنت کی بجائے محض اپنے مشائخ کے طرز عمل کو دیکھ کر اسے ”صراط مستقیم“ کا نام دیتے ہیں۔ اپنے آپ کو اپنے مشائخ کے طرز عمل کا مردہ مقلد قرار دیتے ہیں اور چونکہ خود بھی علم سے واسطہ نہیں ہوتا، مطالعہ کرتے نہیں اور ان کے مشائخ بھی صاحبان علم نہیں ہوتے محض جاہل صوفی ہوتے ہیں، اس لیے یہ بھی ان کی جہالت کی راہ پر ان کے قبیح ہو جاتے ہیں۔ اپنے مشائخ کے اعمال کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ تو ہمارے فلاں حضرت کی سنت ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ کیا یہ گمراہ اتنا بھی نہیں جانتا کہ اصطلاحات میں یہ لفظ حضرت رسالت پناہ ﷺ کی غیر منسوخ شدہ احادیث پر عمل کرنے کا نام ہے اور اسی ذلت قدس کے لیے مخصوص ہے؟ اس گمراہ صوفی کو یہ بتایا جاتا ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے یا ان کا فعل مبارک یہ ہے تو یہ اپنے مشائخ کے اعمال کو دلیل بنانا اور سنت کے مقابلے میں لاتا ہے۔ یہ شرک فی الرسالۃ نہیں تو اور کیا ہے؟ اس قسم کی باتیں جب سننے میں آتی ہیں تو غیرت ایمانی اور تعلق نبوی اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ ان گمراہوں کے اعمال کی کوئی تاویل کریں۔ آئمہ مجتہدین کے اجتہاد پر اپنے مشائخ کے عمل کو ترجیح دیتے ہیں اور امت میں گمراہی اور فرقہ بندی کے درکھولنے ہیں اسی لیے تو اللہ تعالیٰ ان کو سلاسل طیبہ کی برکات سے محروم اور ان کے سلاسل کو معدوم کر دیتا ہے۔ بدعات پر سائل برستے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ جیسے شریعت مطہرہ میں بدعات کو اختیار

کرنا گمراہی ہے ایسے ہی سلاسل طریقت میں بھی، بدعات کو رائج کرنا ثمرات و برکات سے محرومی کا سبب ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادہ والا چار حضرت خواجہ محمد صادق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام جو گرامی نامہ تحریر فرمایا ہے، وہاں ان حقائق پر بھی قدرے روشنی ڈالی ہے۔ چاہیے کہ اس کا مطالعہ کریں۔

کافروں کی مذہبی رسومات سے دلی طور
پر نفرت ہونی چاہیے۔

فرمایا کافروں کی جو بھی مذہبی رسومات ہیں ان سے دلی طور پر نفرت ہونی چاہیے۔ ان رسومات کو بُرا جانے اور ان کے لیے دعائیں کہنے کہ اللہ تعالیٰ انھیں ان بد رسوم سے نجات دے۔ ان پر بھی ترس کھائے اور ان کافروں کو نرمی سے سمجھانا چاہیے تاکہ تبلیغ ہو جائے اور صحیح پیغام ان تک پہنچ جائے۔ ان کی تمام مذہبی رسومات میں کفر و شرک شامل ہے اور اگر ایمان بچانا ہو تو ان مذہبی رسومات سے برأت ضروری ہے۔ جس کافر کو اسلام کا پیغام، خود اس کی اپنی زبان میں پہنچا اور اس نے عاقل، بالغ اور بھلائی ہوش و حواس اس پیغام کو سمجھ کر پھر انکار کیا تو ایسے کفر کی سزا الہی جہنم ہے اس لیے مسلمان ہونے کے باوجود کافروں کی مذہبی رسومات میں شرکت کرنا اور ان کا بھالانا، اپنے ایمان کو خطرے میں ڈالنا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ ایک ایسے مریض کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے جو عالم نزع کی کھٹکھٹ میں تھا۔ جان، جسم کا ساتھ نہیں چھوڑ رہی تھی۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اس صورتحال کو برداشت نہ فرما سکے اور حق عیادت نہ جاتے ہوئے اس

کے دل کی طرف متوجہ ہوئے۔ پایا تو یہ کہ وہ دل کفر کی تاریکیوں سے اٹا ہوا تھا۔ توجہ مبارک سے اس کا تزکیہ ممکن نہ تھا اور بتایا گیا کہ اس دل کی تاریکیوں کو اب جہنم کی آگ ہی دور کرے گی۔ پھر معلوم ہوا کہ اس دل میں اسنے کفر کے باوجود ایمان کا ایک ذرہ باقی ہے اس لیے اس کی نماز جتنا زہ پڑھی جائے گی۔ اس لیے کافر کو حق بات پہنچانے اور اسے حق سمجھانے میں تو نرمی مطلوب ہے لیکن کفر اور اس سے متعلقہ رسومات سے سختی بھی مطلوب ہے۔

کیا ان عربی محدثین ارواح کا ملین کے
قدم اور ازلیت کے قائل تھے؟

فرمایا حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات شریف میں اپنے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ تحریر فرمایا ہے کہ حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ ارواح کا ملین کے قدم اور ازلیت کے قائل تھے اور اگر اس جملے کی کوئی تاویل نہ کی جائے تو یہ عقیدہ موجب کفر ہے۔ ایک مدت تک یہ پریشانی اور جستجوری کہ حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے آخر یہ عبارت کہاں تحریر فرمائی ہے، حتیٰ الوسع تلاش جاری رکھی لیکن یہ عبارت مذہبی۔ آخر مصرعے حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی جو تفسیر چھپی ہے، وہ ہاتھ لگی۔ اسے پڑھا تو معلوم ہوا کہ سورہ دہر کی تفسیر میں یہ جملہ موجود ہے۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے خود اس جملے کی تاویل بھی فرمائی ہے۔

اجماع امت کے مقابلے میں ناقص صوفیاء
کے کشف کی حیثیت ہی کیا؟

فرمایا جن صوفیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے اپنے کشف کی بنا پر امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حضرات شیخین رحمۃ اللہ علیہما پر فضیلت دی ہے ان کے ایسے کشف کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ار باب اہل السنۃ والجماعہ نے عقائد کے باب میں حضرات شیخین تو کیا حضرت امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تک کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل مانا ہے اور یہی صحیح عقیدہ اور نظریہ ہے۔ اجماع امت کے مقابلے میں ایسے ناقص صوفیاء کے کشف کی حیثیت ہی کیا ہے؟ صوفی کا کشف، غیر پر تو کیا جت ہوتا، وہ اگر مسلمات اہل السنۃ والجماعہ سے ٹکرائے تو خود اس صوفی کے لیے بھی جت نہیں جب کہ غیر مجتہد پر مجتہد کی تقلید واجب ہے۔ ایسے صوفیاء کے دست و بازو کمالات انبیاء علیہم السلام سے کوتاہ ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ کمالات ولایت کمالات نبوت کے سامنے پر کاؤ کی حیثیت بھی نہیں رکھتے۔

دل کا اصل مرض اس کا غیر اللہ کی محبت میں گرفتار ہونا ہے۔

فرمایا دل کا اصل مرض اس کا غیر اللہ کی محبت میں گرفتار ہونا ہے۔ اولاد سے اس لیے محبت کہ یہ مجھے نفع دیں گے، مال سے اس لیے کہ دنیا میں کام آئے گا، عہدے سے اس لیے محبت کہ جب جاہ کی تسکین ہوگی، دوستوں سے اس لیے محبت کہ کام آئیں گے۔ الغرض جتنی بھی اشیاء سے محبت ہے محض اپنی ذات اور نفس کے لیے تو اصل محبوب،

مطلوب اور معبود اپنا نفس ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی کہاں ہے؟ یہ سب غیر اللہ ہیں اور جب تک ان کی محبتوں اور اپنے نفس کی بندگی سے نجات نہ ملے، نجات کیونکر متصور ہے؟ اس لیے طالب نجات کو چاہیے کہ اپنا نقطہ نظر بدلے۔ اولاد سے تعلق خاطر کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حقوق حیرے ڈسے رکھے ہیں یہ فرمانبردار ہوں یا نافرمان، ان کے ساتھ بھلائی کرنی ہی ہے۔ دوست ملنے آتے ہیں تو آنے والے کا حق بنتا ہے، اس کے حقوق کو بھالانا ہے۔ مال اللہ تعالیٰ نے دیا ہے تو اس کا صحیح مصرف تلاش کر کے اسے خرچ کرنا ہے۔ ان تمام اشیاء سے محبت نہیں بلکہ اپنے فرائض کی ادائیگی ہے اور بس۔ جو شخص یہ نقطہ نگاہ رکھے اور اپنے دل کو غیر کی محبت سے بھالے وہ نجات پائے گا۔ غیر اللہ کی محبت ایسا مرض ہے جس کا ازالہ ضروری ہے اور اسی ازالے کے لیے تصوف کی راہ پر چلا جاتا ہے۔

شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مختلف نظریات!

فرمایا

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ پیروکار تو ایسے تھے کہ جو کچھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات، یا نصوص یا اپنی دیگر تصانیف میں لکھا، اسے بالکل برحق مانا اور ان انکار کی نشر و اشاعت کرتے رہے۔ نہ یہ سوچا کہ ممکن ہے ان کی کتابوں میں تحریف یا ان کا کشف مشتمل برخطا ہو یا ان کے الہامات و کشف اگر نصوص سے ظاہر آ نکرتے ہیں تو ان کی کیا تاویل تو جیہ کی جائے اور دوسرا گروہ ایسا تھا جس کو صرف یہ معلوم ہو جانا کافی تھا کہ حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا ہے، وہ کیل کانٹے سے لیس ہو کر ایسے مسلح حملے کرتے

تھے کہ پڑھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے۔ حسن سخن اور تاویل سے بالکل نا آشنا ہیں اور ان کی ہر عبارت کو جامہ کفر پہنانے کو تیار۔ ادھر اُدھائے بیٹھے ہیں کہ ہر قیمت پر حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا رد کرتا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ بھی بعض مقامات پر یہی روئے اختیار کرتے ہیں لیکن پھر بھی ہر قیمت پر کہ کئی مقامات پر عدل کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا لیکن جس گروہ نے انھیں اپنا قائد مانا ہے، وہ گروہ آج تک حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ سے زیادتی کا ارتکاب کر رہا ہے۔ پھر ایک گروہ ان دو انتہاؤں کے درمیان ہے۔ یہ ہندوستان کے علماء کرام و صوفیان عظام رحمۃ اللہ علیہم ہیں نہ لفظی کی تصویب کرتے ہیں اور نہ صحیح کی تقلید کرتے ہیں۔ پھر ان میں بھی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سرہندی نور اللہ مرقدہ اور باب وحدۃ الشہود کے تو کیا کہنے۔ اعتدال کی راہ پر گامزن ہیں۔ مکتوبات شریف میں نہایت وضاحت سے بار بار یہ اقرار فرمایا ہے کہ ”ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ از اولیاء مقبولان است“ اور پھر جہاں ان کی عبارات نصوص سے نکراتی نظر آتی ہیں یا تو ان کی توجیہ کی ہے اور یا پھر انھیں ”خطاہ کشفی“ قرار دیا ہے۔ جو لوگ بھی حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ کرتے ہیں انھیں چاہیے کہ حضرت شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہ، شیخ عبد الوہاب شرعانی اور حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ لکھا ہے، اس سے بھی غافل نہ رہیں۔



تاریخ

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبِیَاءِ الْقُرْیٰ نَقُصُّهٗ عَلَیْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ
وَّحَصِیْدٌ

(پ: ۱۴، سورہ صود، آیت: ۱۰۰)

یہ ان تباہ شدہ بستیوں کی کچھ داستانیں ہیں جو ہم آپ کو سنا رہے
ہیں، اُن (برباد شدہ بستیوں) میں سے کچھ تو اب بھی باقی ہیں اور کچھ
وہ، جن کی فصل کٹ چکی (اور وہ قصہ پاریں ہو گئیں)۔

واقعہ خز و واقم اور اہل بیت نبوی ﷺ کی دوراندیشی

فرمایا

خز و واقم کا مشہور واقعہ ۶۳ھ میں پیش آیا تھا۔ قصہ یہ تھا کہ حضرات اہل مدینہ میں سے انصار ﷺ کا ایک وفد یزید کے دربار میں دُشمن گیا۔ یزید نے اگرچہ ان کے ساتھ حسن سلوک کیا لیکن انھوں نے جب یزید کی زندگی کو شریعت کے خلاف اعمال سے بے پایا، تو صبر نہ کر سکے اور مدینہ منورہ واپس پہنچ کر ایسے فاسق و فاجر شخص کی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور بغاوت برپا ہو گئی۔

حضرت عبداللہ بن حظلہ غسلی ملائکہ انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی اور مروان بن حکم اور تمام بنو امیہ کو مدینہ منورہ سے نکال دیا گیا۔ یزید تک جب یہ خبر پہنچی تو اس نے اہل مدینہ کی بغاوت کو ختم کرنے کے لیے ایک لشکر بھیجا، جس کا امیر مسلم بن عقبہ کو مقرر کیا۔ مدینہ منورہ سے باہر ایک مقام ”خز و واقم“ تھا، اس میدان میں اہل مدینہ جمع ہوئے اور یزیدی فوج اپنے کمانڈر مسلم بن عقبہ کی قیادت میں یہاں پہنچی تو بہت گھمسان پڑا۔ مہاجرین اور انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی اولادیں شہید ہوئیں، محمد بن ثابت بن قیس بن شماس، محمد بن ابی بن کعب، معاذ بن حارث ابو حلیہ انصاری۔ انھیں امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں تراویح کا امام مقرر کیا تھا۔ کثیر بن الفح۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جن کا تین سے مختلف مصائب گھوڑے تھان میں سے ایک پہنچے ہیں۔ معقل بن سنان، عبداللہ بن حظلہ غسلی ملائکہ، عبداللہ بن زید۔ جنھوں

ﷺ

نے حضرت رسالت مآب ﷺ کے دشمنوں کی بعض تفصیلات بیان کی ہیں اور مہاجرین و انصار کی اولاد و نسل میں سے تقریباً سات سو افراد شہید ہوئے۔ تین دن، لوگ اپنے گھروں میں خائف و سکت بیٹھے رہے۔

اہل بیت نبوی علیہ السلام واقعہ کربلا سے ہی یہ سمجھ چکے تھے کہ اب حکومت سے کراؤ کے نتیجے میں اصلاح نہیں ہوگی اس لیے حضرت زین العابدین علیہ السلام اس معاملے میں بالکل الگ تھلگ رہے اور حضرت عبداللہ بن عباس علیہ السلام کے صاحبزادے، حضرت علی بن عبداللہ بن عباس علیہ السلام بھی اس میں شریک نہیں ہوئے کیونکہ یہ تمام حضرات سمجھتے تھے کہ ایک جی ہوئی حکومت کے خلاف بغاوت سے کچھ مثبت نتائج تو برآمد ہونے کے نہیں، کیوں نہ علم کے پھیلاؤ اور عوامی فلاح و بہبود کے کام کیے جائیں۔

تاریخ یمن "روح الروح" کا قلمی نسخہ اور اس پر کام کی ضرورت

فرمایہ تاریخ سے شغف رکھنے والے حضرات کو چاہیے کہ تاریخ یمن "روح الروح" پر کام کریں۔ اس کا ایک قلمی نسخہ دارالمصنفین اعظم گڑھ میں موجود ہے۔ تاریخ کا یہ عظیم سرمایہ حاجی عبدالمکریم صاحب مرحوم و مغفور، جو کہ رشتے میں مولانا شبلی مرحوم کے ماموں ہوتے تھے، ہندوستان لائے تھے۔ اب یہ تاریخ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔ نوے صدی ہجری کی یمن اور خلافت عثمانیہ کی تاریخ کے بہت سے اہم واقعات اور نوادرات اس کتاب میں ہیں۔ یمن کے سفر میں، وہاں کے علماء سے بھی اس کا تذکرہ ہوا تو بعض علماء کرام اس سے واقف تھے لیکن کسی ایسے کتب خانے کی نشاندہی

نہ کر کے جہاں سے اس کا کوئی قلمی نسخہ ہی سہی مل تو جاتا۔ محمد بنی بن الحنفیہ بن مطہر بن شرف الدین اس کے مصنف ہیں اور ۹۰ھ سے لے کر ۱۰۲۹ھ تک کے واقعات اور خلافت عثمانیہ اور یمن کی حکومت کے درمیان خط و کتابت کی بعض اہم دستاویزات بھی اس میں شامل ہیں۔

شیعہ سنی اتحاد کے لیے شرائط اور "تاریخ نادری"۔

فرمایا محمد مہدی اسرار آبادی کی "تاریخ دہلی" بھی ضرور پڑھنی چاہیے۔ نادر شاہ درانی نے خلافت عثمانیہ سے شیعہ سنی اتحاد کے لیے جو شرائط پیش کی تھیں، اس کے متعلق اہم مواد اس میں موجود ہے، لیکن افسوس کہ یہ تاریخ اب عام طور پر ملتی نہیں۔

ابن خلدون اور امیر تیمور کی ملاقات

فرمایا مشہور مؤرخ اور فلسفی ابن خلدون اور حضرت امیر تیمور گورگانی کی ملاقاتیں ۱۴۱۱ء میں دمشق میں ہوئیں۔ امیر تیمور نے دمشق کو فتح بھی اسی سال کیا تھا اور بارہ برس کے ایک لڑکے۔۔۔ ابن عرب شاہ۔۔۔ میں انھیں یہ معلوم کیا غولبی نظر آئی کہ اسے اس کی والدہ اور بھائیوں سمیت سرقد بھیج دیا۔ اس بچے ابن عرب شاہ نے جب ہوش سنبھالا تو امیر تیمور کے خاندان کے متعلق معلومات حاصل کیں، پھر اپنے دائرہ علم کو اور بڑھایا اور اس خاندان کی تاریخ اور اپنے دور کے حالات عربی زبان میں تحریر کیے ان کی تصنیف۔۔۔ امیر تیمور کی سوانح عمری۔۔۔ تقریباً دو سو سال تک گوش گمنامی میں

پڑی رہی۔ مشہور مستشرق جیکب گولیس نے اس مخطوطے کو ایٹ کیا پھر عربی سے انگلش میں منتقل کی، 1636ء میں غالباً بالینڈ سے اس کی یہ کاوش طبع ہوئی اور پھر مسلمان دنیا اور مغربی فلسفہ نے ابن خلدون کا حقیقی مقام جانتا۔

ایک اور مغربی فاضل اور مستشرق ڈاکٹر فیشل (Walter J. Fischel)، جو کیلی فورنیا یونیورسٹی میں صدر شعبہ تھے انھوں نے جب اس کتاب میں یہ پڑھا کہ حضرت امیر تیمور گورگانی اور علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ کی آپس میں ملاقات ہوئی تھی تو انھوں نے یہ جستجو شروع کی کہ کسی طرح یہ معلوم ہو سکے کہ ان دو عظیم ہستیوں کی باہمی ملاقاتوں کی تفصیل کیا ہیں۔ وہ واحد شخص جو حضرت امیر تیمور گورگانی کی طرف سے شاہی ترجمان مقرر کیا گیا تھا اور ان دو ہستیوں کی گفتگو ایک دوسرے تک پہنچا رہا تھا، عبدالباری نعمان تھا۔ ڈاکٹر فیشل نے اس کی باقیات کی طرف رجوع کیا لیکن کوئی سراغ نہ مل سکا۔ ڈاکٹر فیشل نے ہر طرف سے مایوس ہو کر ”تاریخ ابن خلدون“ کا باقاعدہ مطالعہ شروع کیا اور وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ابن خلدون نے اس تاریخ کے آخر پر اپنی سوانح عمری لکھی ہے لیکن 1395ء کے سال پر پہنچ کر ان کا قلم رک اور خود دوست کے صفحات خشک ہو گئے ہیں۔ ڈاکٹر فیشل نے ہمت نہیں ہاری اور یہ طے کیا کہ اس تاریخ کے قلمی نسخے تلاش کرنے چاہئیں شاید کوئی ایسا نسخہ مل جائے جس کے آخر پر 1395ء کے بعد کے حالات بھی درج ہوں کیونکہ ان دو بڑی ہستیوں کی ملاقات تو 1401ء میں ہوئی تھی۔ ڈاکٹر فیشل نے اسی غرض سے 1950ء میں ترکی کا سفر کیا اور اسی مقصد کے تحت وہاں کے کتب خانوں کی خاک چھانی۔ آخر کار انھیں اسعد آندی کی لاہریری اور آ یا صوفیا کے کتب خانے

میں تاریخ ابن خلدون کے دوائے فضل گئے جن پر ابھی تک کام نہیں ہوا تھا اور ان میں ان تاریخی ملاحظات کا ذکر اور تفصیلات خود ابن خلدون کے قلم سے مرتب تھیں۔ اسی طرح کا ایک تیسرا نسخہ انھیں قاہرہ مصر میں ملا اور انہوں نے ان تینوں مخطوطات کو سامنے رکھ کر تاریخ ابن خلدون کے حواشی مرتب کیے اور تنقیدی اشارات بھی لکھے۔ عربی سے انگلش میں ترجمہ کیا اور اپنی انگلش کتاب "ابن خلدون اور امیر تیمور" (Ibn Khaldun and Tamer Lane) کو 1952ء میں کیلی فورنیا یونیورسٹی سے پہلی مرتبہ طبع کروایا۔

خارجیت اور ماصیت

فرمایا خارجیت اور ماصیت ایسے نئے نہیں ہیں جو کبھی ختم ہو جائیں گے۔ ماصیت کا اصل مقصد حضرات اہل بیت کرام علیہ السلام کی توہین اور ان پر سب و شتم ہے اور خارجیت نام ہے اس دہشت گردی کا جو ہر مذہب میں ملے پڑتا ہے کہ نام پر کی جاتی ہے۔ جو ردِ ظلم، جبر و تشدد، خون ریزی اور ہر ایک کی توہین پر خاص اجزاء ہیں خارجیت کے۔

محمد بن عبدالوہاب نے توحید و سنت کے نام پر جو پر تشدد تحریک برپا کی تھی وہ بھی تو خارجیت ہی تھی، اسی لیے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اور اس کے پیروکاروں کو خارجی قرار دیا تھا۔ پاکستان میں "طالبان" اور "شیخ پیری" حضرات کی پر تشدد جدوجہد بھی خارجیت ہی ہے اسی لیے تو یہ حضرات اپنے علاوہ کسی کو مسلمان بھی نہیں سمجھتے اور بر ملا شعائر کی توہین کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ، خواتین اور بچوں کو قتل کرنا، جو کہ بتا من گھڑت داستانیں سناتا، جھوٹ بولنا، اپنے کو مظلوم بنا کر پیش کرنا اور اپنے اوپر مصنوعی مظلومیت کا لبادہ لوڑھنا،

اپنے خارجی اور نامحسوس دہشت گرد دوستوں کی قبروں سے خوشبو کا اٹھنا، ذرا ذرا سی بات پر مسلمانوں سے بدگمانی اور پھر انہیں اغوا کر کے قتل اور تانوان وصول کرنا، یہ سب کچھ خارجی جیت نہیں تو اور کیا ہے؟

پہلے بھی تو ان خارجیوں نے ہی خلافت اسلامیہ کو تاراج کیا تھا۔ تین خارجی مکہ مکرمہ میں طے اور اس وقت کے سیاسی حالات پر غور کر کے اس نتیجے پر پہنچے کہ اس وقت امت کے تمام مسائل کے ذمے دار

① امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ

② حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

③ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں۔

لہذا اگر اسلام کی خدمت کرنی ہے اور امت مسلمہ کو آرام پہنچانا ہے تو ان تین افراد کو قتل کرو دینا چاہیے۔ چنانچہ عبدالرحمن بن ملجم مروی نے کہا کہ وہ حضرت امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دے گا۔ بک بن عبداللہ حمیمی نے کہا کہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو شہید کروں گا اور عمرو بن کعبہ التمیمی نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ختم کرنے کی ذمہ داری لے لی۔ تینوں نے طے کیا کہ یہ کام ایک ہی رات میں کرو دینا چاہیے۔ خواہ ایکس رمضان ہو اور خواہ ستائیس رمضان، یہ کار خیر سرانجام دے دینا چاہیے۔

دو بد بخت مصر چلے گئے کہ حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وہیں تھے اور ایک بد بخت نے کوفہ کا رخ کیا جو اس وقت دارالکفر تھا اور حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ خود وہاں تشریف فرما تھے۔

عبدالرحمن بن ملجم قاصق اپنے خارجی دوستوں سے ملا اور حضرت خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا علیؑ کو شہید کرنے کے لیے مسجد کوفہ میں آ گیا۔

اوپر حضرت امیر المومنین سیدنا علیؑ بیدار ہوئے تو اپنے صاحبزادے حضرت حسنؑ سے فرمایا کہ بیٹے مجھے ابھی خواب میں حضرت رسالت مآب ﷺ کی زیارت ہوئی اور میں نے ان سے امت کی شکایت کی ہے کہ ان لوگوں نے مجھے بہت تکلیف دی ہے اور میری دشمنی میں انہوں نے صدق و صفا کا رستہ ترک کر دیا ہے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا علیؑ پھر ان کے لیے بددعا مانگو۔ تو میں نے دعا مانگی کہ اے پروردگار مجھے اس امت سے بہتر لوگ عنایت فرما اور اس امت کو میرے بعد مجھ سے کم درجے کے لوگ مقدر فرما۔

پھر حضرت امیر المومنین سیدنا علیؑ مسجد تہریر لے گئے۔ ابن ذہابؒ موزن آیا اور اس نے ڈان دی۔ سیدنا علیؑ لوگوں کو نیند سے اٹھا رہے تھے اور ہار ہار نماز کے لیے فرما رہے تھے کہ عبدالرحمن بن ملجم آٹھا، آگے بڑھا اور تلووار سیدھی حضرت علیؑ کے سر مبارک پر دے ماری۔ اس قدر شدید وار تھا کہ تلووار دماغ تک پہنچ گئی۔ لوگ چاروں طرف سے دوڑ پڑے اور اس بد بخت کو پکڑ لیا گیا۔ حضرت امیر المومنین علیؑ کو جمعہ کی صبح ایسے زخمی کیا گیا پھر وہ ہفتہ کے دن بھی حیات رہے اور اتوار کی رات کو شہید ہو کر واصل جنت ہوئے۔ حضرات حسین اور عبداللہ بن جعفرؑ نے غسل دیا۔ سیدنا حسنؑ نے نماز جنازہ پڑھائی اور عبدالرحمن بن ملجم جو قید میں تھا اس کے چاروں ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیے گئے۔ کھجوروں کو ٹھونڈا رکھنے کے لیے ایک بڑا ڈبہ (قوسرو) جو کہ شاخوں سے بنایا جاتا تھا، اس میں اسے بند کیا گیا تھا اسے نکالا گیا اور ہلا خراس بد بخت قاصق چنبی کو زندہ جلا دیا گیا۔

شہر قسریں، جسے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تھا۔

(فرمایا)

تاریخ کی کتابوں میں ایک شہر "قسریں" کا نام بہت ملتا ہے۔ یہ شام کا ایک شہر تھا اور ماضی قدیم میں تجارت و صنعت کا بہت بڑا مرکز تھا۔ شام ہی کے مشہور شہر حلب کے جنوب میں ہے اور اب جب ہم اسے دیکھنے گئے تو بالکل ایک قصبے کی مانند دیکھا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اسے بعد اسے فتح فرمایا تھا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی یہاں تشریف لاتے رہے ہیں۔

قرامطہ کی تاریخ اور امام غزالی رحمہ اللہ

کی کتاب "فضائح الباطنیہ"

(فرمایا)

مسلمانوں کی تاریخ میں جو ہم ایک فرقہ "قرامطہ" یا "قرمطیہ" کے نام سے پڑھتے ہیں یہ فرقہ دراصل ان اسمعیلی شیعہ کی ایک شاخ ہے، جو اسمعیلی شیعہ اب بھی پائے جاتے ہیں۔ "حمدان قرمط" ایک جاہل صوفی تھا اور اس کی طبیعت میں فطری طور پر یہ بات تھی کہ وہ کوئی ایسا علم و صوفیہ نہ چاہتا تھا جس میں "اسرار و رموز" پائے جاتے ہوں۔ کثرت عبادت کی وجہ سے اس میں زہد اور ورع کے آثار تھے اور کوفہ میں رہتا تھا۔ ایک دن اس کی ملاقات ایک باطنی شیعہ سے ہوئی اور باطنی شیعہ ہمیشہ اس بات کے قائل رہے ہیں کہ نصوص شرعیہ میں ضرور رموز و اشارات پائے جاتے ہیں جو کہ عوام کو معلوم نہیں ہوتے، صرف خواص ہی جانتے ہیں۔ جنت، جہنم، وضو، نماز، چنابت یہ ان اعمال کا نام

نہیں ہے، جو یہ عوام کرتے ہیں بلکہ ان تمام الفاظ کی مراد کچھ اور ہی ہے جو کہ صرف باطنی جانتے ہیں۔

اس جاہل صوفی ”صہان قرمط“ کی ملاقات جب اس اسماعیلی، باطنی شیعہ سے ہوئی تو وہ نہایت خوش ہوا کہ جن اسرار و رموز کی تلاش اسے تھی، ان کا خزانہ تو اس باطنی داعی کے باطن میں پوشیدہ ہے۔ اس نے بار بار التجا کی کہ وہ خزانہ اس کے سینے میں منتقل کر دیا جائے تو آخر کار اس باطنی اسماعیلی شیعہ نے اس سے کہا کہ ایک ”سرخزون“ (نہایت گہرا راز) ہے جو صرف ائمہ آدمیوں ہی کو بتایا جاسکتا ہے پھر وہ ائمہ آدمی بننے کے لیے عہد و بیان ہوئے۔ اس ”سرخزون“ کا القاء اس پر کیا گیا۔ اس جاہل داعی نے اس ان پڑھ صوفی کو اسرار و رموز سکھائے اور ”صہان قرمط“ کو خلافت ملی۔ اس نے اپنا حلقہ بنایا اور شیاطین اپنے انسان دوستوں کو یہ القاء کرتے رہے کہ اس حلقے میں داخل ہو جاؤ۔ اس حلقے کا نام آہستہ آہستہ ”قرامط“ ہوا اور پھر عالم اسلام میں ان قرامطیوں نے اس قدر زور پکڑا کہ بغداد کی خلافت ان کی بیخ کنی میں ناکام ہو گئی۔ خلافت نے اس مقصد کے لیے حضرت یحییٰ بن الدولہ سلطان محمود غزنوی کو درخواست بھیجی۔ وہ غزنوی (افغانستان) سے اُٹھے اور اس وقت قرامطہ کا اہم مرکز متمان تھا، اس پر حملہ کر کے قرامطہ کا قتل عام کیا اور برصغیر کو ان باطنی ”اسرار و رموز“ کے مدعیان سے نجات دلائی۔

حقیقت یہ ہے کہ مولوی جس کے دل سے مال اور عہدے کے محبت نہ ختم ہوئی ہو اور اس کا تزکیہ باطن نہ ہوا ہو اور صوفی جس نے باقاعدہ علم حاصل نہ کیا ہو، اس اُمت کے بہت بڑے فتنے ہیں۔ مسلمانوں کا دین اور دنیا انہی دو طبقوں کے ہاتھ سے برباد ہوا ہے۔ اس

لیے مسئلہ کبھی ایسے مولوی سے دریافت نہیں کرنا چاہیے جو مال اور عہدے کی محبت میں گرفتار ہے۔ جب دنیا اس کے رگ و ریشے میں سائی ہوئی ہے۔ مال اور عہدہ یقیناً ضرورت ہے لیکن ”محبوبہ“ نہیں ہے کہ اس کی خاطر دین، عاقبت، ایمان اور زندگی گزارنے کے شریفانہ اصول سب مذہب طاق نسیاں کر دیے جائیں اور اصلاح نفس کے لیے اپنا ہاتھ کبھی ایسے صوفی کے ہاتھ میں نہیں دینا چاہیے جو جاہل ہو۔

مدینہ منورہ میں کئی ایک صوفی ایسے دیکھے جنہیں ”حضورؐ“ کہا جاتا تھا یعنی وہ ایسے بزرگ تھے کہ ہر لمحہ، ہر آن، حضور اقدس ﷺ کے دربار میں حاضر رہتے تھے۔ معلوم نہیں وہ اس دولت سے مشرف تھے یا نہیں لیکن انھیں مسجد نبوی میں نماز پڑھتے ہوئے پارہا دیکھا اور ان کی نماز سنت کے مطابق نہیں تھی۔ سو جنھیں نماز تک سنت کے مطابق نہ پڑھنی آتی ہو، وہ اس درجے پر کیسے فائز تھے و اللہ اعلم۔ ٹھل دنیا میں ان کے بدعتی مریدان کے گن گاتے ہیں اور بدعات کی ترویج میں خوش ہیں۔ انکار اس سے نہیں کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ کے ہاں حاضری نہیں ہوتی، انکار اس سے ہے کہ جاہل صوفی اس مقام پر نہیں پہنچتا۔ وہ اپنی قوت خیال ہی کے الجھاؤ میں مبتلا ہوتا ہے اور ایسا گم ہوتا ہے کہ عالم خیال سے باہر اس کی دنیا کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ ہر وقت حضرت رسالت پناہ ﷺ کے تصور میں ڈوبا رہتا ہے اور اس کا یہی خیال کبھی کبھی جسم کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ کی زیارت ہو رہی ہے اور درحقیقت وہ اپنے خیال ہی کو مجسم صورت میں دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اصل جسد مبارک اور چہرہ انور جو مرقہ منورہ میں موجود اور خوش و خرم و تازہ و تازہ ہے اس کو، اور جو کچھ یہ جاہل، اپنے خیالات میں الجھا ہوا، صوفی

دیکھتا ہے ان دونوں چہروں میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے، ایک حقیقت ہے اور ایک محض خیال ہے۔ ایک کا تعلق عقیدے سے ہے اور دوسرے کا تعلق قوت و طاقت سے ہے۔ ایسے جاہل صوفیوں کو کشف بھی ہوتے ہیں۔ اور کرامات بھی دکھائی دیتی ہیں لیکن یہ ایک جہان کو ڈبو دیتے ہیں۔ عوام الناس اس ”حمدان قرمط“ کے ویسے ہی بھوکا نہیں بن گئے تھے اور وہ بھی اتنی بڑی تعداد میں کہ ایک پورا فرقہ ”قرامط“ وجود پذیر ہوا۔ ان لوگوں نے بھی اس جاہل صوفی ”حمدان قرمط“ میں کچھ کرامتیں دیکھی تھیں جو حقیقت استدران تھا۔ ایسے ہی یہ اپنے آپ کو ”حضورؐ“ کہنے والے صوفی، انھیں اشاعرہ، ماترید یہ کے عقائد تک کی خبر نہیں ہوتی، نماز فتنی اعتبار سے درست نہیں ہوتی، لیکن یہ ”حضورؐ“ ہوتے ہیں اور ان کے ”اسرار و رموز“ انہی کی مجالس میں ملتے ہیں۔ ایسے مولوی اور صوفی خود بھی گمراہ اور ان کی پیروی کرنے والے بھی گمراہ۔ اعاذنا اللہ من علماء السوء و صوفیاء السوء۔ ایسے گمراہوں سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے امام غزالیؒ کی کتاب ”فضائح الباطنیہ“ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا لونڈون کی
حکومت سے پناہ مانگنا۔

فرمایا کتب احادیث و اسماء الرجال میں بہت صراحت سے یہ بات آئی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ بکثرت یہ دعا مانگتے تھے کہ اللہ تعالیٰ انھیں لونڈون کی حکومت اور ۶۰ کے سال سے اپنی پناہ میں رکھے۔ چنانچہ وہ ۶۰ھ کا چاند نہیں دیکھنے پائے اور

۵۹ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور کوئی مؤرخ اس بات کی تردید نہیں کر سکتا کہ یہ پہلا لوٹہ جو حکومت میں آیا ہے وہ یزید بن معاویہ تھا اور اس نے ۶۰ھ میں حکومت سنبھالی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ پیش گوئی یا اس سال کے متعلق حضرت رسالت پناہ ﷺ سے اگر نہ سنا ہوتا تو پھر ان کے پاس اور کون سا ذریعہ علم تھا کہ وہ اس سال اور لوٹہ کی حکومت سے پناہ مانگتے تھے۔ حضرت رسالت مآب ﷺ نے انھیں جو علم کے دو برتن عنایت فرمائے تھے یہ پیشین گوئی بھی دوسرے برتن ہی سے ظاہر کی جاتی تھی۔ اس لیے اہل السنۃ والجماعۃ کے آئمہ اور اہل علم نے جو یزید کی مسلسل مذمت اور اس کے فسق کی تصریحات کی ہیں وہ بے بنیاد اور بے سبب نہیں ہیں۔

کیا جنت البقیع اور جنت المعلیٰ میں
تدفین قابلِ فخر ہے؟

فرمایا تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ جنت البقیع اور جنت المعلیٰ میں منافقین، معتزلہ، قدریہ، خوارج اور روافض تک کی تدفین ہوئی ہے۔ اس لیے کسی بھی فرقے کا یہ فخر کرنا کہ ہمارے اسنے اکابر پیغمبر البقیع اور جنت المعلیٰ ہوئے، بے جا فخر اور بے کار کی بات ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ مدفن کا عقیدہ کیا تھا؟ اعمال اہل السنۃ والجماعۃ کے مطابق تھے یا پھر عمر بھر بدعتی رہے اور اپنے پیچھے بھی بدعات کا ایک سلسلہ چھوڑ گئے۔ جو رافضی یا معتزلی عمر بھر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا کہتا رہا، جنت البقیع یا جنت المعلیٰ کی تدفین اس کے عذاب میں کس حد تک کمی کر سکے گی؟ جاہل صوفی

کتاب وسنت کی نصوص ہونے کے باوجود بدعات کی ترویج کرتا رہا تو مدینہ منورہ یا مکہ مکرمہ کا قیام اور تدفین اسے کیا قطع پہنچائے گی۔ اس لیے اصل بات صحیح عقیدہ، پھر صحیح علم اور پھر اس صحیح علم پر صحیح عمل اور پھر عمل میں بھی اخلاص ہے۔ راہ صاف لیکن پیچ در پیچ ہے، خطر در خطر ہے۔ محض جنت البقیع یا جنت المعلیٰ کی تدفین پر سہارا کر لینا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

خاندانوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن

فرمانہ تاریخ بتاتی ہے کہ وہ علمی مراکز اور خانقاہیں بالآخر اجڑ کر رہیں جہاں بہت سے علمی کہ باپ کے بعد بیٹے کو جانشین بنایا جائے۔ اس بات سے قطع نظر کہ شریعت کا ایک بالکل واضح حکم موجود ہے کہ امانتیں اہل لوگوں کے سپرد کی جائیں لیکن اس حکم کی خلاف ورزی کی گئی۔ خلفاء اہل تھے کہ گدی اور خانقاہ سنبھالیں۔ شاگرد اس لائق تھے کہ جائے استاد کو بحسن و خوبی پڑھ کر دیں لیکن کہیں تو صاحب مدرسہ و سجادہ خود نااہل تھے یہ وصیت کر کے مرے کہ میرے بیٹے کو میرا جانشین بنایا جائے اور کہیں علماء و مشائخ نے فیصلہ نہیں کیا تو ان کے بعد مدرسہ و خانقاہ کا فیصلہ ہدیانت افراد نے کیا اور صاحبزادگان کے حوالے علمی مراکز اور خانقاہیں کر دی گئیں اور یہ کچھ برباد ہو کر رہ گیا۔ صاحبزادے جو اس مثل کا مصداق تھے ”پڑھنا لکھنا اور نام محمد فاضل“ اور صاحبزادے جو اس شعر کا مصداق تھے:

۔ تم باذن اللہ کہہ سکتے تھے جو رخصت ہوئے

خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گو رکن

فشا، ومتوسلین کے مرجع و ماویٰ بن گئے اور تاریخ اس بات کی گواہی کہ علم کے
مناہج اور اخلاقیات کے گہوارے، بازپہ اطفال ہوئے۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد ان کے کئی سو خلفاء میں سے
حضرت نصیر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، جانشین و سجادہ نشین قرار پائے۔ وہ بہت بلند ہمت
اور معتدل آدمی تھے۔ خانقاہ والوں نے کوئی کام کرنا چاہا تو انھوں نے منع
فرمادیا۔ اہل خانقاہ نے کہا کہ یہ رسم تو مشائخ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے دور سے چلی آتی
ہے تو شیخ نے فرمایا دین کتاب و سنت سے ثابت ہوتا ہے نہ کہ مشائخ کے عمل
سے۔ ان کا عمل کوئی شرعی دلیل نہیں اس لیے اس رسم ہی کو ختم کر دیا۔ ان کا
انتقال 757ھ میں ہوا۔ ان کے زمانے میں بھی نااہل صاحبزادوں کی سجادہ نشینی
ہوا کرتی تھی اور تصوف جو "بازپہ اطفال" بنا تھا اس کا ایک اہم سبب یہ بھی تھا۔
حضرت نصیر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ان حالات سے بہت کبیدہ خاطر تھے اور فرماتے تھے:

من چہ لاکھم کہ شیخی کنم، امر و زخودا میں کار بازی بچگان شد

(میں کہاں اس بات کا اہل ہوں کہ شیخ بن کر خانقاہ میں بیٹھوں حالت

یہ ہے کہ ہمارے دور میں تصوف بچوں کا کھیل بن کر رہ گیا ہے)

ہمارے شیخ حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں بھی یہی فساد تھا
کہ بلند ہمت صوفی ناپید ہو گئے تھے۔ خانقاہوں میں محض موروثی سلسلے تھے اور

مشائخ سلسلہ چشتیہ، قادریہ اور سہروردیہ رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہیں اس مرض کا شکار تھیں۔
تاریخ حضرت مجدد مہدی رحمۃ اللہ علیہ کے ماتم پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہے کہ حضرت ان الفاظ
میں نالہ کنٹاں تھے:

فقراء ایں زمانہ اکثر در مقام ربی و انکشاف اقامت دارند صحبت ایشان ہم
قابل است فرہم کما تفر من الاسد۔

ترجمہ: ہمارے زمانے کے اکثر صوفی اس مقام پر استقامت کر کے بیٹھ گئے
ہیں جو انھیں (موروٹی طور پر) ملا ہے۔ قرب الہی میں ترقی کی نہ انھیں
طلب ہے اور نہ وہ بلند ہمت ہیں۔ ایسے صوفیوں کی صحبت وہ زہر ہے
جو زندگی کو ختم کر دیتا ہے۔ ان نااہل صوفیوں کی صحبت سے ایسے بچو
جیسے کہ آدمی شیر (دروغے) کی درندگی سے بچتا ہے۔

حضرت نصیر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس صورتحال سے تنگ آ کر عجیب طریقے
سے احتجاج کیا۔ مشائخ چشتیہ کے تبرکات ہی کو اپنے ساتھ لے کر چل دیے کہ اس
زمانے کے فقراء ان انعامات کے اہل ہی نہیں ہیں۔ ان کے مشائخ سے جو اشیاء
انھیں ملی تھیں، فرمایا کہ میری تدفین کے وقت میرے شیخ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ
کا فرقہ میرے سینے پر، انہوں نے جو عبا عنایت فرمائی تھی میرے برابر، ان کی
تسبیح میری آنکھت شہادت پر لپیٹ، ان کا ککڑی کا پیالہ جس میں وہ پانی پیتے تھے
میرے سر کے نیچے اور ان کے مبارک جوتے میری آغوش میں رکھ کر میری قبر کو
بند کر دیں۔ ان کے خلفاء اگرچہ علم و عمل میں اپنے دور کے بے مثال افراد تھے

لیکن وہ اس دور کے نالائق صاحبزادوں اور نااہل خلفاء کے میدان تصوف میں گھس آنے کے سخت خلاف اور ان موروٹی خانقاہوں کی جانشینی کی روش سے نااں تھے۔

حضرت فخر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی مشہور خانقاہیں جنہوں نے اپنے دور میں تزکیہ و تصوف کے بازار گرم کیے رکھے اور جن کے نفوس قدسیہ نے امت کی مسیحائی کی وہ کیوں اُجڑ کر رہ گئیں؟

گولہ و شریف، سیال شریف اور حضرت شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ، تونسہ شریف جہاں سے سیکنگڑوں، ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں افراد نے اپنی نفسیاتی بیماریوں سے نجات پائی، یہ شفا کے مراکز کیوں برباد ہوئے؟ اس لیے کہ صاحبزادگی کی روش شروع ہوئی، نااہل صاحبزادوں نے ان خانقاہوں کو سنبھالا اور خود ان مشائخ کرام رحمۃ اللہ علیہم کا قصور بھی تھا کہ انھوں نے دھڑ دھڑ نااہل لوگوں کو خلافتیں دیں۔ ان کا قصور بھی تسلیم کرنا چاہیے کہ وہ حضرات بشر تھے، امتی تھے، معصوم عن الخطاء نہ تھے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت خاتم النبیین، سید الکونین، رسالت مآب و عصمت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم المعصومین بھی تھے۔ اپنے مشائخ کو معصوم جاننا یا ان کی غلطیوں کی تاویل اس لیے کرنا کہ انھیں معصوم ثابت کیا جائے یا اپنی زبان و عمل سے یہ تاثر دینا کہ ہمارے اکابر معصوم تھے، یہ سب کچھ عقیدہ اہل السنۃ والجماعۃ کے خلاف ہے۔

مدارس و خانقاہیں جب بھی نااہل لوگوں کے سپرد کی جائیں گی خلافتوں کو بغیر

سلوک طے کیے دیا جائے گا۔ اپنے اپنے سلسلے کے اسباق طے کرائے بغیر دستار بندیاں ہوں گی۔ ذکر، اذکار اور مراقبات میں انہماک و ثبات آئے بغیر لوگوں کو خلافتیں ملیں گی تو پھر تصوف کا وہی حشر ہوگا جو کہ آج گولڑہ شریف، سیال شریف اور تونسہ شریف میں ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ سلسلہ چشتیہ نظامیہ ان وجوہ سے بر باد ہوا اور پھر سلسلہ چشتیہ صابر یہ کا عروج شروع ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آخر اس نظام کو قائم تو رکھنا ہے اور اس مبارک کام کے لیے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کو چنا گیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خلفاء نے میدان تصوف کا معرکہ مارا وہ حضرات بہت بلند ہمت اور قرب الہی کے سمندروں کو پی جانے والے تھے ان کی طلب استقاء کی پیاس تھی ہر صبح اور ہر شام وہ قرب الہی کے نئے میدان چاہتے تھے اور اپنے سلسلے کے اذکار و مراقبات میں ہمہ تن محو تھے۔ ان کی مستی و سوزوروں نے انھیں ادج ثریا پر مقیم کیا۔ علامہ اقبال کی باقی ان کی تصویر ہے۔

ز راز حق حکمت قرآن بیاموز چرانے از چراغ او بر افروز
ولے ایں نکتہ را از من فراگیر کہ نتوان ز یسین بے مستی و سوز
لیکن اللہ تعالیٰ کے قانون زوال سے کوئی مسند علم یا سلسلہ تصوف مستثنیٰ نہیں ہے۔
اب سلسلہ چشتیہ صابر یہ اور دیوبندی مکتبہ فکر کا زوال بھی شروع ہو چکا۔ ملاء اعلیٰ کا فیصلہ اب شاید ان کے خلاف ہے۔ سطوت علم ان کے مدارس سے ختم ہوتی جا رہی ہے۔ پاکستان بننے کے بعد سے لے کر آج تک یہ اپنے پاکستانی مدارس

صرف اور صرف ایک عالم دین ایسا پیدا نہیں کر سکے جو اپنے بحر علمی کے ساتھ آئندہ آنے والی نسل کے لیے صرف اور صرف کوئی ایک ذہن کی تفسیر ہی لکھ دیتا۔ کوئی فقہ حنفی کی تائید کے لیے صحاح ستہ کی کسی کتاب کی کوئی گراں مایہ شرح ہی لکھ دیتا۔ احادیث نبویہ ﷺ ہی پر کوئی تحقیقی کتاب سامنے آتی اور حج الصدر کا کام دیتی۔ ان کا جو سرمایہ تھا ہندوستان ہی سے آیا تھا، وہیں کے فارغ التحصیل علماء کرام رحمۃ اللہ علیہم باعث الفخار تھے۔ ”معارف القرآن“ نام کی تفسیر انھوں نے ہی لکھی تھی، صحیح بخاری اور مسلم کی شرح انہی کا کام تھا۔ فقہ حنفی کی تائید میں ”اعلاء السنن“ جیسی بے مثال کتاب انہی کا کارنامہ تھا۔ اس ملک میں پڑھنے والے علماء نے ایسے کارنامے انجام نہیں دیے جو کارنامے ان کے اسلاف کے تھے۔ انصاف شرط ہے، تعصب نہیں اور اس پر مزید یہ کہ ان کے اکابر جب تک کوئی شخص اپنے سلسلے کے اسباق اور مراقبات کی تکمیل نہ کر لیتا تھا اور بسا اوقات تکمیل کے باوجود جب تک رسوم نہ آ جاتا تھا خلافت کے نام سے کوسوں دور تھے، اور اب انہی اساغرد و بھندی مشائخ کے ہاں خلافتوں کا انبار لگا ہوا ہے۔ عہدوں کی وجہ سے خلافتیں مل رہی ہیں، خاندانوں کی وجہ سے نوازا جا رہا ہے۔ ملکوں اور مالی و مادی، اسباب و وسائل کی وجہ سے خلفاء کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ سفارشوں پر غلطیے بنائے جا رہے ہیں۔ موروثیت کے مرض کا شکار تو یہ بھی پچھلی چند دہائیوں سے ہیں اور ان تمام علامات زوال کے باوجود یہ خوش فہمی ہے کہ ہم ”بکو نام اکابر“ ہیں۔

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار تو ثابت وہ سیارا
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ٹریا سے زمیں پر آسمان نے ہم کو دے مارا

شیخ فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کا فیض رومانی
اور حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

فرمایا حضرت شیخ شیوخ عالم فرید الدین مسعود شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ اپنے سلسلہ عالیہ
چشتیہ کے مجدد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دو خلفاء ایسے عنایت فرمائے کہ ان کا
فیض اب تک تمام عالم میں جاری ہے۔ ایک تو حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ
تھے ان سے سلسلہ چشتیہ نظامیہ کا ظہور ہوا اور دوسرا مبارک سلسلہ حضرت خواجہ صابر
کلیری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو کہ سلسلہ چشتیہ صابریہ کہلاتا ہے اور ہمارے دور کے چنیدہ
رجال کا اس سلسلے سے وابستہ ہیں۔ حضرت شیخ شیوخ عالم مسعود شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کا
مرض وقات چل رہا تھا کہ ان کے ایک خلیفہ سید محمد کرمانی رحمۃ اللہ علیہ حجاز پر ہی کے
لیے حاضر ہوئے۔ دیکھا تو جس کمرے میں حضرت صاحب فراش ہیں اس کے
دروازے پر صاحبزادگان اور معتقدین کا ایک گروہ جمع ہے اور ان کی خواہش
ہے کہ حضرت مسعود رحمۃ اللہ علیہ ان تمام افراد میں سے کسی کو اپنا سہادہ فہمین قرار دے
دیں۔ چنانچہ اسی غرض سے یہ صاحبزادگان کسی کو بھی حجرے میں نہیں جانے دے

رہے۔ سید محمد کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کا راستہ بھی روکا گیا لیکن وہ چونکہ خلفاء میں سے تھے اور ابھی دوردراز کا سفر کر کے دہلی سے آ رہے تھے، اس لیے زیادہ مزاحمت نہ کی گئی اور وہ منع کرنے کا باوجود نہ رکے اور دروازہ کھول کر اندر چلے گئے۔ حضرت مسعود رحمۃ اللہ علیہ کی قدم پوسی کی اور مزاج پرسی کی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مشائخ دہلی کے احوال دریافت فرمائے اور ان کے جی میں آیا کہ کہہ دیں کہ آپ کی علالت کی خبر دہلی پہنچی تھی ہے اور آپ کے چہیتے اور محبوب مرید حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے سلام بھی بھیجا ہے اور یہ عرض کیا ہے کہ آپ کی صحت یابی کے لیے دعا گو ہیں، لیکن رُک گئے اور تامل فرمایا کہ اگر میں نے یہ کہا اور حضرت مسعود رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں اپنا جانشین قرار دے دیا تو صاحبزادگان ناراض ہو جائیں گے اس لیے انہوں نے نہایت دانشمندی سے گفتگو کا آغاز کیا کہ حضرت دہلی کے فلاں فلاں مشائخ نے سلام پیش کیا ہے اور آپ کی صحت کے بارے میں متفکر ہیں اور سب سے آخر میں کہا کہ مولانا نظام الدین نے بھی سلام عرض کیا ہے۔ اور یہ کہ آپ کے لیے دعا مانگتے رہتے ہیں، تو حضرت مسعود رحمۃ اللہ علیہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ بزرگانِ چشت کے تہکات یہاں سے لے کر دہلی انھیں دے دینا۔ گویا کہ حضرت مسعود رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا جانشین حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو بنا دیا۔ یہ اطلاع فوراً دروازے سے باہر نکلی اور سید محمد کرمانی رحمۃ اللہ علیہ مزاج پرسی سے فارغ ہو کر جوئی حجرے سے باہر آئے تو صاحبزادگان شدید ناراض ہوئے اور لڑ پڑے کہ یہ تم نے کیا کیا۔ سجادہ نشین تو ہم نے بننا ہے، مشائخِ چشت کے تہکات

حصیں ہرگز نہیں دیے جائیں گے اور نہ ہی یہ سجادہ نشینی دہلی جائے گی۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں نے تو صرف دہلی کے مشائخ کا سلام اور دعا عرض کی تھی اور آخر پر حضرت نظام الدین کا تذکرہ بھی کیا تھا، سجادہ نشینی کا تو کوئی ذکر ہی نہ تھا، لیکن اللہ تعالیٰ اگر کسی پر کرم فرمائے تو میں کون ہوتا ہوں کہ اس راہ میں رکاوٹ بنوں۔ اسی اثنا میں حضرت مسعود رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا اور دہلی یہ خبر پہنچی تو حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ بغرض تعزیت اجودھن حاضر ہوئے۔ صاحبزادگان تو کسی صورت تہکات مشائخ پشت انھیں سپرد کرنے کو تیار نہ تھے لیکن حضرت مسعود رحمۃ اللہ علیہ کے داماد اور ممتاز خلیفہ شیخ بدر الدین اقلی رحمۃ اللہ علیہ نے ذمہ داری کا مظاہرہ کیا اور حضرت مسعود رحمۃ اللہ علیہ کا عصا، خرقہ اور مصلیٰ ان کے حوالے کیا۔ صاحبزادگان اس حرکت پر سخت ناراض ہوئے اور اس جرم کی پاداش میں اپنے بہنوئی حضرت بدر الدین اقلی رحمۃ اللہ علیہ کو خانقاہ سے نکال باہر کیا۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تہکات بسر و چشم قبول کیے اور خاموشی سے خانقاہ چھوڑ، دہلی روانہ ہو گئے۔ خانقاہ میں چائینی ہوئی اور حضرت مسعود رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے سلیمان کو بدر الدین کا لقب دے کر سجادہ نشین قرار دے دیا گیا۔ حضرت بدر الدین اقلی رحمۃ اللہ علیہ اجودھن کی جامع مسجد میں تعلیم و تدیس میں مصروف ہو گئے اور خانقاہ اجودھن کے دروازے ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے بند ہو گئے حتیٰ کہ حضرت اقلی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا۔ صاحبزادگان کو چونکہ سجادہ نشینی عزیز تھی اس لیے اس انتقال کے بعد اپنی بیوہ بہن اور یتیم بھانجوں کے لیے بھی

یہ دروازے نہ کھلے۔

ان تمام حالات کی اطلاع دہلی پہنچ رہی تھی۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ تک جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے اپنے شیخ کی ساجزادی اور یتیم بچوں کو دہلی بلوایا۔ اور ان کی ایسی شاندار تعلیم و تربیت کی کہ وہ بچے جب اپنی جوانی کو پہنچے تو اپنے دور کے جید علماء قرار پائے۔

ساجزادوں کو جس موروثی سجادہ نشینی پر ناز تھا اس کا قصہ یہ ہوا کہ شیخ بدر الدین کا انتقال ہو گیا۔ اور حضرت مسعود رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ شیخ سلیمان کے بیٹے اور حضرت مسعود رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے شیخ علاء الدین کے تصرف میں چلی گئی۔ سلسلہ وراعت ہونے کی وجہ سے وہ شیخ قرار پائے اور بیعت و ارشاد کا سلسلہ جاری ہوا۔ جب کہ ان سجادہ نشین شیخ علاء الدین صاحب کی عمر محض سولہ (16) برس کی تھی۔ تصوف کی ایجاد بھی نہ جانتے تھے اور خانقاہ کو اس وراعت نے اجاڑ کر رکھ دیا۔ پھر ان کے بیٹے شیخ معز الدین نے دہلی جا کر اپنے اثرات کا فائدہ اٹھایا اور سلطان محمد تغلق نے انھیں گجرات کا گورنر مقرر کر دیا۔ یہ اپنی نا تجربہ کاری کی بنا پر اپنے مخالفین کے ہاتھوں قتل ہو گئے اور ان کے بیٹے افضل الدین نے اجڑی خانقاہ سنبھال لی اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

ساجزادگان کے سلسلہ کا فیض تو جہاں تھا وہیں ختم ہوا اور چند ایک انتہائی معدود افراد کے علاوہ یہ سلسلہ کبھی اپنے برگ و بار نہ لاسکا اور وہ نظام الدین جو حبر کات مشائخ چشت کا نا اہل سمجھا گیا اور جسے خاموشی سے خانقاہ چھوڑنی پڑی

اس کے سلسلے کی دھوم مٹ چک میں رہی، بادشاہوں نے اس در پر اپنا سر رکھا، لاکھوں اس آستانے سے فیض یاب ہوئے اور کون شمار کر سکتا ہے اس مخلوق کو جس کے لیے سلسلہ چشتیہ تھا میہ ایمان اور عمل صالح کا موجب بنا اور کون گن سکتا ہے ان گنہگاروں کو جو اس پاک سلسلے میں داخل ہوئے، مصیبت خداوندی سے توبہ کی اور اپنے پروردگار کی رضا کے مستحق ٹھہرے۔ تحاو ز اللہ عنا وعنہم۔

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے
نظریات کا تاریخی پس منظر

فرمایا

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود ان دو عظیم نظریات کو اگر تاریخ کے تناظر میں دیکھا جائے تو وحدۃ الوجود کا نظریہ قدیم صوفیاء کرام رحمہ اللہ کے ہاں بھی پایا جاتا تھا۔ اس زمانے میں تصوف کے موضوع کی تحریرات اس حقیقت کی عکاسی کرتی ہیں لیکن غالباً سب سے پہلے حضرت محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ نے وحدۃ الوجود کے فلسفے کو علمی سطح پر، بانگ و دل اس طرح بیان کیا کہ پوری عرب و دنیا میں یہ آواز نہایت توجہ سے سنی گئی۔ ان کے معاصرین نے بھی ان کے اس نظریے کی تائید کی اور اس موضوع پر ان کی کتابیں بہت کثرت سے نقل ہو کر دنیا میں پھیل گئیں۔ پھر حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ بھی اسی فلسفہ وحدۃ الوجود کے قائل تھے۔ مثنوی مولانا روم میں انہوں نے جا بجا اس نظریے کی وکالت کی ہے اور مثنوی کی شہرت کا یہ عالم تھا کہ ادھر ان کے منہ سے نکلی اور ادھر لوگوں کی

زبان پہ چڑھی۔ حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے وحدت وجود پہ جو کچھ اپنی کتابوں میں تحریر فرمایا ہے، وہی مثنوی میں ہے، فرق صرف لفظ اور نثر کا ہے۔ دنیا میں جہاں جہاں مثنوی پھیلتی گئی وہاں وہاں یہ نظریات فروغ پاتے چلے گئے اور اس دور میں ہندوستان میں مشائخ چشت رحمۃ اللہ علیہ کا ڈنکا ہٹ رہا تھا اور ان کے ہاں تو یہ آواز نا آٹھانسی۔ حضرت معین الدین چشتی اجیری، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء اور حضرت خواجہ صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کے جتنے بھی مستند حالات میسر ہیں ان میں وحدۃ الوجود کی کوئی قابل ذکر بحث نہیں ملتی۔ حضرت خواجہ فرید الدین مسعود رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ان کیفیات کا تذکرہ ضرور ہے لیکن وحدۃ الوجود بطور کسی نظریے کے نہیں ہے۔ حضرت مسعود رحمۃ اللہ علیہ کے بعد مصر سلسلہ سہروردیہ کے بہت بلند پایہ شیخ وقت حضرت شیخ بہاء الدین زکریا متانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے ہاں بھی یہ بات نہیں ہے البتہ ان کے داماد اور خلیفہ شیخ فخر الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ فلسفہ وحدۃ الوجود میں نئے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ انہوں نے شام، عراق اور بلاد عربیہ کا سفر کیا تھا اور اس وقت ان دیار میں سند تصوف کے صدر نشین شیخ صدر الدین قونوی رحمۃ اللہ علیہ تھے جو حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اہل، جانشین اور ان کی وجودی فکر کے ترجمان اور داعی تھے۔ حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین اور ان کے معتقدین وحدۃ الوجود کے بحر محیط میں فرق تھے اور پورے عالم اسلام میں اس نظریے کی تائید میں کتابیں لکھی جاری تھیں اور مجالس گرم تھیں۔

ان حالات میں شیخ فخر الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات

کو براہ راست شیخ صدر الدین قنوی رحمہ اللہ سے پڑھا پھر اسی موضوع پر ان کی
خط و کتابت اپنے برادر نسبی (سالا) شیخ صدر الدین عارف متانی رحمہ اللہ سے بھی
ہوئی۔ ان تحریرات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فخر الدین عراقی رحمہ اللہ
پر وحدۃ الوجود کا رنگ بجا اور ایسا رچا کہ انہوں نے اس کے ہوا میں ”لمعات“
تحریر کی۔ وہ حضرت ابن عربی رحمہ اللہ کے ایسے دیوانے ہوئے کہ بعد از مرگ و مشق
میں انہی کے پہلو میں جگہ پائی۔ اب حضرت عراقی کے بیٹے شیخ کبیر الدین اپنے
خاندانی مراسم بھانے اور سیاحت کی غرض سے عمان تشریف لاتے رہے اور پھر
انہی کے ذریعے وحدۃ الوجود پر لکھی جانے والی حضرت ابن عربی، عراقی اور
صدر الدین قنوی رحمہ اللہ کی کتابیں اور افکار یہاں پہنچے۔ حضرت نصیر الدین
دہلوی رحمہ اللہ کے خلیفہ خواجہ سید محمد گیسو داز رحمہ اللہ نے وحدۃ الوجود کے اثر کو قبول کیا
اور حضرت ابن عربی رحمہ اللہ کی ”خصوص القلم“ کی شرح بھی لکھی۔ نام گنوانے سے
حیا مانع ہے لیکن وجودی مشائخ رحمہ اللہ نے اس فلسفے کو اتنا عام کیا کہ اس سے
اہل السنۃ والجماعہ کا عقیدہ بہت بری طرح متاثر ہوا۔ بہاری نے خدا کی کا دعویٰ
کیا اور سادہ لوح مریدوں نے اس میں تجلیات الہی کا دیدار کیا اور یہی
وحدۃ الوجود — جو اپنے مقام پر ایک بالکل صحیح نظر یہ تھا — کفر کا سبب بنا۔
مسلم مشائخ طریقت رحمہ اللہ کو ان کے عقیدے کی وضاحت کے لیے، فیروز شاہ تغلق
نے دہلی طلب کیا۔ یہ وحدۃ الوجود، کچے صوفیوں نے خالق و مخلوق کے اتحاد کا فلسفہ
بنادیا اور کثیر تعداد میں مخلوق خدا گمراہ ہوئی۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ

کی کتاب ”اخبار الاخیار“ ان تمام گمراہ، کچے صوفیوں، بغیر سلوک کے اسباق طے ہوئے خلافتوں کے مدعیان اور ان گمراہ مشائخ کے خلفاء کے حالات بیان کرتی ہے جنہوں نے خلافتیں تھوک کے حساب سے تقسیم کیں اور طلق کے عقیدے کو برپا کیا۔ غرخت زہیٰ بزہیٰ (میں نے اپنے پروردگار کو پروردگار ہی سے پہچانا) کے نعرے لگانے والوں نے صفات باری تعالیٰ کو اتحاد و طول کے درجے میں پہنچا دیا۔ صرف ہندوستان ہی نہیں شام، مصر، اردن، عراق، حرمین شریفین اور ترکی تک میں یہی نعرے بلند ہو رہے تھے۔ ان گمراہ صوفیاء حذلہم اللہ سے حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ کا واسطہ پڑا تھا تو وہ ان کی جتنی بھی مذمت کرتے، بھاتا اور انہوں نے وہی کیا۔ اسی اتحاد و طول کی ایک آواز، آخری دور میں دارا کی بھی سنائی دیتی ہے اس نے بھی تصوف ہی کے پردے میں گمراہی کی دعوت دی اور کفر اور اسلام کو یکسا کرنا چاہا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وحدۃ الوجود کا مسلک برحق اور بہت سے قبیح سنت مشائخ کرام اور جلیل القدر اولیاء اللہ رحمۃ اللہ کا مسلک تھا اور اب تک ہے۔ لیکن اس مسلک حقد کا پردہ اوڑھ کر گمراہوں نے اپنی گمراہی کو بھی خوب پھیلایا۔

وحدۃ الوجود کے علاوہ ایک مسلک وحدۃ الشہود کا بھی ہے۔ بات یہ نہیں ہے کہ حضرات صوفیاء حقد میں سے یہ مسلک نہیں تھا، بالکل تھا لیکن اس کی ایسی شہرت نہ تھی۔ حضرت شیخ علماء الدولہ سنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس مسلک کو باقاعدہ اپنی کتابوں میں تحریر فرمایا۔ ان کی کتابیں العروۃ الوثقی، چہل مجالس

جو کہ ان کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، دیوان کامل، آتخذ وحدت پھر ان کے اور شیخ عبدالرزاق کاشانی رحمہ اللہ کے درمیان جو خط و کتابت ہوئی ہے، اور ”مرشد و مرید“ کے نام سے چھپی ہے، مجموعہ مصنفات شیخ سمنانی جو چھپا ہے، ان سب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وحدۃ الشہود کی کیسی ترجمانی کرتے ہیں۔ انھیں وحدۃ الشہود سے ایسا تعلق تھا کہ اپنے ہم مشرب صوفیاء کرام رحمہ اللہ کا ایک وفد ہندوستان بھجوا یا تا کہ یہاں کے مشائخ کے سامنے اپنا نقطہ نگاہ رکھیں اور اس کی تصدیق یا تردید کروائیں۔ ہرات، افغانستان سے جو راستہ ایران کو جاتا ہے، اس راہ پر ایران میں ایک مقام آتا ہے جس کا نام سمنان ہے۔ حضرت علاء الدولہ اسی نسبت سے سمنانی کہلاتے ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃ کاملۃ واسعۃ۔ اس دور میں سمنان سے منیر صوبہ بہار ہندوستان آتا، کیا دشوار تھا، چنانچہ شہودی مشرب کے یہ اصحاب رحمہ اللہ حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اس مسلک کی تصویب فرمائی۔

حیرت ہے کہ یہ تصویب کیسے ہوئی یا اس وجہ سے کہ وہ نہایت وسیع القلب صوفی صافی تھے؟ وجہ حیرت یہ کہ شیخ منیری رحمہ اللہ وحدۃ الوجود میں فاضل تھے۔ اس فاضلیت ہی کی وجہ سے تو شاہ فیروز تعلق کو انھیں دہلی بلاتا پڑا تھا کہ ان کے عقیدے کی جانچ کریں۔ ان کے حاسدین نے سلطان فیروز تعلق کو جا کر یہ شکایت کی تھی کہ وہ اتحاد اور طول کے قائل ہیں، حالانکہ یہ مطلقاً ان خرافات کے قائل نہ تھے البتہ وحدۃ الوجود کا ان پر غلبہ تھا اور حاسدوں کو تو پتہ چاہیے ہوتا ہے تاکہ کوایا نہکیں۔

سلطان فیروز تغلق کو اطمینان ہوا کہ یہ محض وجودی ہیں اور گمراہی نہیں پھیلا رہے تو پھر انھیں رخصت ملی۔ ایسے ہی وجہ حیرت یہ بھی ہے کہ کہاں تو حضرت منیری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ایسے شخص کے قتل پر احتجاج کیا جو اتحاد و حلول کا مدعی تھا اور سلطان فیروز تغلق نے حد شرعی کے تحت اسے قتل کرا دیا تھا اور کہاں یہ کہ انھوں نے وحدۃ الشہود کے نظریے کو بھی سر آنکھوں پر رکھ کر قبول فرمایا، یا پھر شاید یہ وجہ ہو کہ حضرت منیری رحمۃ اللہ علیہ نہایت وسیع المرئی تھے۔ تنگ نظر علماء کے گردو سے نہ تھے۔ ان کی وفات کے جو حالات ان کے مسر شہین نے قلمبند کیے ہیں ان کے مطالعے سے بھی اس حقیقت کی تصدیق ہوتی ہے۔ سو شیخ علماء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تحریرات میں وحدۃ الشہود کو بیان کیا ہے ان کی یہی کتابیں ہندوستان اور افغانستان پہنچی ہیں اور یہاں کے مشائخ نے بھی ان کا مطالعہ فرمایا تھا۔ اسی لیے تو ہم جب حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریرات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں وہاں شیخ علماء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ ملتا ہے۔ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ جانتے تھے کہ وحدۃ الوجود کے بعد راہ اور بھی ہے۔ انھیں خبر تھی کہ شاہسوار کو ابھی مزید گھڑ دوڑ میں حصہ لینا ہے، ان کی طلب ہر لمحہ انھیں یہ کہتی تھی کہ

ط مسافر یہ تیرا نشین نہیں

اور ان کی طلب بلا کی تھی۔ جتنی سیرابی ہوتی تھی اتنی ہی طلب بڑھتی تھی۔ ان کے اپنے خلیفہ اور مجدد و دوراں حضرت سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے جو خلفاء و مریدین ان کے انتقال کے وقت موجود تھے، ان ثقات کی روایت

ہے کہ حضرت خواجہ بہلولؒ نے وفات سے صرف ایک ہفتہ قبل دوران مرض یہ فرمایا:
 مرا بعین الیقین معلوم شد کہ تو حید کو چاہیے تنگ، شاہراہ و دیگر است۔
 (میں یقینی مشاہدے کے یقین کی طرح سے جانتا ہوں کہ وحدۃ الوجود ایک
 تنگ کوچہ ہے اور شاہراہ اس کے بعد ہے۔)

یہی بات حضرت مجدد الف ثانیؒ سرہندیؒ کی بھی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ ان سے
 پہلے کے جو مشائخ وحدۃ اشہود کے قائل تھے ان کی تصنیفات بھی کچھ عام نہ ہوئیں اور
 ان کے خلفاء نے اپنے اپنے سلاسل میں اس نظریے کی اشاعت بھی نہیں کی اور اگر کی
 بھی تو اس تاریخ تک تا حال رسائی نہیں ہو سکی، لیکن حضرت مجددؒ سے اس نظریے
 کی اشاعت خوب ہوئی۔

حضرت مجددؒ نے درحقیقت اپنے والدؒ سے جو سلسلہ چشتیہ یا قادریہ کا سلوک
 طے کیا تھا اسی میں وہ وحدۃ الوجود کی حقیقت کو پہنچ گئے تھے اور آپ جس قرب الہی کے
 معنی و مقصود تھے وہ اس مقام پر روحانیت تھا۔ آپ حضرت شیخ علاء الدین سیستانیؒ
 کی کتب کا مطالعہ کرتے تھے۔ چنانچہ ہم ذات باری تعالیٰ کے متعلق مکتوبات شریف
 میں یہ جو اصطلاح پڑھتے ہیں کہ ذات اقدس وراء الوراہ ثم وراء الوراہ ہے اس
 اصطلاح کا ترجمہ اگر اردو میں ہو تو ”اللہ تعالیٰ کی ذات عقل و فہم کی رسائی سے
 بالا و برتر اور ماورائے عقل“ سے ہوگا اور پنجابی میں ہو تو حضرت مولانا نور احمد
 صاحب پیروریؒ امرتسریؒ جی مکتوبات امام ربانیؒ، امرتسریؒ ضمیمہ پنجابی میں
 اس طرح فرمایا کرتے تھے ”اُنھے نالوں اُنھوں اُنھے، پُریوں پُریوں پُریوں پُریوں“ تو یہ

اصطلاح درحقیقت حضرت علاء الدولہ سنائی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، جو انہوں نے اپنی کتابوں میں استعمال فرمائی ہے اور وہیں سے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اخذ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص انعام فرمایا اور ایسا انعام جو وہ صرف اپنے مقرران بارگاہی پر فرماتے ہیں، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی حاضری حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہو گئی۔ اب یہاں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ وحدۃ الوجود (یکے میدان) سے وحدۃ الشہود (یکے بیند) کی طرف منتقل ہوئے ہیں۔ اب یہاں پہنچ کر وہ جو خطوط اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کو تحریر فرماتے ہیں تو حضرت شیخ علاء الدولہ سنائی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

کہ خود اور دین باب بحضور شیخ علاء الدولہ بسیار مناسب میاید و در وقت و حال دین مستلزم مشارالیه متفق است

(اس عاجز نے اس راہ سلوک میں اپنے آپ کو حضرت شیخ علاء الدولہ رحمۃ اللہ علیہ سے بہت ہم رنگ پایا ہے اور اس مسئلہ وحدۃ الشہود میں میرا ذوق اور حال حضرت شیخ علاء الدولہ سنائی رحمۃ اللہ علیہ سے بالکل متفق ہے۔)

اس مقام کے علاوہ بھی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مختلف مقامات پر شیخ سنائی رحمۃ اللہ علیہ کے جو حوالے دیتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اول تو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے رسائل پڑھے اور انہیں علمی انداز میں اپنایا اور پھر حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اور اسباق سلوک نے اس علم کو ان کا حال اور ذوق بنا دیا اور پھر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے وحدۃ الشہود کا حکم تھا۔ اس میدان میں اس مقام تک پہنچنے کہ ان

کے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی انگشت مبارک سے اشارہ کر کے فرماتے تھے کہ اس وحدۃ الشہود سے تو ہمیں اس نوجوان نے آگاہ کیا ہے۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف اور ان کے خطوط کے مطالعے سے یہ حقیقت بھی آشکارا ہوتی ہے کہ وہ وحدۃ الشہود سے بھی بلند تر مقام پر پہنچ گئے تھے اور بذریعہ مراقبات ان کی رسائی ان مقامات تک ہو گئی تھی کہ غالباً اب تک کسی کو اس جہان کی خبر نہیں ہوئی۔ اگرچہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ان مراقبات کو کوئی نام نہیں دیا لیکن ان کی تحریرات کو جو بھی غور سے پڑھے گا، اس بات کا اعتراف کرے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قرب حقیقی سے انہیں نوازا تھا اور کچھ ایسی دنیاؤں سے بھی انہیں روشناس کر لیا تھا، جن کا وجود مجر حضرات انبیاء علیہم السلام کے کوئی نہیں جانتا تھا۔ قرب الہی کی راہ بے انتہاء ہے اور وحدۃ الوجود وحدۃ الشہود اس راہ کے سنگ میل ہیں، منزل نہیں کہ یہ دریائے ناپید ہے۔

۔ ترقی طلب کیجئے ہر گھڑی

خدا بے نہایت ہے، راہ اس کی بڑی

اب تو خیر اس کام کو کون کرے گا لیکن ایک کرنے کا کام یہ ہے — شاید کہ توفیق الہی کسی کے شامل حال ہو — کوئی شخص حضرت خواجہ علاء الدوار سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کی تمام کتابوں کا مطالعہ کرے اور جو کچھ انہوں نے عالم کشف میں دیکھا یا جو جہان دریافت فرمایا ہے، اسے لکھے، پھر وہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے دریافت کردہ حقائق کو بھی ان کی تصانیف اور خاص طور سے مکتوبات شریف سے الگ کرے۔ پھر ان دونوں کا تقابل کر کے یہ لکھے کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ جانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ علاء الدوار سمنانی رحمۃ اللہ علیہ

کے کشف و حقائق پر کیا اضافے کیے ہیں؟ کون سی نئی دریافت ہے جو حضرت مجدد مہدیؑ سے قبل ہمیں نہیں ملتی؟ وحدۃ الشہود کی تاریخ میں اس سے قابل قدر اضافے ہو سکتے ہیں۔ اس لیے تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ وحدۃ الشہود کا آغاز اور اس فلسفے کی دریافت حضرت مجدد الف ثانی سرہندیؑ سے ہی نہیں ہوئی بلکہ ان سے پہلے بھی صوفیاء کرامؒ کے ہاں یہ حقائق ملتے ہیں لیکن اس نظریے کی اشاعت عوامی اور علمی سطح پر سب سے پہلے حضرت خواجہ احمد سرہندی، مجدد الف ثانیؑ کے ذریعے سے ہوئی۔

بیت اللہ کے مقابلے میں بیت المقدس کی عظمت و شان
بڑھانے والے اور ان کا انجام۔

فرمایا

تاریخ یہ حقیقت واضح کرتی ہے کہ جو عمارتیں اور متاسک اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتے ہیں، وہ ان کی حفاظت بھی کرتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں ان کی تعظیم اور احترام بھی پیدا ہوتا ہے اور جو عمارات اور عبادت کے طریقے مصنوعی ہوتے ہیں، ان کی اساس وحی اور اخلاص نہیں ہوتا اور کسی کو نیچا دکھانے یا اپنے تقویٰ اور برتری کی بنا پر بنائے جاتے ہیں وہ جلد یا بدیر، تدریجاً مٹ جاتے ہیں۔ بنائے کعبۃ اللہ کا آغاز فرشتوں سے ہوا۔ پہلا گھر جو عبادت باری تعالیٰ کے لیے قائم ہوا، یہی تھا۔ نامعلوم صدیوں سے اس گھر میں عبادت ہو رہی ہے اور آج بھی لوگوں کے دل اس کی محبت سے معمور ہیں۔ اس کے مقابلے میں بنوامیہ نے یہ سعی مذموم کی کہ بیت المقدس کی شان کو بڑھائیں اور مسلمان بغرض عبادت اس

کی طرف متوجہ ہوں لیکن ان کا یہ ناکم بہت جلد اپنے انجام کو پہنچ گیا۔
 قصبے کا آغاز یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت تھی اور
 اپنے ۹ سالہ دور حکومت میں وہی امیر حج ہوتے تھے۔ مکہ مکرمہ، منی اور عرفات
 کے اجتماعات میں وہ خطبہ دیتے تھے اور برسر منبر بنو امیہ کے مظالم اور حضرت
 رسالت پناہ ﷺ کی زبان مبارک سے ان کا "لعین و طریڈ" ہونا بتاتے تھے۔
 چونکہ ان کی خطابت بھی بلا کی تھی اور مسلمان بھی حج کی غرض سے مسلم دنیا کے
 اطراف و اکناف سے حاضر ہوتے تھے، تو وہ ان تہذیب کا اثر لے کر لوٹتے تھے۔
 اہل شام نے جب تسلسل کے ساتھ ان احادیث کو سنا تو ان کے دل بنو امیہ کی
 محبت کی بجائے نفرت سے بھرنے لگے۔ عبدالملک بن مروان نے اس صورتحال
 سے نکل آ کر حجاج کرام کے قافلے روکے اور لوگوں کو حج کرنے سے منع کر دیا۔
 اس کے ساتھ ساتھ ان اُمویوں نے مسجد اقصیٰ اور صحرہ سلیمانی پر گنبد بنانا شروع
 کر دیا۔ دنیا بھر کے معروف کارگیر بلائے گئے، خزانوں کا منہ کھول دیا گیا۔
 حضرت رجاہ بن حیوۃ اور یزید بن سلام کو نگران مقرر کیا گیا کہ کوئی مالی بد عنوانی نہ
 ہونے پائے اور تعمیرات اعلیٰ درجے کی ہوں۔ رکنین سنگ مرمر، اس کے ستون
 اور نہایت قیمتی ہیرے اور جواہرات اس عمارت میں جڑے گئے۔ اعلیٰ نوع کے
 ریشمی پردے لٹکائے گئے۔ نوکروں کی فوج بھرتی ہوئی اور خوشبودار ککڑیوں کا
 بخور تو اس قدر چلایا گیا کہ جب ہوا چلتی تو یہ مہک میلوں تک پھیل جاتی۔ جو کوئی
 یہاں نماز ادا کرتا یہ بخور اس کے کپڑوں میں اتنا مہک جاتا کہ دور دراز کا سفر کر

کے جب گھر واپس پہنچتا تو اس کے اہل خانہ بھی اس خوشبو سے اپنا نصیب حاصل کرتے۔ سونے اور چاندی کی شمعیں روشن کی گئیں اور انہی سے بنی ہوئی زنجیروں سے ان قنادیل کو لٹکا دیا گیا۔ اعلیٰ درجے کے قالین بچے اور ایسے ”علماء و مشائخ“ بھی تیار کیے گئے جنہوں نے یہاں آنے کے فضائل پر خوب جھوٹی روایات گھڑیں اور پھیلائیں۔

دنیا میں یہ بات ہوتی چلی آئی ہے کہ کسی بھی تحریک کے اصل مقاصد جب نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں اور جماعت بغیر روح کے صرف ایک ڈھانچہ رہ جاتی ہے تو پھر اس میں نئی زندگی پیدا کرنے کے لیے جھوٹ کا سہارا لیا جاتا ہے۔ ان کی آنے والی سلیس جھوٹی احادیث بیان کرتی ہیں تاکہ کسی طرح سے لوگ تحقیق کا دامن چھوڑ کر محض ان کے پھیلائے، سنے سناے اور خود گھڑے ہوئے جھوٹے قصوں پر اعتبار کر کے اس فرد یا جماعت یا تحریک یا عمارت کو عارضی سہارا دے سکیں۔

جھوٹی روایات کے انبار لگائے گئے اور اس وقت کی مسلمان دنیا میں شاید اس سے زیادہ خوبصورت، دلکش، دیدہ زیب اور پرکشش عمارت، کوئی نہ تھی۔ ایک پتھر بھی لا کر رکھا گیا اور جیسے ہمارے دور میں دہلی میں ایک پاؤں کے نشان کے متعلق یہ جھوٹ بولا جاتا ہے کہ اس پتھر میں یہ نقش قدم ہے، یہ حضرت رسالت مآب ﷺ کا ہے، ایسے ہی ایک پتھر رکھا گیا اور اس میں پورا پاؤں جو بہت تھا اس کے متعلق لوگوں کو یہ باور کرایا گیا کہ یہ نقش قدم، حضرت رسالت پناہ ﷺ کا ہے اور ہر

طرح کی دکائی کے سامان اور روایات پھیلائی گئیں۔

اس دور کے بعض جاہل عوام کے لیے یہ ایک بہت بڑا امتحان بن گیا کہ اب کعبۃ اللہ کو جانیں یا بنو امیہ کے اس فریب کا رخ کریں؟ اہل علم و دانش تو جانتے تھے کہ یہ سب کچھ آج ہے اور کل نہیں ہے۔ اُپر ہد نے بیت اللہ کو گرانے کی کوشش کی تھی اور وہ اس کے وجود کو ختم کرنا چاہتا تھا اور آج بنو امیہ کعبۃ اللہ کی معنویت کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو یہ بھی ایسے ہی خائب و خاسر ہوں گے جیسے کہ اُپر ہد ہوا تھا۔

جاہل عوام نے ادھر کا رخ کیا اور سادہ لوح مسلمان اس صحراۃ سلیمانی کے پاس پہنچ کر یوں ہی کھڑے ہو کر دعائیں مانگتے گئے جیسے کہ وہ ملتزم پر حاضری دیا کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ اب اس چٹان کا طواف بھی ہونے لگا۔ بنو امیہ کیوں منع کرتے، ان کی مراد برآئی اور پھر تمام مناسک حج و ہاں ادا ہوئے۔ لوگ دس ذی الحجہ کو سرمنڈانے لگے۔ اور منیٰ کی طرح یہاں بھی قربانیاں ہونے لگیں۔ الغرض بیت اللہ العظیم کے مقابلے میں ایک خود ساختہ اُموی کعبہ قائم کرنے کی سرکاری سطح پر کوششیں ہوئیں۔

ولید بن عبد الملک نے اپنے امیر عراق خالد بن عبد اللہ کو لکھا کہ مکہ مکرمہ سے باہر ایک کنواں کھدواؤ اور میرے نام پر سبیل جاری کرو۔ یہاں تک تو بات بہت عمدہ تھی کہ پیاس سے نہات تھی لیکن مزید حکم ہوا کہ اس کنوئیں کے پانی کو زمزم سے افضل قرار دینے کی کوشش کی جائے۔ لوگوں کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ

اس کنویں کے پانی کو زمزم سے زیادہ متبرک سمجھیں اور پھر اسی پر اکتفاء نہ ہوا بلکہ یہ نادر شاہی حکم جاری ہوا کہ زمزم کی خدمت کی جائے۔

یہ سب قماشے جاری رہے تاکہ بیت اللہ اور مناسک حج کی عظمت کو محو یا کم کیا جاسکے تاکہ بنو عباس نے ان کا تختہ الٹ دیا۔ قبریں کھود دی گئیں اور پہلا ظہرانہ ان کی لاشوں پر دسترخوان بچھا کر کیا گیا۔ ابو جعفر منصور ۱۳۰ھ اپنے دور خلافت میں بیت المقدس حاضر ہوا اور حکم دیا کہ تمام قیمتی پتھر، سونا، چاندی اور جواہرات اُتار کر سرکاری خزانے میں داخل کیے جائیں۔ ریشمی پردے بھی اُتار دیے گئے اور ظالموں کے عہد کی یہ یادگار بھی ایسے مٹی جیسے کہ یہ ظالم خود بنے۔ نیواں ناس گیا۔ عہد رفتہ کی داستان بنی۔

۔۔۔ تلے سے کھینچ لے، مسند کو، آن کر فراش

اگر کہیں کہ منا، اٹھ کے، چاندنی کا جھول

سدا رہے نام اللہ کا۔

قانون التاویل

فرمایا قاضی ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن عربی مالکی نامی نے ”قانون التاویل“ بہت عمدہ کتاب لکھی ہے۔ اپنی زندگی کے تجربات بھی بیان کیے ہیں۔ علم تفسیر اور تاریخ سے بھی امتناء کیا ہے۔ اس کا مطالعہ تاریخ اور مفسر دونوں کے لیے یکساں فلاح بخش ہے۔ چھپیس برس قبل چھپی تھی اس لیے آج کل ناپید ہے مگر اپنے ہاں کے ذخیرہ کتب میں موجود ہے۔

شخصیات

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ.

(پ: ۲۲، سورۃ فاطر، آیت: ۲۸)

اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ (کی ذات پاک) سے، اُس کے بندوں میں
سے وہی ڈریں گے جو صاحبانِ علم ہیں۔

ہردیال اور مولانا برکت اللہ بھوپالی امریکہ میں۔

فرمایا

آپ کے اس امریکہ میں ہردیال بھی آئے تھے۔ ہردیال کا نام آپ نے کیونکر سنا ہوگا؟ ہندوستان کی تحریک آزادی کا روشن ستارہ، دہلی کا خوش ہاش اور متحول نوجوان، پنجاب یونیورسٹی لاہور سے فراغت کے بعد 1905ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور شعور مزید بیدار ہوا تو انہیں یقین ہو گیا کہ ہندوستان کے تمام مسائل کا اصل حل ”آزادی“ ہے۔ تعلیم کو چھوڑا اور لاہور واپس آکر آزادی کے متوالوں کو اپنے گرد جمع کیا۔ بے این چیز جی، دینا ناتھ ہردیال، مولانا برکت اللہ بھوپالی سب اس ہردیال کے مداح تھے۔ پارٹی کا اصل نصب العین انگریزوں کو مارنا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے کارکنوں کو بم بنانے اور بم مارنے کی تربیت دی۔ 1912ء میں وائسرائے ہند لارڈ ہارڈنگ پر دہلی میں قاتلانہ حملہ ہوا، بم پھینکا گیا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ یہ کارروائی ہردیال ہی کے ایما پر کی گئی تھی۔

اس زمانے میں چوہدری رحمت علی صاحب مرحوم (جنہوں نے پاکستان کا نام تجویز کیا تھا) نے ہندوستان کی تحریک آزادی کو تیز تر کرنے کے لیے تحریک کا خفیہ مرکز واشٹن میں قائم کیا تھا اور ایک ہوٹل خرید لیا تھا۔ ہوٹل کیا تھا یہ سب انقلابی وہاں جمع ہو جایا کرتے تھے۔ ہردیال بھی وہاں جایا کرتے تھے۔ پھر ایک اور انقلابی ”رام چندر“ بھی وہاں پہنچ گئے۔ مولانا برکت اللہ بھوپالی مرحوم اس زمانے میں فرانس میں تھے۔ چوہدری رحمت علی، رام چندر اور ہردیال نے بہت اصرار کر کے مولانا برکت اللہ مرحوم

کو اس ہوٹل میں بلایا اور یوں یہ انقلابی اکٹھے ہو گئے۔ برکھلے یونیورسٹی بھی اس خفیہ تحریک کا ایک مرکز تھی۔ چنانچہ جب دہلی میں لارڈ ہارڈنگ پر بم کا حملہ ہوا تو ہر دیال اس وقت برکھلے ہی میں تھے۔ ہر دیال کو 23 دسمبر کو یہ خبر ملی تو وہ برکھلے میں خوشی سے ناچنے لگے۔ ہندوستانی خون کہاں سے نکلا بیٹھے والا تھا۔ تمام نوجوان ہندو، مسلمان ان کے ساتھ ناچنے لگے اور آزادی، آزادی کے نعرے گونجنے لگے۔ ہر دیال کا جوش شعلہ انہیں پڑا اور اس نے اس بمبار کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے ایک پمفلٹ ”حلقہ مہدید“ (Yugantar Circle) لکھا۔ وہ دور ہی ایسا تھا خود ہمارے شہر راولپنڈی میں D.A.V. کالج روڈ پر چند طلباء نے مل کر ایک بم ساز فیکٹری قائم کرنے کا منصوبہ بھی بنایا تھا لیکن بعض عاقبت اندیش بزرگوں نے نصیحت کی کہ یہ کام نہ کرو، اور وہ رک گئے۔

ہر دور میں حصول خیر کے طریقے مختلف ہوتے ہیں۔ اپنے گرد و پیش کی دنیا دیکھ کر ہی تعین کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے دور میں سب سے موثر طریقہ غیر مسلموں میں دعوت کا کام کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ دن دکھائے جب انصاف پسند، پڑھی لکھی اور مجبور یوں سے ماوراء قوم کو خود ان کی زبان اور ان کی فہم کی سطح کے مطابق ہم اسلام کو پیش کر سکیں تو یہ دعوت ان کے لیے ضرور بالضرور موثر ثابت ہوگی اور اگر وہ اسلام کو سمجھ لیں تو دنیا بہت سے مصائب سے نجات پا جائے گی۔ اس دور میں طاقت کا استعمال مسائل میں اضافہ کر رہا ہے، حل نہیں کر رہا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

موبن سنگھ، راجہ مہندر پر تاب اور ندر اخبار۔

فرمایا

آپ کے اس امریکہ میں موبن سنگھ بھی تو آئے تھے، آپ نے کیوں ان کا نام سنا ہوگا اور پڑھنے کی زحمت گوارا کی ہو، اس کا تو سوال ہی نہیں۔ وہ یہاں لکڑی کے کارخانے میں ایک ملازم تھے لیکن آزادی کی دھن ایسی تھی کہ کیلیفورنیا میں ایک جلسہ رکھ لیا۔ ہر دیال نے صدارت کی اور مولانا برکت اللہ بھوپالی تو شمع محفل تھے۔ انہوں نے ایک پارٹی بنانے کی ضرورت پر زور دیا اور اسی سال جب سکر و منٹو میں مزدوروں کے سنٹر میں جلسہ ہوا تو I.A.P.C کے نام سے پارٹی تشکیل پائی۔ اس مختلف کی اصل ہے: Indian Association of Pacific Coast پارٹی تو بین الممالک، اب کام کے لیے رقم درکار تھی۔ چنانچہ اسکی اپیل کی گئی تو اس وقت 1913ء میں ہندوستان کی آزادی کے لیے اسی جلسے میں لوگوں نے دس ہزار ڈالر سے زیادہ رقم جمع کرا دی۔

موبن سنگھ، ہرمن سنگھ، کرتار سنگھ، چنڈت جگت رام، ہرنا دی، پانڈو رنگ کمان کھوجی اور مولانا برکت اللہ بھوپالی یہ سب اس پارٹی کے لیڈر تھے۔ وڈ سٹریٹ نمبر 5 سان فرانسسکو (Wood Street No.5, San Francisco) کے ایک مکان میں دفتر بنا اور اردو، گورکھی اور ہندی تینوں زبانوں میں پارٹی کا ترجمان اخبار ”نذر“ لکنا شروع ہوا۔ ”نذر“ کے ایڈیٹر ہر دیال اور مولانا برکت اللہ بھوپالی تھے۔ ”نذر“ دیکھتے ہی دیکھتے اپنے دور کا سب سے مقبول اخبار بن گیا۔ کتب، رسائل

اور اخبارات تو گمن کر فروخت ہوتے ہیں مگر ”نذر“ ایسا نکلا کہ مٹوں کے حساب سے تول کر مختلف ممالک میں بھیجا جاتا تھا۔ وی۔ ڈی۔ ساورکر کی کتاب (The Indian War of Independence) کا اردو ترجمہ ”نذر“ میں بالاقساط چھپنے لگا اور اخبار کی مقبولیت کا عالم یہ تھا کہ آپ کے اس امریکہ کے علاوہ، آسٹریلیا اور یورپ میں اسکی مانگ پوری کرنا دشوار تھی۔

اس دور میں جرمنی بھی برطانوی امپیرلزم کے خلاف تھا۔ مولانا برکت اللہ بھوپالی نے اس سے بھی فائدہ اٹھایا اور وہ ہندوستانی جو جرمنی میں رہتے تھے، انہوں نے تو مانی طور پر اس پارٹی سے بہت تعاون کیا۔ امریکہ میں جرمنی سفیر نے بھی مالی تعاون کیا۔ اخبار نے ہزاروں نوجوانوں میں آزادی کی تڑپ پیدا کی اور یہاں تک کہ لوگوں نے اپنی ملازمتیں چھوڑ کر ہندوستان کا رخ کیا کہ آزادی حاصل کریں۔ جاپان اور چین سے لوگ واپس آنے لگے اور حکومت ہند نے ان تمام آنے والوں کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ کرتار سنگھ، سیوا سنگھ، بیر سنگھ، سریال سنگھ اور کیا کیا خوبصورت ہاتھانی سکھ نوجوان اور کس قد و کاٹھ کے گہرو تھے کہ اپنے وطن کی محبت میں اپنے گھر جانے کی بجائے، جیلوں میں جانے سے زیادہ خوشی اور فخر محسوس کرتے تھے۔ ان میں سے سردار کرتار سنگھ جسکی عمر صرف 18 برس تھی، انگریزوں نے پھانسی چڑھا دیا اور بقیہ لوگوں کو بھی شدید سزائیں دیں۔ جرم کیا تھا؟ صرف یہ کہ ہندوستان کو آزاد کرانا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں اگر آپ ہریش کے پوری کی کتاب، GADAR MOVEMENT، IDEOLOGY, ORGANIZATION AND STRATEGY، پڑھیں

تو آپ کو علم ہو کہ آزادی کے لیے مسلمانوں، سکھوں اور ہندوؤں نے کیا کیا قربانیاں دیں۔ لیکن اب اس آزادی کے بعد غلامی کا دور یاد آتا ہے کہ کم سے کم اس دور میں جتنا انصاف تھا، وہ آج کے ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کے انصاف سے بڑھ کر ہی تھا۔ معاشی ترقی بھی اس دور میں زیادہ تھی اور نظم و ضبط بھی آج سے پہلے، اس غلامی کے معاشرے میں زیادہ پایا جاتا تھا۔

مولانا برکت اللہ بھوپالی 1927ء میں بھی یہاں آئے تھے۔ اس سفر کے لیے انہوں نے جرمین فارن آفس سے 1000 مارک لے کر ریلوے مہندر پر تاپ — جو کہ اس وقت عالمی سطح کے ہندوستانی لیڈر تھے — کو دیئے تھے۔ اور پھر ڈیٹرائٹ (DETROIT) بھی تشریف لائے تھے۔ شکاگو بھی گئے تھے۔ پھر وہ آخر میں کیلی فورنیا چلے گئے تھے۔ ”نادر“ کے دفتر سے انہیں بہت محبت تھی۔ اس دفتر سے ہزاروں آدمیوں کو آزادی کی جدوجہد کے لیے آمادہ کیا گیا تھا۔ دفتر پہنچے تو شوگر کی وجہ سے بہت بیمار تھے۔ ہندو، مسلمان اور سکھ سب ہندوستانی جمع ہوئے۔ پر تپاک استقبال ہوا۔ مولانا یہ سب کچھ دیکھ کر رو پڑے اور لوگوں پر بھی ان آنسوؤں کا بہت اثر ہوا۔ فضا سوگوار ہو گئی اور پھر مولانا برکت اللہ صاحب نے تقریر کی۔ مولانا کی شوگر بہت بڑھ گئی اور پھر ستمبر 1927ء میں یہیں سیکر امنٹوی میں ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ میٹروپول میں ان کی قبر بنی تھی۔ آپ لوگ تلاش کریں تو مل ہی جائے گی۔ وہاں جانا چاہیے، فاتحہ پڑھنی چاہیے۔ ہم ہندوستانی ہوں یا پاکستانی، مولانا برکت اللہ بھوپالی نے آزادی کے لیے جدوجہد کی تھی۔ ان کا ہم سب پر احسان ہے۔ سنا ہے کہ بھوپال،

ہندوستان میں کوئی یونیورسٹی بھی ان کے نام پر نہیں ہے۔ رحمہ اللہ و طبائہ۔

مولوی ذکاء اللہ اور تاریخ ہند۔

فرمایا

مولوی ذکاء اللہ مرحوم نے ہندوستان کی ایک بہت ضخیم تاریخ لکھی ہے، ریاضی اور سائنس کی کتابیں بھی سرسید احمد خان کی فرمائش پر لکھی تھیں اور یہ سرسید مرحوم کے دست راست تھے۔ ایڈریوز (Andrews) دہلی میں بہت باوجاہت انگریز افسر تھے، انہوں نے مولوی ذکاء اللہ صاحب مرحوم پر ایک کتاب بھی لکھی تھی جس کا نام تھا ”ذکاء اللہ آف دہلی“ اس کتاب کا اردو ترجمہ ہو کر، چھپ بھی گیا تھا لیکن اب نہ اصل کتاب ملتی ہے اور نہ اس کا ترجمہ۔ پڑھنے کی حسرت ہی ہے۔

مولوی ذکاء اللہ مرحوم کی زندگی میں جو امور قابل تقلید تھے ان میں سے ایک کام ضبط اوقات بھی تھا۔ وقت کی پابندی مولوی صاحب مرحوم کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی۔ یہ اور سرسید احمد خان صاحب کے صاحبزادے سید حامد گہرے دوست تھے۔ مولوی صاحب جس مکان میں رہتے تھے، اس میں ایک مرتبہ مرمت کی ضرورت پیش آئی تو اس مکان میں دن بھر تو مستری اور مزدور کام کرتے تھے اور رات کو مولوی صاحب شب بصری کے لیے تشریف لاتے تھے۔ پھر صبح ہوتے ہی وہ اپنے دوسرے مکان پر ناشتے کے لیے تشریف لے جاتے اور بقیہ وقت وہیں گزارتے۔ ایک مرتبہ جو صبح

© یہ مرمت اب پوری ہو چکی تھی وہ مکان وہ تھا اصل کتاب اور اس کا اردو ترجمہ اب ہمارے ہاں کے ذخیرہ کتب میں موجود ہے۔

اپنے گھر سے نکلے اور دوسرے گھر چارہ تھے تو عجیب منظر یہ دیکھا کہ سید حامد ہاتھ میں دسٹی گھڑی لیے کھڑے ہیں، مولوی صاحب ان کی یہ دسٹی دیکھ کر ہنس پڑے اور پوچھا ”سید حامد خیریت ہے، کیا کر رہے ہو؟“ دوپولے ”کہ رات گھڑی کو چابی نہ دینے کی وجہ سے یہ بند ہو گئی اور وقت کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ چونکہ آپ کی چاہل قدمی کا وقت معلوم تھا اس لیے آپ سے گھڑی کا وقت مانے کھڑا ہوں۔“ مولوی ذکا و اللہ مرحوم ہنس پڑے اور فرمایا ”اچھا تو آپ مجھے گھڑی کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔“ دونوں دوست کھلکھلا کے ہنس دیے اور دونوں چل پڑے۔

مولوی صاحب کی ”تاریخ ہند“ اپنے ہاں کے ذخیرہ کتب میں موجود ہے۔

علامہ شبلی نعمانی، خواجہ حسن نظامی اور لالہ چند لال۔

فرمایا علامہ شبلی نعمانی کا انتقال نومبر ۱۹۱۳ء میں ہوا اور علامہ الطاف حسین حالی مرحوم کا انتقال دسمبر ۱۹۱۳ء میں۔ ان دونوں مرحومین کے انتقال پر گویا ایک صدی پورا ہوا ہی چاہتی ہے۔ علامہ شبلی نعمانی نے ۱۹۰۹ء میں دہلی، خواجہ حسن نظامی مرحوم کو خط لکھا کہ کام کی زیادتی نے تھکا دیا ہے اور جی چاہتا ہے کہ ایسی جگہ جا کر رہوں جہاں پر کامل سکون ملے۔ خواجہ صاحب نے لکھا کہ دہلی میرے پاس آ جائیے اور رہیے، مکمل سکون ہوگا۔

چنانچہ علامہ شبلی مرحوم چلے گئے۔ اور ایک مہینہ تک نواب بدھن کی محل سرائے واقع چٹلی قبر میں ٹھہرائے گئے۔ خواجہ حسن نظامی مرحوم نے ایک مہینہ تک کسی کو وہاں پھرنے نہیں

دیا۔ اسی ایک مہینے میں جناب خولجہ حسن نظامی مرحوم کی اہلیہ اور ایک بیٹے کا انتقال ہو گیا۔ خولجہ صاحب مرحوم ان حوادث کا زیادہ اثر تو لیتے نہیں تھے اس لیے اپنے کاموں میں مصروف رہے اور چناڑے بھی پڑھ دیئے۔

علامہ شبلی مرحوم یہ سب کچھ دیکھتے، سنتے رہے۔ پھر فرمایا:

”خولجہ صاحب جب میری بیوی کا انتقال ہوا تھا، تو میں تو اس کی جہاد میں پاگل ہی ہو گیا تھا، لیکن آپ ہیں کہ برابر اپنے کاموں میں مصروف ہیں، گویا کہ کچھ ہوا ہی نہیں۔ ارے بھئی! آپ تو بہت مضبوط طبیعت کے انسان ہیں۔“

پورا مہینہ علامہ شبلی مرحوم نے، خولجہ حسن نظامی مرحوم کی پُر زور سفارش پر، صرف ایک شخص کی دعوت قبول کی اور وہ تھے لالہ چند لال چاول والے۔ لالہ جی بہت باذوق آدمی تھے اور اس زمانے میں دہلی سے ایک رسالہ ”زبان“ نکالا کرتے تھے۔ انہوں نے دعوت میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ طرح طرح کے سائن اور چاول پکوائے اور علامہ شبلی نعمانی جب زردہ کھانے لگے تو لالہ جی نے ایک نوکر سے کہا ”ذرا گرم زردہ لانا۔“ دعوت ختم ہوئی اور علامہ شبلی مرحوم نے خولجہ حسن نظامی مرحوم سے لالہ چند لال کی وضعداری اور مہمان نوازی کی از حد تعریف کی اور پھر فرمایا: ”مجھے اس بات کا تعجب ہے کہ دہلی والے ہو کر لالہ جی نے ”گرم زردہ“ کے الفاظ کیوں استعمال کیے؟ گرم کا لفظ تو ”برائی“ کے لیے بولا جاتا ہے۔“



قرآن کریم کے انگریزی تراجم

فرمایا یہاں بہت سے لوگوں سے یہ سنا کہ قرآن کریم کا پہلا انگلش ترجمہ جناب محمد مارمادیوک کاکھال (Marmaduke Pickthall) رحمۃ اللہ علیہ نے کیا۔ یہ اطلاع قلت علم کا نتیجہ ہے۔ ان سے پہلے پالمر (palmer)، راڈویل (Rodwell) اور جارج سیل (George Sale) وغیرہ کے ترجمے شائع ہو چکے تھے۔ کاکھال بنیادی طور پر انگلش زبان کے عالمی شہرت یافتہ ادیب تھے۔ ترکی میں ۱۹۰۸ء میں جو انقلاب آیا تھا۔ انھوں نے اس پر ایک کتاب ”The early hours“ لکھی تھی۔ ایک اور کتاب، جس پر انھیں فخر تھا اور اس میں اسلام کے خلاف بہت کچھ مواد تھا اور وہ انھوں نے اپنے زمانہ کنفرس میں لکھی تھی ”Saeed the fisherman“ تھی۔ پڑھنے لکھنے کے رسیا تھے اور ان کی اس عادت اور زور مطالعہ نے انھیں اسلام سے روشناس کرایا تھا اور پھر وہ نہ صرف مسلمان ہوئے بلکہ حضرت نظام حیدر آباد کی سرپرستی اور مالی تعاون سے وہ جامعہ الازہر مصر گئے اور دو سال کی شانہ روز محنت سے قرآن کریم کا ترجمہ بھی مکمل کیا۔ انہوں نے لندن میں اپنے قبول اسلام کا جب اعلان کیا تو اس کا بہت اچھا اثر، یورپ پر پڑا۔ علمی حلقوں کے بہت پڑھے لکھے انگریز کہنے لگے کہ جس مذہب کو کاکھال جیسا آدمی قبول کر رہا ہے تو اس میں ضرور کوئی نہ کوئی خوبیاں تو ہوں گی جنہوں نے کاکھال کو متاثر کیا ہے۔ ان کی بہت خواہش تھی کہ ان کی قبر بیتین میں بنے لیکن مٹی لندن کی تھی، ۱۹۳۶ء میں وہیں ان کا انتقال ہوا۔

حکیم عبدالوہاب انصاری اور علامہ اقبال

فرمایا حکیم عبدالوہاب انصاری جنہیں عام طور پر حکیم ناچنا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اپنے دور کے طبیب حاذق تھے۔ مہاراج سرکشن پرشاد کے ہاں خواتین اور بچے بیمار ہو گئے تو مہاراج نے انہیں اپنے محل میں آنے کی دعوت دی۔ یہ تشریف لے گئے تو سب سے پہلے بچے ملاحظہ کے لیے پیش کیے گئے۔ یہ ناچنا تھے، ہر بچے کی نبض پر ہاتھ رکھ کر بیماری تشخیص کر کے دوا لکھواتے رہے۔ اب عورتوں کی باری آئی تو مہاراجی صاحبہ کو آنے میں دیر ہوئی، تو جلدی سے مہاراج سرکشن پرشاد کرسی پر بیٹھے اور اپنا ہاتھ آگے کر دیا۔ حکیم صاحب نے خاموشی سے نبض پر ہاتھ رکھا اور پھر اٹھالیا۔ مسکرا کر فرمانے لگے یہ نبض تو مہاراج کی ہے۔ مہاراج حیران بھی ہوئے اور پریشان بھی۔ فرمانے لگے میں نے زندگی میں ایسا باکمال طبیب نہیں دیکھا۔ یہ سب حیدر آباد کن کا قصہ ہے۔ ریاست میں ایسے ایسے باکمال لوگ تھے۔ حکیم ناچنا مرحوم نے علامہ اقبال کا علاج بھی کیا تھا۔ وہ جب شفا یاب ہوئے تو حضرت حکیم ناچنا صاحب مرحوم سے اتنے خوش تھے کہ ان کی شان میں ایک رباعی کہی جس میں ان کی اور انہوں نے جو دوا لاہور بھجوائی تھی ”روح الذہب“ دونوں کی تعریف کی۔

ۛ ہے دو روحوں کا نشین بیکر خاکی میرا
رکھتا ہے بے تاب دونوں کو مرا ذوق طلب

ایک جو اللہ نے بخشی مجھے صبح ازل
دوسری ہے آپ کی بخشی ہوئی روح الذہب

گاندھی جی اور عرسوبانی

فرمایا گاندھی جی یقیناً ہندوستان اور عالمی سطح کے بہت بلند پایہ رہنما تھے لیکن جدوجہد آزادی میں ان کا ساتھ صرف ہندوؤں نے ہی نہیں، مسلمانوں نے بھی بہت دیا تھا۔ مسلمانوں نے ان کے لیے بہت قربانیاں بھی دیں اور ان کی تمام تحریکیں — جو انگریزوں کے خلاف اٹھیں — مسلمانوں ہی کے تعاون سے اپنے انجام کو پہنچیں۔ ایک مرتبہ آل انڈیا نیشنل کانگریس کے لیے کچھ رقم درکار تھی تو ایک مین متول تاجر جناب عرسوبانی نے اکیلے انھیں صرف بمبئی ہی سے ۳۷ لاکھ جمع کر کے دیئے تھے اور گاندھی جی کا نارگٹ ایک کروڑ روپے کا تھا۔

عرسوبانی، یوسف سوبانی کے بیٹے تھے اور مین برادری کے نہایت متول تاجر میں شمار کیے جاتے تھے۔ مشہور زمانہ مصوٰروں کی ہاتھ سے بنائی ہوئی تصاویر خریدنے کے بہت شوقین تھے۔ منہ مانی قیمت دے کر تصویر خریدتے تھے۔

وسیع المشرب طبیعت تھی۔ ۱۹۱۵ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کو مدد کی ضرورت تھی تو مسٹر جناح کی مدد کی اور جب گاندھی جی نے ایک موقع پر اہلاد کی درخواست کی تو عرسوبانی نے چیک بکھول کر رکھ دی اور کہا ”گاندھی جی چیک بھر دیجئے“ گاندھی جی نے قلم اٹھایا اور ایک لاکھ کا چیک بھر دیا۔ یہ دیکھ کر عرسوبانی بہت فیسے اور

فرمانے لگے "میں بہت سستا چھوٹا" گاندھی جی نے فرمایا "بس یہ رقم کافی ہے" یہ واقعہ ۱۹۳۶ء سے بھی پہلے کا ہے کیونکہ عرسوہانی ۶ جولائی ۱۹۳۶ء کو رحلت فرما گئے تھے۔ ایسے کہنے ہی واقعات ملیں گے جن سے علم ہوگا کہ تحریک آزادی میں مسلمانوں کی قربانیاں بھی کسی سے کم نہیں۔

دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہما جو یزید کے دور حکومت میں
باعث تشویش بن سکتے تھے؟

فرمایا یزید کے فسق و فجور میں کوئی شبہ ہونا تو درکنار اس کی تو تکلیف پر بحث ہے۔ احناف میں علمائے سر قند و بھارنی کا بھی اختلاف ہے۔ ایک گروہ اس کے کفر کا قائل ہے اور دوسرا اس کے فسق کا۔ اس کے دور میں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کی حکومت میں مزاحم ہو سکتے تھے، تین تھے:

ایک تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی شفقت، حمایت اور ہمدردی تو سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی لیکن وہ ہمیشہ اپنے آپ کو اختلافی امور سے الگ رکھ کے اللہ تعالیٰ کی عبادت، اجتماعی علاج اور فکر آخرت میں رہے۔

دوسرے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تھے اور وہ یزید کی فوج تو کیا، حجاج بن یوسف اور اس کے دستوں کے ساتھ بھی نہرو آزار رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں رجب شہادت پر قاتل فرمایا۔

اور تیسرے، یہ سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے آخری دم تک اپنی جدوجہد

جاری رکھی۔ یزید یوں کو یہ لاج بھی لاحق نہ ہوئی کہ وہ بیٹا کس کا تھا؟ حضرت ابو تراب سیدنا کرار حیدر رحمۃ اللہ علیہ کا، حضرت صاحبزادی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا نے کس محنت و مشقت سے اپنے لاڈ کو پالا تھا اور پھر نو اسراں کا تھا، جنہوں نے فرمایا تھا حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں۔ صلوات اللہ و سلامہ علیہم اجمعین۔

خلیفہ ہارون الرشید، عبداللہ بن مبارک اور ابو معاویہ رحمۃ اللہ علیہ

فرمایا

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ عباسی خلیفہ ہارون الرشید اس قدر عبادت گزار تھا کہ ۹ مئی کا رمضان آیا تو اس نے عمرے کا احرام باندھا اور پھر اسی احرام میں حج کی نیت کر لی اور پھر ایام حج میں بیت اللہ سے پیدل نکلا۔ منی، عرفات، مزدلفہ اور پھر منی واپس پہنچ کر ذبح کے بعد احرام اتارا۔ ڈھائی ماہ تک احرام کی پابندیاں اور اطاعت الہی اب کس کو میسر ہے؟

علماء کرام رحمۃ اللہ علیہم سے اسے اتنی عقیدت تھی کہ جب حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی خبر پہنچی تو باقاعدہ غم کا اظہار کیا اور اعیان سلطنت نے اس حادثے کی تحویت کی۔ اس کے زمانے ہی میں حضرت ابو معاویہ رحمۃ اللہ علیہ بہت صاحب علم، اس کی ایک دعوت میں آئے۔ کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کی باری آئی تو اس نے آفتاب اٹھایا اور ہاتھ دھلا تو ہوئے دریافت کیا کہ اگرچہ آپ اپنے ناؤ نہ ہونے کے سبب دھلائی سے محروم ہیں لیکن آپ جانتے ہیں کہ آپ کے ہاتھ کون دھلا رہا ہے؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا تو ہارون الرشید نے اپنا تعارف کراتے ہوئے عرض کیا حضرت اعلم بہر حال قابل احرام ہے۔

تاج بن یوسف اور عبدالرحمن بن مسلم خراسانی

فرمایا بنو امیہ میں تاج بن یوسف اور بنو عباس میں عبدالرحمن بن مسلم خراسانی — جو کہ تاریخ میں ابو مسلم خراسانی کے نام سے مشہور ہے — دونوں اتنے بڑے سفاک (Blood Shedders) تھے کہ کون فیصلہ کر سکتا ہے کس نے کس سے بڑھ کر خون بہایا؟ دونوں مسلمانوں کا خون بہانے میں ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ باوجود شخص اپنی حکومتوں کے استحکام کے لیے مسلمان رعایا کی گردنیں کاٹنے اور مصوم خون سے اپنے دامن کو تر کرتے رہے۔

یہ ابو مسلم خراسانی پہلا شخص تھا جس نے بنو عباس کی حکومت میں سیاہ لباس کو سرکاری لباس قرار دیا تھا۔ اس وقت سے لے کر آج تک عید یا جمعہ کے دن سیاہ عبا اوڑھ کر خطبہ دینا مستحب قرار پایا ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس احتباب کی تصریح کی ہے۔

یہ ابو مسلم ایک مرتجہ سیاہ لباس اوڑھے خطبہ دے رہا تھا تو ایک شخص نے اٹھ کر سوال کیا کہ آپ نے سیاہ لباس کیوں زیب تن کر رکھا ہے؟ کہنے لگا میرے استاد حضرت ابو الزہیر نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اپنے سر مبارک پر سیاہ عمامہ باندھا تھا۔ اور سیاہ لباس ہمارا قومی لباس بھی ہے اور رعایا کو مرحوب کرنے کے کام بھی آتا ہے۔

پھر ایک فوجی کو اشارہ کیا کہ اس سوال پوچھنے والے کو اٹھاؤ اور اس کی گردن اڑا دو۔ چنانچہ وہ آدمی قتل کر دیا گیا، جرم کیا تھا؟ صرف یہ کہ تمہاری اتنی ہمت کیسے ہو گئی کہ اپنے

اپنے حکمرانوں کے کاموں کا جواز دریافت کرتے پھر دو۔

ملا صدرا اور ان کی کتابیں۔

فرمایا

ملا صدرا کا تعلق اگرچہ اہل تہذیب سے تھا مگر اپنے فنون میں کمال کے انسان تھے۔ ان کی کتابیں اہل السنہ کے مدارس میں بھی ایک عرصہ تک پڑھی اور پڑھائی جاتی رہیں لیکن اب تو درس نظامی کا صرف ڈھانچہ ہی رہ گیا، وہ جو لوگ فلسفہ اور منطق پڑھ کر علم کے سرمیدان تھے، شہروں کے شہزادان سے خالی ہو گئے اور ذات و صفات البیہ کی مباحث جاننے والے، علوم شرعیہ کے حاملین چل رہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جب ملا صدرا کی کتابیں پڑھیں تو آنکھیں روشن ہو گئیں اور بعض مقامات تو ایسے ہیں کہ واہ، سبحان اللہ کیا کہنے۔ ۱۰۵۰ء میں وفات پائی اور اس دور میں سات حج کیے تھے۔ شیخ بہاء الدین عارفی کے شاگرد تھے۔ ضروری علوم سے فراغت کے بعد پندرہ سال تک عبادت میں مصروف رہے۔ مخلوق سے انقطاع اور مراقبات میں مشغول رہے۔ اس کے بعد تحریر و تسوید کا کام ہوا۔ پندرہ کتابیں تو صرف تفسیر قرآن پر ہی لکھ دیں۔ موت کے بعد مسخ روح ہوتا ہے یا نہیں؟ اس موضوع پر بہت عمدہ لکھا۔ ”اسرار الایات“ میں بھی اس موضوع کو بیان کیا ہے۔ ہمارے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ جس شخص پر جس خواہش نفس کا غلبہ ہوگا، حشر میں اسی صورت میں محشور ہوگا۔ کتنے ہی لالچی انسان کنوئیں کی شکل میں اٹھائے جائیں گے۔ کتنے ہی بے حیا، انسانی شکل میں جیتے رہے اور آخرت میں سور کی شکل میں محشور

ہوں گے، ہندوؤں تک کی صورت میں ہوں گے۔ ملا صدرا نے یہ مضمون اپنی کئی کتابوں میں نہایت شرح کے ساتھ مدلل بیان کیا ہے۔

مولانا حکیم محمود احمد برکاتی رحمۃ اللہ علیہ اور فلسفہ و معقولات۔

فرمایا فلسفہ کے کچھ اسباق و تشریحات کراچی میں مولانا حکیم محمود احمد برکاتی مرحوم و مغفور سے پڑھے۔ ان کے پردادا مولانا حکیم داعم علی صاحب مرحوم بہار کے رہنے والے تھے اور جب شہرت ہوئی تو نواب ریاست ٹوٹک نے انھیں اپنا شاہی طبیب مقرر کر لیا تھا پھر ان کے دادا نے اپنے والد مرحوم سے زیادہ شہرت پائی۔

مولانا حکیم برکات احمد ٹوٹکی تو اپنے دور میں فلسفہ اور معقولات کے امام ہوئے۔ پھر ان کے والد مرحوم نے اپنی زندگی طب کی خدمت میں بسر کی اور اب حضرت حکیم محمود احمد برکاتی صاحب مرحوم نے پوری ذمہ داری اور بساط پھر تحقیق کے ساتھ چند ایک کتابیں بہت عمدہ تحریر فرمائیں، خیر آبادی سلسلے کی انتہا یہ ہوئی۔ فلسفہ و معقولات کا جلال جاتا رہا۔ مولانا مودودی صاحب مرحوم نے بھی فلسفہ و منطق اسی علمی خانوادے سے پڑھا تھا اور اس خاندان کے جس جس فرد سے واسطہ پڑا جسے ستائش و صدق تھا۔

امام ابو بکر خصاف الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ — خاندان بنو مازہ رحمۃ اللہ علیہ

فرمایا امام ابو بکر خصاف الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ کی ”سب العلاقات“ کی ایک عمدہ شرح حضرت صدر الشہید حسام الدین ابو محمد عربی بن عبد العزیز ابن مازہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ ۵۳۶ھ

کی ہے۔ یہ شرح حضرت الشیخ ابو الوفا، افغانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے ساتھ چھپ گئی ہے، اور ہمارے ذخیرہ کتب میں موجود ہے۔ حضرت صدر الشہید ابن مازہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور میں، علم کے میدان میں، اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک تھے۔ لیکن انہوں نے عمر بہت کم پائی۔ صرف تین سال جیسے اور سرفرد میں ایک کافر نے انہیں شہید کر دیا۔ جسدمبارک بخاری منتقل کیا گیا۔ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں سے تھے چنانچہ انہوں نے اپنے بقعہ میں اپنے مشائخ کے تذکرے میں ان کی تعریف میں لکھا ہے کہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور فقہان سے پڑھی تھی۔ اپنے والد حضرت برہان الدین الکبیر عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز شاگرد تھے۔ علماء سرفرد، بخاری، خراسان اور ماوراء النہر میں یہ ”بنو مازہ“ کا خاندان نہایت بلند پایہ علمی وقعت و وجاہت کا حامل تھا۔ حنفی فقہ کے آئمہ کرام رحمۃ اللہ علیہ اس خاندان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنا، اپنے لیے فخر و سعادت جانتے تھے۔ اس بنو مازہ کے خاندان میں کتنے ہی آئمہ ایسے گذرے ہیں جو صدر الشہید، صدر السعید اور برہان الائمہ کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ یہ خود، ان کے والد عبدالعزیز، ان کے دادا عمر بن مازہ، ان کے بچے محمد صاحب محیط، ان کے بیٹے ابو جعفر محمد بن عمر، حضرت صدر جہاں محمد بن احمد بن عبدالعزیز بن عمر بن مازہ، یہ سب اسی خاندان ”بنو مازہ“ کے درخشندہ ستارے تھے۔ سلطان وقت بختیار بن ملک سلجوقی نے ان سب حضرات کے لیے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیے تھے۔

رحمہم اللہ تعالیٰ جمیعاً و حشرنا معہم.



مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور جوزف ہورٹس

فرمایا

ہمارے حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مشہور مستشرق جوزف ہورٹس (Josef Horowitz) کی تنگ نظری اور مذہبی تعصب پر بہت برہم ہوتے تھے۔ ان کے زمانے میں ”معارف“ میں ان کے کئی مضامین اس موضوع پر چھپے۔ پڑھنے اور سوچنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ پہلا مستشرق ہے جس نے ”الطبقات الکبریٰ لابن سعد رحمۃ اللہ علیہ“ جیسی سیرت طیبہ کی بنیادی مآخذ کتاب مرجع کر کے، ہالینڈ کی لائڈن یونیورسٹی سے اس کی دو جلدیں، 1904ء سے لے کر 1918ء تک، محنت کر کے دنیائے اسلام کو دیں۔ علامہ شبلی نعمانی مرحوم کو حسرت رہی کہ کاش وہ طبقات ابن سعد دیکھ لیتے لیکن ان کی وفات کے چار سال بعد 1918ء میں یہ کتاب چھپی۔ اس عظیم کام پر اسے ایک اور مستشرق ایڈورڈ زخاؤ (Eduard Sachau) نے راجب کیا تھا، ”طبقات“ کے علاوہ اس نے ابن قتیبہ کی کتاب ”عیون الاخبار“ کا انگلش ترجمہ بھی کیا۔ افسوس کہ عمر زیادہ نہ پائی صرف 57 سال دنیا اور 5 فروری 1931ء میں انتقال ہوا۔

ابن حزم ظاہری اور ابن عربی کا خواب

فرمایا

ابن حزم ظاہری کی کتابیں پڑھیں تو یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ احادیث و آثار سے آگاہی ہوئی لیکن بعض مقامات پر اکابرین و اسلاف اُمت اور خاص طور پر انھوں

نے موالک، مع امام مالک رحمہ اللہ پر جو کرم فرمائی کی ہے اسے پڑھ کر از حد کوفت بھی اٹھائی پڑی۔ بعض مقامات پر تنقید کا پناہ نہ تھا سخت کر دیتے ہیں اور احادیث و آثار کے معاملے میں اتنی سطحیت پر اتر آتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ ہے۔ علمی مباحث میں تو ان کا حال یہ ہے لیکن صاحب فتوحات مکیہ ابن عربی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ گویا کہ سراپا نور ہیں اور اسی عالم میں آپ نے ابو محمد ابن حزم کو اپنے سینہ مبارک سے چمٹا لیا ہے۔ پھر ایک جسم دوسرے جسم میں سمو گیا ہے حتیٰ کہ ایک ہی جسم رہ گیا ہے اور وہ صرف حضرت رسالت پناہ ﷺ ہیں۔ یہ پڑھ کر ان سے بعد میں کمی واقع ہوئی۔ خدا ایسے بھلے انسانوں کا بیڑا پار لگائے مگر کاش کہ کچھ حفظ مراتب کا دھیان رکھتے۔

خواجہ الطاف حسین حالی اور ان کی اہلیہ۔

فرمایا خواجہ الطاف حسین حالی کی شادی پانی پت کے شیعہ سادات میں ہوئی۔ بی سلام النساء ان کی اہلیہ تھیں۔ بہت حیز مزاج اور پھر اس مزاج کے اظہار میں ذرا تامل نہ تھا۔ ایک مرتبہ قصہ یہ ہوا کہ خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم اپنے بیٹے خواجہ سجاد حسین اور اپنے سالے فیاض حسین کے ساتھ پانی پت میں، نویں محرم کو ایک تانگہ لے کر اپنے کسی کام سے گئے۔ کوچوان نے تانگہ کچھ اس طرح سے چلایا کہ الٹ گیا، تینوں افراد کو کچھ چوٹیں تو آئیں لیکن بچ گئے، گھر لوٹے تو بی سلام النساء کا قصہ اپنے عروج پہ تھا۔ خوب برسیں اور شوہر، بیٹے اور بھائی پر قیامت ڈھا دی کہ

حضرت نبی ﷺ کے نواسے پر تو قیامت کی گھڑی ہے۔ ان کے اعزاء اقرباء تو بھوک اور پیاس سے تڑپ رہے ہیں اور تم قینوں کو تانگے پر سیر کی سوچھی ہے۔ اچھا ہوا کہ تانگہ اٹا، تمہیں سزا ہوئی، اور بہت کچھ کہا، بیٹے اور بھائی کو یہ رویہ بہت کھلا کہ جانے دو ہماری تو خیر ہے لیکن خولید صاحب شوہر ہیں۔ بلند پایہ آدمی ہیں، انہیں اس طرح سے مخاطب کرنا تو بالکل درست نہیں ہے، لیکن خولید الطاف حسین حالی اس قدر خشنڈے مزاج کے تھے کہ بولے تو صرف یہ کہا کہ آج سیدانی جلال میں ہیں۔ جو کچھ کہتی ہیں، حق ہے، آج کے دن سواری پر بیٹھے، ہماری سی لٹھی تھی۔

خولید الطاف حسین حالی اور شمس العلماء کا خطاب۔

(فرمایا)

سر سید احمد خان اور علامہ شبلی نعمانی کو خولید الطاف حسین حالی سے بہت محبت اور ان کے حال پر بڑی شفقت تھی۔ ۱۹۰۳ء میں شمس العلماء کا خطاب، حکومت نے خولید صاحب کو دیا۔ اس اعزاز کی مبارک باد میں علامہ شبلی نعمانی نے انہیں ایک نہایت دلچسپ اور وقیع جملہ لکھا کہ مولانا آپ کو تو نہیں لیکن خطاب شمس العلماء کو مبارک باد دیتا ہوں کہ اب جا کر اس خطاب کو عزت حاصل ہوئی۔

”پہلے گورے کی قید میں تھا اب کالے کی“

(فرمایا)

انگریز حکومت نے جن بے قصور لوگوں پر ظلم کیا ان میں ایک مرزا اسد اللہ خان غالب بھی تھے۔ چھ ماہ کی نظر بندی کے بعد رہا ہوئے تو دہلی میں میاں کالے کی حویلی

میں قیام ہوا۔ کسی نے دریافت کیا کہ جناب والا کا قیام آج کل کہاں ہے تو فرمایا ”پہلے گورے کی قید میں تھا، اب کالے کی قید میں ہوں۔“

میر انیس کی بلی کا چوری ہونا۔

فرمایا میر انیس مرثیہ نگاری کے بادشاہ تھے۔ لکھنؤ کیا برصغیر اور برصغیر کیا اب تو جہاں بھی اردو ادب کی ریتانی شاعری کی بات ہوگی حضرت میر انیس سر فہرست ہوں گے۔ انہوں نے دل بہانے کے لیے ایک خوبصورت بلی پالی تھی۔ بلی کیا تھی گویا کہ محبوبہ تھی۔ اس کی ناز برداریاں کرتے، قصاب کے ہاں سے اس کے لیے گوشت آتا۔ دسترخوان پر ان کے سامنے یا پہلو میں بلی کو نشست ملتی اور جب تک وہ نہ ہوتی حضرت میر انیس منہ میں لقمہ نہ ڈالتے مگر ہوا یہ کہ ایک مرتبہ یہ بلی چوری ہوگئی۔ بلی کیا چوری ہوئی، حضرت میر انیس پر قیامت ڈھ گئی۔ کھانا چنانسب موقوف ہو گیا اور مشکن کی پریشانی اُلگ، اسی اثنا میں، جبکہ میر انیس سو رہے تھے، دستک ہوئی، دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ حضرت میر دیر کھڑے ہیں انھیں سوتے سے چکایا گیا نہایت گھبرائے ہوئے باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ میر دیر کھڑے ہیں اور زار و قطار رو رہے ہیں۔ میر انیس نے بڑھ کر معافہ کیا اور گریے کا سبب دریافت کیا۔ ارشاد ہوا بھوک ستا رہی ہے، کھانا کھلا دیجئے، میر انیس حیران کہ ماجرا کیا ہے؟ میر دیر لکھنؤ کے نامور شاعر اور آسودہ حال، کھانا تو ظاہر کی پردہ داری ہے، حقیقت میں معاملہ کچھ اور ہے۔ دسترخوان بچھایا اور کھانا چنایا۔ آداب دعوت کے مطابق میر انیس بھی لٹھے

اٹھاتے رہے میر دتیر کو یا ہوئے اور فرمایا میری آنکھ لگ گئی تھی کہ آپ کے جذبہ احمد شریف لائے اور فرمایا کہ انہیں نے آج کھانا نہیں کھایا، جا کر انہیں کھانا کھلائیں اور کہہ دیں کہ جو کچھ کھو گیا ہے سویرے مل جائے گا۔ چنانچہ اگلے دن سویرے ملی خود بخود واپس چلی آئی۔

درس نظامی کی کتاب ”مطلول“

فرمایا درس نظامی کی کتاب مطلول، جسے اب مولوی نہیں پڑھتے، مغل بادشاہ نور الدین جہانگیر بن اکبر بادشاہ نے اپنے اساتذہ سے پڑھی اور وہ نسخہ نو اب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن شروانی کے کتب خانے میں تھا۔ اس پر جہانگیر بادشاہ کے دستخط بھی تھے۔ یہ نسخہ اب علی گڑھ کے کتب خانے میں محفوظ ہونا چاہیے۔

ہنوز دلی دور است — محاورے کی اصل

فرمایا اردو کا محاورہ ”ہنوز دلی دور است“ اپنے پس منظر میں ایک حقیقت کا حامل ہے۔ سلطان غیاث الدین تغلق کو بعض وجوہ کی بناء پر حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے پرغاش تھی۔ بنگال کی ایک مہم کے بعد جب وہ دہلی لوٹ رہا تھا تو ایک تیز رو قاصد کے ذریعے حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو پیغام بھجوایا کہ میرے دہلی میں داخل ہونے سے پہلے پہلے دلی خالی کر دیں۔ دلی میں اب یا تو آپ رہیں گے یا پھر میں رہوں گا۔ دلی نہ چھوڑنے کی صورت میں انجام اچھا نہ ہوگا۔ حضرت نور اللہ مرقدہ نے جب یہ

پیغام سنا تو بے اختیار زبان الہام ترجمان سے یہ جملہ صادر ہوا ”ہنوز دتی دور است“ سلطان غیاث الدین بنگال کی مہم سے کامیاب واپس آ رہا تھا۔ پُر غرور فاتح کے استقبال کے لیے ساری دتی سجائی گئی، ولی عہد بہادر نے دتی سے صرف تین میل کے فاصلے پر ایک عارضی محل تعمیر کرایا کہ غازی بادشاہ یہاں اُتریں۔ شہر میں داخل ہونے سے قبل کچھ ہلکا پھلکا کھانا کھائیں اور تازہ دم ہو کر سچے ہوئے محل میں داخل ہوں۔ سلطان اس محل میں داخل ہوا اور کھانا کھایا۔ دتی کے امراء اور فقراء اس معرکے کو بھی سوچ رہے تھے کہ اب کیا ہوگا۔ سلطان دنیا کا حکم ہے کہ اس کا دارالحکومت چھوڑ دیا جائے اور سلطان دین کسی قیمت پر دتی چھوڑنے کو تیار نہیں صرف یہ فرماتے کہ ابھی ولی دور ہے۔ ایک کے پس پشت حشم و خدام ہے۔ سلطنت ہے، افواج اور سپاہ ہیں اور دوسرے کی کل کائنات ”یقین“ صرف تین میل کا فاصلہ۔ بادشاہ نے کھانا کھایا۔ تمام وزراء اور فوج کے سربراہ اپنی ساریوں پہ چاڑھے، محل میں صرف پانچ افراد تھے اور بادشاہ ہاتھ دھو رہا تھا۔ چائیک آسمان سے بجلی گری۔ محل دھڑام سے گرا۔ بادشاہ اور اس کے پانچوں مصاحبین ایسی سلطنت میں جا پہنچے جہاں صرف اللہ کی بادشاہی ہے اور سب مخلوق بے اختیار۔ سلطان دین نے معرکہ جیت لیا۔ یقین نے مڑھومہ دہم کو شکست دے دی اور عوام الناس میں وہاں سے یہ محاورہ چلا ”ہنوز دتی دور است“۔

مولانا آزاد اور جوش ملیح آبادی



مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اور حضرت جوش ملیح آبادی کا تعلق تقسیم کے بعد بھی

استوار رہا۔ یہ جب بھی ہندوستان جاتے، مولانا کی خدمت میں ضرور حاضری ہوتی، ایک مرتبہ مولانا نے ارشاد فرمایا کہ دنیا بھر کے لوگ اپنے سیاسی مسائل کے حل کے لیے میرے پاس آتے ہیں، ادب کی دنیا پر کوئی بات نہیں ہوتی۔ آپ بھی تو تشریف لایا کیجیے۔ چنانچہ جناب کنور مہیندر سنگھ، ہیدی تھر اور حضرت جوش دونوں ایک مرتبہ حاضر ہوئے تو دیکھا کہ مولانا تو سیاسی حضرات کی جھرمٹ میں ہیں۔ پندرہ میں منٹ انتظار کے بعد جوش صاحب نے ایک کاغذ کے پرزے پر لکھا:

ۛ نامناسب ہے خون کھولانا

پھر کسی اور وقت مولانا

اور اس کے بعد یہ جا، وہ جا۔ ابھی گاڑی تک بھی نہ پہنچے تھے کہ مولانا کے سیکرٹری خان اجمل خان بھاگتے ہوئے آئے اور مولانا کی طرف سے معذرت کر کے واپس لے گئے۔ مولانا نے خود بھی معذرت کی اور بہت تپاک سے ملے۔

جواہر لال نہرو اور جوش

فرمایا ﴿پنڈت جواہر لال نہرو کو حضرت جوش سے جو تعلق خاطر تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ بحیثیت وزیر اعظم انھوں نے کہا کہ جوش صاحب اگرچہ آپ نے اب پاکستان کی شہریت لے لی ہے لیکن اس کے باوجود آپ سال بھر میں صرف تین ماہ ہی ہندوستان آجایا کریں تو میں آپ کو پورے بارہ ماہ کی تنخواہ دلوا دیا کروں گا۔

علامہ انور صابری اور تصویر

فرمایا جناب علامہ انور صابری مرحوم کا شمار پرگو شعراء میں ہوتا تھا اور کمرے کا نیا نیا دور تھا اور علامہ مرحوم تصویر کھنچوانے سے گریزاں رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک مشاعرے میں پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو تصویر کشی شروع ہو گئی، علامہ صاحب نے بہت مہذب انداز میں رد کا اور فرمایا کہ مجھی میری تصویر لے کر کیا کرو گے؟ شکر پر شاہ صاحب نے فوراً فقرہ چست کیا مولانا بچوں کو ڈرانے کے کام آئے گی۔

جوش کی نظم اور مہینہ دستکھ کی داد

فرمایا بمبئی کے ایک مشاعرے میں حضرت جوش طبع آبادی اپنی مشہور نظم جس نے ایک عرصہ تک برصغیر کی ادبی مجالس میں تہلکہ مچائے رکھا ”گل بدنی“ اپنے مترنم لہجے میں پڑھ رہے تھے کہ کور مہینہ دستکھ بیدی تحریر نے برجستہ داد دیتے ہوئے کہا کہ حضرات ملاحظہ ہو، پٹھان ہو کر اتنی اچھی نظم کہہ رہا ہے۔ حضرت جوش نے برجستہ جواب دیا کہ حضرات ملاحظہ ہو کھ ہو کر اتنی اچھی داد دے رہا ہے۔

شکر لال اور اخلاقیات

فرمایا دلی کا تھمڑے مالک سر شکر لال شعر و شاعری اور موسیقی کی دنیا کے آدمی تھے انسانی رویوں اور اخلاقیات کے بادشاہ تھے جس کسی نے ذرا سا بھی احسان کر دیا،

عمر بھرا سے بھاتے رہے۔ دوسروں کا اتنا احترام اور ایسے وضع دار تھے کہ ایک مرتبہ اپنی گاڑی میں کنوڑ مہینہ رنگھ بیوی تھر کو اپنے گھر لے جا رہے تھے اور ان کی گاڑی کے سامنے ایک اور گاڑی جا رہی تھی۔ ان کے ڈرائیور نے اپنی گاڑی بڑھائی چاہی تو فوراً منع کر دیا اور فرمایا کہ اگرچہ راستہ صاف ہے، کوئی حادثے کا خوف نہیں ہے لیکن دیکھئے سامنے والی گاڑی رائے بہادر پرشاد کی ہے۔ یہ دہلی کے رئیس اعظم ہیں۔ ان کے بزرگوں نے میرے آباء و اجداد پر احسانات کیے ہیں اس لیے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہماری گاڑی ان کی گاڑی سے آگے چلے۔ بذات خود پوتڑوں کے رئیس تھے لیکن بددعا اتم انسانیت تھی، درجنوں بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کی کفالت کرتے تھے۔

مجید لاہوری اور نمکدان

پاکستان بننے کے بعد ”جنگ“ اخبار میں مزاحیہ کالم نگار جناب مجید لاہوری تھے ”حرف و حکایت“ اور ”نمکدان“ کے عنوان سے بہت عمدہ کالم چھپتے تھے۔ ”جنگ“ اخبار کی پرانی فائلز کو جب پڑھا تو بار بار یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر کوئی شخص ان کے ان کالموں کو جمع کر دے، تو اردو کے مزاحیہ ادب میں ایک قابل قدر اضافہ ہو جائے۔ خود ہی نظمیں بھی لکھتے تھے۔ جن لوگوں نے انھیں دیکھا ہے، بتاتے تھے کہ اپنی جان اور ہیٹھ کے اعتبار سے بھی جناب مجید لاہوری صاحب سراپا مزاح لگتے تھے۔ انھوں نے عمر بہت کم پائی۔ صرف چالیس برس چھپے اور خود ہی اپنے ایک مصرعے میں کہا

دوسرا مجھ سا کوئی لاندہ سکے گی دنیا

بابا تاجے شاہ اور رنجیت سنگھ

فرمایا لاہور میں پرانی سبزی منڈی کو جو راستہ جیہڑ لین روڈ (Chamberlane Road) کی طرف جاتا ہے وہاں برب سڑک ایک مزار ہے۔ یہ مزار بابا تاجے شاہ مہذوب کا ہے۔ راجہ رنجیت سنگھ ان کے بہت معتقد تھے۔ یہ مغلوب المال مہذوب اور صاحب کشف تھے اور کئی مرتبہ ایسی فوجیں گویاں کرتے تھے جو اپنے وقت پر پوری ہوتی تھیں اور اس وجہ سے لوگ ان کے معتقد تھے۔ راجہ رنجیت سنگھ کی عقیدت کا باعث بھی یہی چیز تھی۔ چنانچہ انھوں نے اپنے مرض الموت میں انھیں بلایا اور صحت کی دعا چاہی تو انھوں نے کہا چندن منگا ئیں۔ چندن اصل میں مندل کی لکڑی (Santalum Album) کو کہتے ہیں۔ یہ لکڑی مردوں کو جہانے کے لیے استعمال ہوتی ہے اور اس کا شمار عمدہ قسم کی لکڑیوں میں ہوتا ہے اسی لیے یہ محاورہ بنا:

چندن پڑا چمار کے نت اٹھ کوئے چام

رو رو چندن مہی پھرے پڑا فنج سے کام

تو رنجیت سنگھ کچھ گئے کہ یہ موت کا کتا یہ ہے۔ پھر انھوں نے اسے کہہ بھی دیا کہ تیرے بعد یہ سلطنت، سکھ صرف نو سال سنبھال سکیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ راجہ رنجیت سنگھ ۱۸۳۹ء میں نذر چندن ہوئے اور ۱۸۳۹ء میں انگریزوں نے تخت لاہور کو بھی اپنی سلطنت میں ضم کر لیا۔

اورنگ زیب عالمگیر اور شاہ محبت اللہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ

(فرمایا)

حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ بہت بیدار مغز بادشاہ تھے۔ عوام کو صرف دنیوی سہولتیں ہی فراہم نہیں کیں، اس پر بھی برابر نگاہ رکھی کہ ملک میں بدعتیہ کی نہ پھیلنے پائے۔ حضرت شاہ محبت اللہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالے ”تسویہ“ کے بعض مندرجات پر نہ صرف شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا بلکہ اسے خلاف شریعت سمجھتے ہوئے، جلائے کا حکم بھی دیا۔ ”تسویہ“ کی کئی شروحات ان کے زمانے میں تحریر کی گئیں۔ اس کے مصنف حضرت شاہ محبت اللہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ وحدۃ الوجود کے زبردست داعی تھے۔ انھوں نے حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی ”فصوص الحکم“ کی عربی اور فارسی شروح بھی لکھی ہیں اور ان کی باقی تصانیف میں بھی وحدۃ الوجود کی دعوت ہے۔ ”تسویہ“ میں بھی چونکہ یہی دعوت ہے اور کچھ حد سے بڑھ گئی ہے اس لیے اس رسالے کے رد میں حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زاوے حضرت خواجہ عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے۔ اور پھر وہ وحدۃ الوجود کے داعی تھے اور یہ حضرات سلسلہ نقشبندیہ کے اکابرین، وحدۃ الشہود کے قائل۔ حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ بھی نقشبندی مجددی اور وحدۃ الشہود کے قائل اور اخصی کا یہائی دارالاشکوہ وحدۃ الوجود کا عالی قائل اور حضرت محبت اللہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے منسلک۔ یہ تمام عوامل واسباب جمع ہو گئے تھے چنانچہ اس دور میں وجود اور شہود کی بہت گراں قدر علمی مباحث بھی خوب ہوئیں۔ حضرت شاہ محبت اللہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ تو حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار میں

اتنے خاتے کر اپنے دور میں ابن عربی ثانی کہلائے۔

نواب کلب علی خان اور داغ دہلوی

فرمایا

خلد آشیان نواب کلب علی خاں بہادر نواب رام پور نے حضرت داغ دہلوی کو باقاعدہ ملازمت عطا کر دی تھی۔ حضرت خلد آشیان شعراء کو صرف شاعری ہی کی وجہ سے وظیفہ نہیں دیتے تھے بلکہ سلطنت کے کچھ کام بھی شاعر کے سپرد کر دیتے تھے۔ حضرت داغ دہلوی دربار رام پور کے شاعر تو تھے، سو تھے، ان کے ذمے گاڑی خانہ، شتر خانہ وغیرہ بھی تھے۔ حضرت امیرینائی کی دربار رام پور نے قدر افزائی کی وٹھیلہ مقرر کیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ مفتی عدالت کی ذمہ داری بھی سونپی گئی۔ فشی امیر اللہ تسلیم کی قدر دانی بھی رہی اور تا نظر فوجداری بھی کیے گئے۔ حضرت خلد آشیان نے ارادہ حج کیا اور ۱۸۷۷ء میں کوچ ہوا۔ حضرت داغ دہلوی نے اپنی مشہور زمانہ غزل اسی سفر میں کہی تھی۔

~ لاکھ دینے کا ایک دینا ہے
دل بے دعا دیا تو نے

داغ دہلوی کا استعفیٰ اور نواب صاحب کی عنایات

فرمایا

حضرت داغ دہلوی نو عمری ہی میں قلعہ معلیٰ دہلی کا رنگ دیکھ چکے تھے اور بیچہ صاحب کمال ہونے کے بے نیازی اس پر مستزاد، ایک مرتبہ محمود علی خان محمود راہپوری

حاضر ہوئے تو یہ عصر کا وضو کر رہے تھے۔ مزاج ناگوار تھا محمود سے فرمایا کہ کانٹہ لہو اور میرا استعفیٰ لکھ دو۔ انھوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا آج حضرت نواب صاحب نے اصطبل کا ملا جھک کیا اور مجھ سے فرمایا ”گھوڑے دہلے ہو گئے ہیں“۔ اور یہاں ہزار کام سر میں ہیں۔ مجھ سے ملازمت نہیں ہو سکتی۔ محمود راپوری نے کہا کہ استعفیٰ تو میں لکھ دیتا ہوں لیکن اسے منظور کون کرے گا۔ فرمایا کہ محمود جب مجھے ہی ملازمت منظور نہیں تو کیسے رکھیں گے۔ استعفیٰ لکھا گیا اور بھجوا دیا گیا۔ جب پیش ہوا تو نواب رام پور حضرت کلب علی خان نے طلب کیا اور وجہ استعفیٰ دریافت کی۔ انھوں نے عذر پیش کیا کہ حضور ضعیف بہت ہو گیا اس لیے ملازمت درست طریقے سے ہو نہیں سکتی اور قرضے نے الگ پریشان کر رکھا ہے۔ حضرت نواب صاحب بہت خاموشی سے سنتے رہے اور جب ان کی بات پوری ہو گئی تو فرمایا: نواب میرزا آپ کو کون تو کر بھتا ہے۔ میں تو اپنا بھائی کہتا ہوں اور ارادہ یہ ہے کہ میں اور تم ایک ہی قبر میں دفن ہوں اور تم ہو کہ مجھے چھوڑ رہے ہو۔ پھر قرضے کی تفصیل دریافت کی اور فرمایا کہ قرضہ چھوٹ جائے گا اور آج سے آپ کی تنخواہ میں پچاس روپے اضافہ کیا جا رہا ہے۔ حضرت داغ دہلوی واپس ہوئے اور یہ تمام کھانا اپنے شاگرد محمود علی خان محمود راپوری کو سنا کر فرمانے لگے کہ محمود اب تم ہی بتاؤ کہ یہ باتیں ایسی ہیں کہ کسی کو یہاں سے نکلنے دیں؟۔ حضرت داغ دہلوی کو نواب غلط آدھیاں سے ایسی محبت اور تعلق خاطر تھا کہ شعر کہا ہے

ہر چند رام پور میں گھبرا رہا ہے داغ
کس طرح جائے کلب علی خان کو چھوڑ کر

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

۔ رہے کیا مصطفیٰ آباد میں داغ
وہ سارے لطف تھے غلد آشیان کے ساتھ

ابن عربی کا ایک خواب۔

فرمایا

حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ میں اشبیلیہ گیا تو وہاں حضرت ابو عمران موسیٰ بن عمران مرتقی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری ہوئی۔ جو کہ اس دور کے اکابر اولیاء اللہ میں شمار کیے جاتے تھے۔ میں نے انھیں ایک کام کے سلسلے میں بہت اچھی خبر سنائی تو انھوں نے مجھے دعا دی کہ جیسے آپ نے مجھے خوشخبری دی، اللہ تعالیٰ ایسے ہی تمھیں جنت کی بشارت دے۔ وقت گزر گیا۔ پھر ایک مرتبہ میں نے اپنے ایک وفات شدہ دوست کو خواب میں دیکھا تو ان کی خیریت دریافت کی۔ انھوں نے مجھے خیریت کی اطلاع دی اور پھر بہت دیر گفتگو کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بشارت دی ہے کہ تم جنت میں میرے دوست ہو گے۔ تو میں نے اپنے اس دوست سے کہا کہ یہ تو خواب ہے جو میں دیکھ رہا ہوں اور خواب کوئی دلیل نہیں ہوتے مجھے ایسی دلیل بتاؤ جس سے مجھے اندازہ ہو جائے کہ یہ جو کچھ آپ نے کہا ہے، یہ سب سچ ہے۔ انھوں نے فرمایا کیوں نہیں! دیکھیے اس خواب اور میرے سچا ہونے کی دلیل یہ ہے کہ کل نماز ظہر کے وقت حاکم وقت آپ کو طلب کرے گا تا کہ آپ کو قید میں ڈال دے، اس لیے اپنی حفاظت کرنا۔ یہ واقعہ اس خواب کے سچا ہونے کی دلیل ہوگا۔ جب میں سویرے

سو کر اٹھ تو غور کرنے لگا کہ میں نے ایسا کون سا جرم کیا ہے کہ حاکم وقت مجھے قید میں ڈال دے گا؟ کوئی جرم سمجھ میں نہیں آیا لیکن جو نبی ظہر کی نماز پڑھنے کی فارغ ہوا تو سلطان کی طرف سے ہرکارے آئے اور میرا دریاقت کرنے لگے۔ میں نے جان لیا کہ وہ خواب سچا ہے اور اپنے آپ کو چندرہ دن کے لیے روپوش کر لیا اور اسی اثنا میں میری طلبی بھی ختم ہو گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض خواب سچ ہوتے ہیں ان کا اعتبار کرنا چاہیے۔

بارہویں، تیرہویں صدی ہجری اور عالم اسلام۔

فرمایا بارہویں اور تیرہویں صدی ہجری کا دور پورے عالم اسلام کے لیے عموماً اور برصغیر کے لیے خصوصاً نہایت پُر آشوب و درختانی ہے کہ اس دور میں ہندوستان میں جو نہایت قوی النسبت اور جید علماء و دین تھے، ان کے حالات سعی بلیغ کے باوجود نہیں ملتے۔ جو کچھ ان حضرات نے لکھا، ضائع ہو گیا۔ کتب خانے جلا دیے گئے۔ بہت سے نایاب نسخے ہجرت کی نذر ہو گئے۔ جلا وطنی کی سزاؤں نے ان حضرات کے علمی مشاغل کو شدید متاثر کیا اور بچے صرف وہی جنہوں نے ہندوستان کی سیاست میں دخل نہیں دیا اور یا پھر نہایت خاموشی سے اپنے علمی اور اصلاحی کاموں میں مصروف رہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اردو ترجمہ قرآن کریم کی وجہ سے شہرت دوام حاصل کی لیکن آپ ان کے حالات جاننا چاہیں کہ ذاتی زندگی کیا تھی؟ اسرار کتنے کیے؟ اپنے معاصرین میں ان کا کیا مقام تھا، سلوک و تصوف کی منازل کیسے طے کیں؟

تعلیم میں کس نصاب کو پڑھا وغیرہ وغیرہ تو مستند طریقے پر دس صفحات کا مواد نہیں ملتا۔ جب اس کی بھی یہی ہے کہ دوری ایسا افتراقی کا تھا کہ کون تاریخ مرتب کرتا اور سوانح نگاری کا فن کیسے ہی کا شکار ہو کر رہ گیا۔

تجسد ارواح اور علامہ اقبال کی مرزا غالب
و مولانا روم سے ملاقات۔

فرمایا

تجسد ارواح، حضرات صوفیاء کرام رحمہ اللہ کے نزدیک تو معمول کی بات ہے۔ برصغیر کے تمام مکاتیب فکر کے علماء اور صوفیاء اس مسئلے پر متفق ہیں اور ہر ایک فرقے کے اکابر نے اپنی اپنی کتابوں میں اس طرح کے بے شمار واقعات اپنے ہی اکابر کے متعلق تحریر فرمائے ہیں کہ ان کے مشائخ کو تجسد کا درجہ حاصل تھا۔ ان کی ارواح جسم کے روپ میں تبدیل ہو کر اپنی وفات کے بعد مختلف جلسوں یا محافل یا محاررات یا اپنے مسترشدین کے ہاں تشریف لائیں۔ اس لیے اس حقیقت کا انکار صرف کوئی ایسا شخص ہی کر سکتا ہے، جس کی نظر اپنے اکابرین کی کتب پر نہ ہو۔

علامہ اقبال فلسفہ اور علوم اسلامیہ کے فاضل اور توہمات سے کوسوں دور، لیکن دور و جس ان کے پاس جسم کی صورت میں آئیں۔ خاصی دیر گفتگو جاری رہی اور جو استغراق کی کیفیت ان پر طاری تھی جب وہ اس سے باہر آئے تو ان ارواح کی تلاش ہوئی۔ کیا کیفیت استغراق میں یہ امور پیش آتے ہیں؟ یا پھر ارواح کی تشریف آوری ہوتی ہے اور وہ دنیا ہی الگ ہے؟ اور یا پھر اسی جہاں میں سالک بھائی ہوش و حواس ارواح سے

ملاقات کرتا ہے؟ کبھی ہاتھ بھی جاسکتی ہیں۔ یہ تینوں امور درست ہیں۔ عقلاً کچھ بھی مستبعد نہیں۔ ایسے امور کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

علامہ اقبال مرحوم پر اپنی زندگی کے آخری دور میں گریہ وزاری، گہری سوچ اور فکر عمیق کا غلبہ ہو گیا تھا۔ ایک مرتبہ ان کے دیرینہ خادم علی بخش ان کے کمرے میں داخل ہوئے تو فرمایا علی بخش میرے پاس مرزا غالب بیٹھے ہوئے تھے، ابھی ابھی اٹھ کر گئے ہیں۔ جلدی جاؤ اور انھیں واپس بلا لاؤ۔ علی بخش بے چارہ سادہ لوح خادم ان علوم و اسرار سے ناواقف، فوراً گھر سے باہر بھاگا۔ مرزا غالب کو تلاش کرتا رہا اور واپس پہنچ کر عرض کیا کہ مرزا غالب تو کہیں نہیں ملے۔ علامہ مرحوم کو بہت اصرار رہا اور فرمایا کہ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ وہ ابھی تو اس کرسی پر بیٹھے تھے، دیر تک مجھ سے ہاتھ کرتے رہے، تمہیں گلی میں کیسے نہیں ملے؟

انتقال سے بالکل کچھ ہی دن پہلے کا واقعہ بھی ایسے ہی ہے۔ علی بخش ان کے کمرے میں داخل ہوئے تو فرمایا باہر گلی سے مولانا روم (رحمۃ اللہ علیہ) کو بلا لاؤ۔ وہ ابھی اس دروازے سے نکلے ہیں، انھیں واپس بلاؤ۔

بے چارہ علی بخش اس دنیا سے نا آشنا فوراً گھر سے باہر لپکا اور واپس آ کر اطلاع دی کہ مولانا روم نام کا کوئی آدمی اسے نہ ملانہ نظر آیا۔

سو یہ کیفیات پیش آتی رہتی ہیں حتیٰ کہ اہل السنۃ والجماعہ تو اس بات کے اس حد تک قائل ہیں کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کی روح مبارکہ بھی کبھی کبھی متہمد ہو کر اس عالم رنگ و بو میں تشریف لاتی ہے لیکن یہ معاملہ بہت نازک ہے۔ اگر کسی کو واقعی پیش

آئے تو اپنے مشائخ اور مربی سے عرض کرے اور ذرا مبالغہ نہ کرے اور جن لوگوں کو یہ کیفیت پیش نہیں آئی اور انہوں نے دوسروں کو پڑھ کر یا سن کر یا کسی کی دیکھا دیکھی جھوٹ بولا، انہیں اس دنیا میں ہی سخت ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔ آخرت کا عذاب تو اس سے ماسوا ہے۔ اَعَاذُنا اللہ منها۔

احسان فراموش ملتوں کے قتلِ رہنما

فرمایا علی برادران (محمد علی جوہر اور شوکت علی) کی ایک نہایت نادر تصویر جس میں وہ اپنی والدہ ماجدہ کے گھٹنوں پر اپنے بازو رکھ کر تشریف فرما ہیں، اپنے کتب خانے کی ایک کتاب "عقلمت رفتہ" کی زیب و زینت ہے۔ بی اماں نے جس طرح کراچی سے نکلتے تھیں اور ان کے دونوں صاحبزادوں محمد علی جوہر اور شوکت علی نے پورے برصغیر میں آزادی حاصل کرنے کی تحریک برپا کی تھی، ان سب کی خدمتوں کا سلسلہ تو بس اب انہیں وہیں ملا ہوگا جو حقیقی صلہ و ستائش کی بارگاہ ہے۔ ہم، ان کے بعد آنے والی نسلیں اس عظیم ماں اور اس کے بیٹوں کو کیا پیش کر سکتے ہیں، سوائے اس کے کہ ہم ہاتھ اٹھائیں اور منہم حقیقی سے دعا مانگیں کہ اللہ تعالیٰ ان قائدین حریت کو وہ بہتر سے بہتر جزائے خیر دے جو وہ مردہ قوموں کے زندہ قائدین کو دیتا ہے اور احسان فراموش ملتوں کے قتلِ رہنماؤں کو عطا فرماتا ہے۔ راہِ مولیٰ کے اسیر ہوئے اور طبلِ غلج پر ان کے دم سے چوٹ پڑی۔

دونوں بھائی ایک ہی جیل میں انگریزوں کی قید میں تھے اور بی اماں نے حکومت کو

درخواست دی کہ اپنے بیٹوں سے ملنا چاہتی ہیں۔ حکومتِ وقت نے اجازت دی تو یہ کہ چھوٹے بیٹے محمد علی سے ملنے کی اجازت ہے اور بڑے بیٹے شوکت علی چونکہ جیل میں بھی "قابل اعتراض کاموں میں ملوث" ہیں اس لیے ان سے ملاقات نہیں ہوگی۔ محمد علی نے والدہ ماجدہ کی خدمت میں خط لکھا کہ میری جنت یا تو تمہاروں کی چھڑاؤں میں ہے اور یا پھر آپ کے قدموں کے نیچے۔ مجھے یہ بات تو گوارا ہے کہ آپ کی زیارت کے بغیر دنیا سے رخصت ہو جاؤں لیکن یہ بات قابل قبول نہیں کہ میں تو آپ کے دیدار سے سعادت مند و زہوں اور شوکت کی آنکھیں اس نظارے کو ترسیں۔

مقدمہ کراچی میں ان کے خلاف گواہی دینے کے لیے جو صاحب پیش ہوئے ان کا نام لخت حسین تھا۔ محمد علی اتنے ذہین تھے کہ جب گواہی شروع ہوئی تو برجستہ گواہ کے خلاف شعر پڑھا:

محمد کا دشمن علی کا عدو نہ کہہ لخت حسین اپنے کو تو
تحریک خلافت کے بعد ان کا مؤقف یہ تھا کہ مسلمان اب اسمبلی کے انکیشن میں حصر نہ
لیں لیکن سنی اس طبقے کی گئی جو اسمبلیوں میں بھی جا پہنچے، محمد علی جو ہر اسمبلی کا تماشا دیکھنے
ایک مرتبہ اسمبلی کی گیلری میں جا کر بیٹھ گئے۔ پنڈت شام لال نہرو رکن اسمبلی نے
انہیں دیکھا تو نیچے اسمبلی ہال سے آواز دی کہ مولانا جب آپ یہاں تک تعریف لے ہی
آئے ہیں تو نیچے بھی آ جائیے۔ مولانا نے برجستہ جواب ارشاد فرمایا:

I have come here to look down upon you .

(میں اس بلندی سے آپ کی پستی دیکھنے آیا ہوں) اور اراکین اسمبلی کا تو تو لہو نہیں۔



وَمِنْ آيِهِ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاٰخِثًا
 اَلَيْسَ بِكَ لَآئِيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ.
 (پ: ۲۱، سورۃ روم، آیت: ۲۴)

اور اس (اللہ تعالیٰ کے ہونے) کے دلائل میں سے، آسمانوں اور
 زمین کی تخلیق اور تمہاری بولیوں اور رنگوں کا تنوع بھی ہے۔ بے شک
 اس (تخلیق و اختلاف) میں بھی، اصحاب علم و دانش کے لیے،
 (ہمارے وجود کے) گونا گوں دلائل ہیں۔

شاد عظیم آبادی اور مولانا تنہا عبادی کے اشعار۔

فرمایا

شاد عظیم آبادی کی ایک غزل کا مطلع ہے

ۛ ڈھونڈو گئے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

تعبیر ہے جس کی حسرت و غم اے ہم فسو وہ خواب ہیں ہم

مولانا تنہا عبادی نے اس پر اعتراض کیا کہ شہر شہر پھرے اور گھر گھر گھومے تو محاورہ ہے

ملکوں ملکوں ڈھونڈنا کوئی فصیح محاورہ نہیں۔ اور پھر اس مطلع کی اصلاح کرتے ہوئے کہا:

ۛ کیا ڈھونڈو رہے ہو رو رہ کر ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

تم دیکھ کے جس کو پھول گئے اے اہل وفادہ خواب ہیں ہم

اسی غزل کے مطلع کو حضرت شاد عظیم آبادی نے کہا

ۛ مرغان قفس کو پھولوں نے اے شاد یہ کہلا بھیجا ہے

آتا ہے اگر تو آ جاؤ ایسے میں ابھی شاداب ہیں ہم

تو مولانا تنہا عبادی کو پھر اعتراض ہوا فرمانے لگے کہ کاش حضرت شاد یہ مطلع نہ کہتے

اور پھر اس غزل کے دو مطلع لکھے۔

① اور اہل قفس کو جلانے کو پھولوں نے یہ کہلا بھیجا ہے

آتا ہے اگر تو آ جاؤ ایسے میں ابھی شاداب ہیں ہم

② سنتے ہو تنہا پھولوں نے کیا شور عنوان سن کے کہا

ان کی تو ہے چاہت دودن کی جب تک کہ ذرا شاداب ہیں ہم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نصیر حسین کی تعلیٰ اور مولانا عبادی کا جواب۔

فرمایا ہندوستان کے صوبہ بہار کی راج دھانی پٹنہ میں حضرت شاہ ارزاں رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں ایک مشاعرہ ہوا تو حضرت شائق مرحوم کے صاحبزادے نصیر حسین مرحوم نے بطور تعلیٰ اپنے استاد حضرت شاد عظیم آبادی کا یہ مطلع پڑھا:

۔ جب اہل ہوش کہتے ہیں افسانہ آپ کا

سنتا ہے اور ہنتا ہے دیوانہ آپ کا

اور پھر چیلنج بھی دے دیا کہ اس قافیہ وردیف اور وزن پر کوئی صاحب ایک مطلع بھی ہمارے استاد جیسا کہہ دیں تو میں جانوں۔

مولانا قسما عبادی اٹھے اور بڑبڑتے کہا، حضرت تیاں بھولاری رحمۃ اللہ علیہ کا مطلع ہے:

۔ ہوش والوں سے جو سنتا ہے فسانہ تیرا

بیضا منہ پھیر کے ہنتا ہے دیوانہ تیرا

اب نصیر حسین مرحوم نے اصرار کیا کہ مولانا قسما عبادی اپنا کوئی مطلع کہہ کر دکھائیں تو، کچھ توقف کے بعد مولانا نے اپنی غزل کا مطلع کہا:

۔ بے سمجھے کیا کہے کوئی افسانہ آپ کا

خاموش کچھ سمجھ کے ہے دیوانہ آپ کا

حقائق اپنا سے منہ لے کر رہ گئے۔

اس غزل کے ایک اور شعر کے کیا کہنے۔ فرمایا:

~ دے مارا اس نے شیعہ دل کو زمین پر
کہتے ہوئے کہ ”جانیے! میرا نہ آپ کا“

آتے نہیں جن کو اور دھندے ساقی۔

فرمایا

لال قلعہ دہلی میں دیوان خاص کو خاص طور پر سجا یا گیا اور وزیراعظم ہندوستان
چنڈت جواہر لال نہرو تشریف لائے۔ کنور مہیند سنگھ بیدی سحر نے ایک نیم سیاسی اور
ادبی تقریب کا انعقاد کیا تھا۔ وہ خود بھی ایک سرکاری اعلیٰ عہدے پر فائز تھے اور اتفاق
یہ ہوا کہ وزیراعظم ان دنوں نشہ بندی کی مہم میں بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔
حکومت کی پالیسی تھی کہ ہندوستان میں نشے کو کنٹرول کیا جائے اور طرفہ تماشہ یہ کہ
پاکستان کیا بلکہ دنیائے ادب کے بادشاہ جناب جوش ملیح آبادی بھی اس تقریب میں
مدعو تھے۔ سحر اور جوش کا پُرانا یا رانا اور دونوں کو کچے گھڑے کی چڑھی رہتی تھی۔ سورج
دوب چکا تھا اور حضرت جوش ملیح آبادی نشے کی دنیا میں طلوع ہو رہے تھے۔ انھیں اس
بات پر بھی حلق تھا کہ وزیراعظم نشہ بندی پر اتنا زور کیوں دے رہے ہیں، چنانچہ انہوں
نے اپنے مذہب (اگر کوئی تھا)، آداب محفل اور ادنیٰ و اعلیٰ کی تمیز رکھے بغیر چند
رہائیات بنا دیں۔

~ آتے نہیں جن کو اور دھندے ساقی
ادبام کے وہ پختے ہیں پھندے ساقی

۔ جس مے کو چھڑا سکا نہ اللہ اب تک
 اس مے کو چھڑا رہے ہیں بندے ساقی
 ایک اور باقی پڑھ دی جس میں وزیر اعظم کو ”بوٹا“ کہہ دیا
 ۔ غم کو توڑیں گے یہ کھلونے دیکھو
 چہرے جیسے پھٹے پھوٹے دیکھو
 جس کوہ سے گر چکے ہیں لڑکا والے
 اس کوہ پر چڑھ رہے ہیں یہ بونے دیکھو

کنور مہمند رنگھ بیدی سرکاری حال کہ کاٹو تو لہو نہیں۔ یہ سرکاری افسر اور وہ وزیر اعظم،
 بھری تقریب میں وزیر اعظم کی کرکری۔ جوش صاحب تو اٹھ کر چلے گئے اور صبح جب
 نشہ کا فور ہوا تو یہ بھی بہت چھٹاتے اور سر کو ساتھ لے کر بغرض معافی وزیر اعظم کی کوٹھی
 پر حاضر ہوئے۔ باریابی کی اجازت ہوئی تو یہ دونوں کھڑے رہے اور پنڈت جی بہت
 دیر تک سرکاری کاغذات دیکھنے میں مصروف رہے، پھر چڑا اسی کو کہنے لگے جاؤ اور
 وپے لکھی اور اندر آ کو بلاؤ۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو جوش اور سر کو کہا بیٹھ جائیے
 اور ذرا اطمینان سے وہی ربا میات سنائیے جو آپ نے کل شام مجھے سنائی تھیں۔ اب
 حضرت جوش کھیانے اور کئی کتزار ہے ہیں اور پنڈت جی اصرار کیے جا رہے ہیں۔
 آخر انھیں وہ ربا میات سنائی پڑیں۔ پنڈت جی بہت فتنے اور بار بار داد دیتے رہے،
 پھر کہنے لگے جوش صاحب میں بھی آپ ہی کا ہم خیال ہوں لیکن چونکہ حکومت ہند
 نشہ بندی کے حق میں ہے اس لیے اعلانیہ وہی کچھ کہنا پڑتا ہے جو سرکاری رائے ہے۔

وہ شاعر جن کا مونہ سات مرتبہ موتیوں اور جواہرات
سے بھرا گیا۔

فرمایا حاجی محمد جان قدسی مشہد مقدس میں رہتے تھے۔ حضرت صاحب قران شاہ جہان بادشاہ کی سخاوت کا چرچا ہوا تو قسمت آزمانے ہندوستان آئے۔ اس قدر قادر الکلام شاعر تھے کہ ہر جہت قصیدہ کہتے تھے۔ شاہ جہان بادشاہ کے تخت سنبھالنے کی پانچویں سالگرہ جب منعقد ہوئی تو انھوں نے ایک قصیدہ کہا اور ایسا قصیدہ تھا کہ شاہ جہان سن کر پھر زک اٹھے اور انعام دینے کے لیے حکم صادر ہوا کہ قدسی کا منہ جواہرات سے بھر دیا جائے۔ یہ ایسا شاعر تھا کہ کہتے ہیں اس کا مونہ مختلف مواقع پر سات مرتبہ موتیوں اور جواہرات سے بھرا گیا تھا۔

میر انیس کی وفات اور یوسف مرزا کا قطعہ تاریخ وفات۔

فرمایا میر انیس مرحوم نے وفات سے پہلے آخری شعر جو کہا، وہ یہ فرمایا:

سب عزیز و آشنا نا آشنا ہو جائیں گے

قبر میں پیوند جتنے ہیں، جدا ہو جائیں گے

اس کے بعد بیماری اور بڑھی یہاں تک کہ ۱۰ دسمبر ۱۸۷۷ء کو انتقال ہوا۔ وفات سے پہلے ایک آنکھیں کھولیں، مسکرائے اور جان، جان آفریں کے حوالے کی۔
یوسف مرزا نے قطعہ تاریخ وفات بھی اسی مناسبت سے کہا:

ۛ وا کرد چشم چوں پے دیدار مرتضیٰ
خندید مثل غنچے و کارش تمام شد
(قبل از وفات انہوں نے امیر المومنین موئی علی رضی اللہ عنہ کے دیدار کے لیے آنکھیں
واکیں، زیارت ہوئی تو ہنس پڑے اور جاں سے گذر گئے۔)
اہل تشیع میں سے بہت سوں کا یہ عقیدہ ہے کہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چاہنے والوں کو
وفات سے پہلے عالم نزع میں، ان کی زیارت کرائی جاتی ہے۔ یسٹ مرزا ناصر نے اس
شعر میں اسی عقیدے کو سوا یا ہے۔

خوبہ میر درد اور لوگوں کی مدح و قدح

فرمایا ۛ لوگ مدح و قدح کرتے ہیں تو بے اختیار حضرت خوبہ میر درد دہلوی رضی اللہ عنہ کا
شعر یاد آتا ہے

ۛ یاراں ز مہربانی داند، ہر چہ داند
ما خوب می شناسم، اے درد، آنچہ مانیم
حقیقت یہ ہے کہ انسان پر خود اپنی حقیقت کھل جائے تو عمر بھر کسی لفظ جنہی و خوش جنہی کا
شکار نہ ہو۔

اتش کا صحیح تلفظ

فرمایا ۛ برصغیر کے مسلمان حکمرانوں میں سے جن کے نام کے ساتھ آنے والا لفظ

لوگ "الشمس" پڑھتے ہیں یہ لفظ درحقیقت "الشمس" (ان ٹٹ م ش) ہے اور یہ ایسے ہی پڑھا جائے گا۔

شمسی فیض الدین دہلوی کی کتاب "بزم آخر"

فرمایا

اردو کا محاورہ "مردوں کی تبارک" یا "رجب میں خیرات" سے کیا مراد ہوتی ہے؟ ان باتوں کو سمجھنے کے لیے شمسی فیض الدین دہلوی مرحوم کی کتاب "بزم آخر" کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ سڑھویں، مدار صاحب کا مہینہ، یا مدار صاحب کی چھڑیاں، سلونو، دسہرہ، دوالی، ہولی، خولید صاحب کی چھڑیاں، ان تمام رسومات کی اصلیت بھی اس کتاب سے واضح ہوتی ہے۔

بمعصر شعر اور توارو ڈانی

فرمایا

حضرت علامہ اقبال مرحوم کی شاعری پر بھی تنقید کی گئی ہے اور اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں کہ انھوں نے اپنے مختلف اشعار کا مضمون کس شاعر کے کس شعر سے حاصل کیا ہے۔ حکیم سنا کی مرحوم سے خیال اور مضمون لینے کی بہت مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ اس بات کو سمجھنا ہو تو اس مثال سے سمجھا جاسکتا ہے کہ حضرت مومن اور مرزا اسد اللہ خان غالب دونوں ہم عصر ہیں۔ حضرت مومن کا شعر ہے:

کھل تم جو بزم غیر میں آنکھیں چرا گئے
کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ٹھیک یہی مضمون حضرت غالب نے ایسے باندھا ہے:

~ گرچہ ہے طرزِ تخیل پر وہ وارِ رازِ عشق

پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے

مضمون اور نفسِ مطلب دونوں شعراء کا ایک ہی ہے اور دونوں ہم عصر ہیں تو کیا یہ
تو اردو دہائی ہے یا ان میں سے کسی ایک نے فریقِ ثانی کا مضمون لے کر باندھ دیا ہے؟

شاعری میں مبالغہ اور حالی کی مثال۔

فرمایا

شاعری کے معاملے میں اہلِ بلاغت اس شعر کی تعریف کرتے ہیں جس میں
مبالغہ پایا جائے، لیکن یہ ضروری ہے کہ بس اتنا مبالغہ کیا جائے کہ سننے والے کے دل پر
اثر انداز ہو، اتنا مبالغہ کہ صاف جھوٹ نظر آنے لگے، بے کار کی بات ہے۔
علامہ الطاف حسین حالی نے اس کی ایک بہت اچھی مثال دی ہے کہ کسی بازار کی
ریل بیل دیکھ کر شاعر نے کہا

~ رات دن ہنکھٹا ہے، میلہ ہے

مہر و ماہ کا کٹورا بچتا ہے

کیا لغو شعر کہا ہے۔ ہاں اگر فقرہ یوں ہوتا:

”وہاں تو صبح سے شام تک کٹورا بچتا ہے“

تو یہ مناسب تھا۔

بکراشا عراور بکرا گوہ۔

فرمایا کسی دور میں ہندوستان میں یہ جملہ بہت مشہور تھا کہ بکراشا عرا مرثیہ گو اور بکرا گو یہ مرثیہ خواں۔

ارو و محاورات اور غالب۔

اردو کے محاورات غالب اس مہارت اور خوبصورتی سے استعمال کرتے ہیں کہ محاورہ صین فطرت معلوم ہوتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

~ رونے سے اور عشق میں بے پاک ہو گئے
دھوئے گئے ہم ایسے کہ بس پاک ہو گئے

دھویا جانا کا مطلب ہے بے حیا ہو جانا اور پاک ہونا، عہد شکنی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، تو مطلب یہ ہوا کہ پہلے ہمارا عشق مستور تھا جب سب کے سامنے رو دیے تو راز فاش ہو گیا اور اب ہم اسے بے حیا ہوئے کہ عہدے ہو گئے۔

نفس زندگی اور انفاس حیات کی قضا۔

فرمایا نفس زندگی کی اور انفاس حیات کی قضا؟ حافظ شیرازی مرحوم و مغفور فرماتے ہیں
~ وقت عزیز رفت، بیا، تا قضا کنیم
عمرے کہ بے حضور صراحی و جام رفت

میرے محبوب زندگی رخصت ہوئی تم آؤ تاکہ جو عمر بغیر صراحی و جام کے گزری ہے، تمہاری صحبت میں رہ کر ہم اس کی قضا ادا کریں۔

ظا مسجد کے زیر سایہ اک گھر بنا لیا ہے

فرمایا: مرزا غالب اصلاً دہلوی نہ تھے۔ ان کے خیال کی، متعدد دیہات اور آگرہ شہر میں بہت بڑی جائیداد تھی۔ یہ بھی وہیں پلے پڑے اور دہلی میں تقریباً عمر کے آخری پچاس برس صرف کیے۔ اپنا مکان کہاں سے خریدتے۔ کرایے کے گھر میں رہے۔ یہاں کالے خان نے اپنا مکان ملت دے رکھا تھا، اس میں زندگی کا ایک حصہ گذرا۔ وہاں سے اٹھے تو دوسرے مکان میں جا بیٹے۔ آخری مکان حکیم محمود خان کے دیوان خانے کے برابر میں مسجد کے چپے تھا، وہاں رہے اور اس شعر کا شان ورو بھی یہی ہے کہ فرمایا:

مسجد کے زیر سایہ اک گھر بنا لیا ہے

یہ بندہ کمینہ ہمسایہ خدا ہے

ان کے گھر کے سامنے بچے، بالوں، نامیہ اور معذور افراد بچے رہتے تھے اور ان کے پاس جب دعوت ہوتی تو انہی کا بندوبست کرتے رہتے تھے، پھر اپنا مکان کیسے بنایا؟

چکنی ڈلی اور غالب

فرمایا: مرزا غالب کے ہاں فیضی کی تعریف ہوئی تو انھوں نے فرمایا ”فیضی کو لوگ جتنا کچھ کہتے ہیں، وہ اسے ہیں نہیں“۔ مخاطب نے پھر فیضی ہی کی کہی اور بتایا کہ جب وہ پہلی

معاشے میں ہمارا شیراز ہے) حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کا فتاوٰی عالمگیری مرتب کرانا اسے خود سننا اور بعض مسائل میں جو سامع ہوا تھا اس پر گرفت کرنا، یہ تمام شواہد اس حقیقت کو آشکار کرتے ہیں کہ اس معاشرے کے گلی کوپے علم کا گہوارہ تھے اور معاشی ترقی تو ایسی تھی کہ عام عوام کی شادیوں میں بھی ہیرے، جواہرات اور موتیوں کا تاجدار ہوتا تھا۔ ان دونوں حوالے نے مل کر ایک ایسا طبقہ جنم دیا جو تعلیم سے آراستہ اور تہذیب سے ہی راستہ تھا۔ تعلیم یافتہ، آئین معاشرت سے آشناء، ادب تمدن سے بہرہ ور خواتین اچھریں۔ ان کا نام طوائف نہیں تھا۔ طوائف بمعنی جسم فروش تو مغلیہ دور تنزل کا طبقہ ہے مگر نہ وہ اصل طبقہ جو اس نام سے موسوم تھا، اصحاب علم و کمال ان سے وابستگی کے اعتبار کو موجب فخر جانتے تھے اور اپنی اولادوں کو تربیت کے لیے ان کے ذریعوں پر بھیجتے تھے۔ ان خواتین کی بود و باش اتنی معیاری تھی کہ ان کی محفل میں بے ادبی پر لوگ باہر نکال دیے جاتے تھے۔ درحقیقت یہ وہ خواتین تھیں جو مختلف معاشرتی اسباب کی بنا پر رشتہ ازدواج سے منسلک نہ ہو سکیں، گذران حیات کے لیے کسی بھی کمزور پیشے سے وابستگی کی بجائے فنون لطیفہ کی گورہیکتا بنیں۔ فنون لطیفہ سے متعلق حضرات ان خواتین کے استاد بھی تھے اور شاگرد بھی۔

حکیم مومن خان مومن، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد، حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مرید باصفاء اور دہلی کے مسلم شریف شعراء میں شمار لیکن ہمیشہ ”صاحب جی“ جو دہلی کی مشہور اور نامور طوائف تھیں، ہمیشہ ان سے تعلق رہا لیکن یہ تعلق ان کی شرافت اور وقار کے منافی نہیں تھا۔ حضرت مومن جی کی صحبت میں رہ کر ”صاحب جی“ کی شاعری میں نکھار آیا اور وہ برابر انھیں صلاح دیتے رہے۔ لہذا الفاظہ بیگمان کا اصل نام تھا

شاعری کا رنگ یہ تھا:

۔ رقبوں کا جتنا کہاں دیکھتا تو سماں یہ میرے گھر میں آیا تو دیکھا

○ ○ ○

۔ کھولے میں اس نے بیڑ بن پونفی کے بند تہہ کر رکھے، نیم سے کہہ دو، قبائے گل کہا جاتا ہے کہ نسیم مومن خان مومن نے اپنی ایک مثنوی انہی کے لیے تصنیف کی تھی۔

نواب مصطفیٰ خان شیفتہ، جن کے خود غالب، دماغ اور یک قالب دو جان تھے، ان کا تعلق ”نزاکت“ سے تھا۔ نواب صاحب کے دامن پر کوئی داغ نہیں بلکہ ان کی صحبت کی وجہ سے نزاکت کی شاعری میں جلایا ہوئی۔ تمام دہلی ان تعلقات کو جانتی تھی اور شرفاء کی محفلیں بھی ان خواتین کے ہاں لگتی تھیں لیکن کیا محال ہے کہ کوئی غیر معیاری فعل تو کیا، لفظ زبان پر آئے۔ اس نزاکت کو ”رہجو“ کے عرف سے یاد کیا جاتا تھا۔ شادی کی تاریخ مقرر ہوئی اور مین جس دن ہارات نے آتا تھا، چاک انشال ہو گیا۔

دہلی، حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر بغرض فاتحہ حاضری ہوئی تو یہ تو کتابوں میں پڑھ رکھا تھا کہ ”رہجو“ کی تدفین حضرت سلطان جی رحمۃ اللہ علیہ کے احاطے میں ہوئی تھی، اس لیے دریافت کرنے پر ایک صاحب نے نشاندہی کی کہ ان کی تدفین یہاں ہوئی تھی۔ ان کے چند ایک اشعار یہ ہیں۔

بس کہ رہتا ہے یار آنکھوں میں ہے نظر بے قرار آنکھوں میں
محل گل رضاں میں وہ عیار لے گیا دل ہزار آنکھوں میں
سرمہ خاک پا عنایت ہو آگیا ہے غبار آنکھوں میں

۔ کیا کیا عذاب اٹھائے ہیں اندوہ عشق کے
جز نام اب تو کچھ بھی نزاکت نہیں رہی

○ ○ ○

۔ کیوں نہ میں قربان ہوں، جب وہ کہے ناز سے
ہم کو جفا کا ہے شوق، اہل وفا کون ہے؟

یہ معیاری شاعری اور طوائف — یہ تو جتنا تنزل تعلیم اور معیشت کے میدان میں آیا ہے، طوائف کا معیار اتنا ہی گرا ہے۔ پیٹ کی وہ مار پڑی کہ یہ ادارہ تباہ ہو کر رہ گیا۔ فنون لطیفہ کی جان، علم اور پیٹ بھراؤ ہے اور پیٹ کے دکھیا فنون لطیفہ میں بہت کم ابھر سکے۔ ڈرگا پر شاد نے ایک کتاب لکھی تھی ”چمن انداز“ اس میں اسی (80) سے زیادہ طوائفوں کا کلام اس نے نقل کیا تھا، اسے پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس کلام کو کہنے والیاں اس وقت کے معاشرے میں کیا مقام رکھتی تھیں۔

بوملی سینا اور جان اسٹوارٹ مل۔

فرمایا (آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس دہلی All India Mohammadn Educational Conference Delhi) کی جانب سے ۱۹۱۱ء میں علامہ اقبال مرحوم کو دعوت دی گئی کہ آپ نے اپنی شاعری کے ذریعے ملک و ملت کی جو خدمت کی ہے، اس کے اعتراف کے لیے ایک خاص اجلاس منعقد کیا جا رہا ہے اور

اس کی صدارت آپ کو ہی کرتا ہے۔ علامہ مرحوم دہلی تشریف لے گئے اور جو تقریر انہوں نے کی اور جس پر ایوان میں زور وارتالیاں بھانکی گئیں اور ہر طرف سے نعرہ ہائے تحسین، بلند ہوئے، اس کا ایک اقتباس یہ تھا کہ انہوں نے فرمایا کہ ”ہیکن ڈی کارٹ“ اور ”مل“ یورپ کے عظیم ترین فلاسفر مانے گئے ہیں اور ان کے فلسفے کی بنیاد تجربہ اور مشاہدہ پر ہے لیکن ان دونوں کی حالت یہ ہے کہ ڈی کارٹ کا طریقہ کار (Mathed) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”احیاء العلوم“ میں موجود ہے اور دونوں کے طریقے اس قدر ملتے جلتے ہیں کہ اگر ڈی کارٹ عربی جانتا ہوتا تو لوگ ضرور یہ کہتے کہ اس نے یہ طریقہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے چوری کر کے اپنے نام سے مشہور کر دیا ہے اور جان استوارٹ مل نے منطق کی شکل اول پر اعتراض کیا ہے، وہی اعتراض امام فخر الدین رازی اس سے کہیں پہلے کر چکے تھے۔ اور جان استوارٹ مل جو فلسفہ بیان کرتا ہے اس کے تمام بنیادی اصول یوٹیلیٹی کی کتاب ”شفاء“ میں موجود ہیں۔ حضرت علامہ مرحوم کی تقریر کا یہ معیار تھا اور لوگ سن کر خوب چبک رہے تھے اور اب ایک صدی کے بعد عالم یہ ہے کہ شہروں کے شہر خالی ہیں اور علامہ اقبال مرحوم کے ان چار جملوں کو سمجھنے والا کوئی نہیں رہا۔ اس علمی انحطاط کے باوجود لوگ یہ آس لگائے بیٹھے ہیں کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ ہوگی۔

منطق و فلسفہ پڑھنے پڑھانے والے مولوی صاحبان اب نہیں رہے۔ مدارس کا نظام تعلیم ان جاہلوں کے ہاتھ میں ہے جنہیں خود فلسفے اور منطق سے قطعاً مناسبت نہیں اور نہ انہوں نے پڑھا ہے۔ معلوم نہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب التوحید کیسے پڑھاتے ہیں۔ کالجوں

اور یونیورسٹیوں کا توڑ کر ہی کیا شاید ملک بھر کے نصاب تعلیم میں ڈی کارٹ اورٹ کا فلسفہ تفصیلی طور سے نہیں پڑھایا جاتا۔

علامہ اقبال کی معاشی پریشانیاں۔

فرمایا برصغیر کے مسلمانوں کی ناقدری بھی ملاحظہ ہو۔ لاکھوں پتی تھے، نواب تھے ریاستوں کے مالک تھے، اپنی اولاد و اقرباء کی شادیوں پر ہزاروں کا خرچہ اُٹھاتے تھے، ناچ گانے کی محفلوں میں ہر کردار خواتین پر ہزاروں روپے لٹاتے تھے، مقدمے لڑنے کا شوق اور دکھاؤ کو بھرتے رہتے تھے اور علامہ اقبال جیسے تہذیب روزگار ہمیشہ مالی تنگی اور معاشی پریشانیوں کا شکار رہے۔ جس شخص کو امت کے ختم نے کھوکھلا کر دیا تھا اور شام و سحر آہ و گریہ میں گزرتے تھے، اس ہستی کا حال یہ تھا کہ اپنی اہلیہ کی بیماری میں علاج نہ کرا سکے۔

۱۹۳۵ء میں یعنی ان کی اپنی وفات سے صرف تین سال پہلے، اہلیہ محترمہ کی بیماری نے طول پکڑا اور علامہ مرحوم چاہتے تھے کہ حضرت حکیم ناوینا مرحوم دہلی سے صرف ایک دن کے لیے لاہور تشریف لا کر خاتونِ خانہ کی امراض جانچ لیں، تو اپنے ہدمِ دیرینہ جنابِ نذر پر نیازی مرحوم کو خط لکھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مجھے معلوم نہیں حضرت حکیم ناوینا صاحب کی فیس کیا ہے؟ اور اگر وہ کم فیس پر راضی ہوں تو ان کا شکر گزار ہوں گا۔ ایک برس سے میں بے کار ہوں اور خود بھی بیمار ہوں کوئی کام نہیں کر سکا اور آمدنی کا کوئی ذریعہ بھی نہیں۔ اگر حضرت حکیم صاحب رات کو دہلی سے سوار ہو کر صبح لاہور پہنچیں اور اہلیہ

کے لیے کچھ اور یہ کا تعین کر دیں اور پھر اسی دن شام کو دہلی واپسی ہو جائے تو اس سفر کا بار اٹھانے کو تیار ہوں۔ یہ خلاصہ ہے اس خط کا جو علامہ مرحوم نے تحریر فرمایا تھا۔ برصغیر کے کسی سرمایہ دار، نواب اور جاگیردار کو توفیق نہ ہوئی کہ اس مردِ قلندر کو فکرِ معاش سے آزاد کر دیتا۔ یورپ جاگ رہا تھا اور امتِ مسلمہ گہری نیند سو رہی تھی۔

علم اور معرفت میں فرق

فرمایا عربی زبان میں جس کو علم کہتے ہیں، فارسی میں اس کا ترجمہ ہے ”دانش“ یعنی جاننا اور یہی علم جب صوفی کا حال بن جائے تو عربی میں اسے کہتے ہیں ”معرفت“ فارسی میں ترجمہ ہوا ”شناختن“ یعنی جاننا۔ اس لیے صوفی کے پاس اگر علم ہی نہ ہوگا تو وہ معرفت کہاں سے پائے گا پھر علم اور معرفت میں اتنا ہی فرق ہے، جتنا کہ ”جاننے“ اور ”پہچاننے“ میں۔ بچے باپ کو جب تک ”جاننا“ ہے، جب تک نہ اس کے حقوق سے آشنا ہوتا ہے اور نہ اپنے فرائض سے لیکن وہ اسے ”پہچاننے“ لگتا ہے تو پھر حقوق سے بڑھ کر غلامی اختیار کر لیتا ہے اور قربِ فرائض سے بڑھ کر قربِ نوافل کی منزل کو چا چھوٹا ہے۔ یہ ہے فرقِ علم اور معرفت میں۔

میر بہادر علی حسینی کی ”تقلیات“

فرمایا حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے جیسے چھوٹی چھوٹی فصاحت اور عبرت آموز کہانیاں لکھیں اور بظاہر کہانی چھوٹی اور عالمِ اخلاقیات میں اس کے نتائج بہت بڑے اور عمدہ،

ایسے ہی حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی بھی ہے اور ایسے ہی اردو میں تعلّیات (Tales) کے نام سے جو کتابیں تالیف ہوئیں بہت عمدہ اور قابل مطالعہ ہیں۔ تعلّیات ہندی اور تعلّیات لقمائی اب کہاں چھپتی ہیں؟ شاید کہیں کوئی قدیم نسخہ کسی لائبریری میں موجود ہو البتہ ”میر بہادر علی حسینی“ کی ”تعلّیات“ اپنے ہاں کے ذخیرۂ کتب میں موجود بھی ہے اور اس کے مقدمے میں ”تعلّیات“ کے نسخہ پر اچھی بحث بھی موجود ہے۔

آپ انسانی زندگی پر اور لوگوں کے رویے پر غور کریں تو یہ حقیقت واضح ہوگی کہ بعض لوگ ایسی پست طبیعت کے ہوتے ہیں کہ انھیں اپنی موت سے زیادہ دوسروں کی زندگی سے نفرت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو انعامات ان پر کیے ہوتے ہیں، وہ ان کو محسوس کر کے اور دیکھ کر خوش ہوں اور شکر ادا کریں، یہ نہیں کرتے بلکہ انھیں حقیقی مسرت اس وقت نصیب ہوتی ہے، جب وہ دوسروں کو دکھ میں مبتلا دیکھیں۔ اب دیکھیے اس حقیقت کو میر بہادر حسینی مرحوم نے کہانی میں کیسے سویا ہے۔



کبڑے سے پوچھا کہو! کیا چاہتے ہو؟ تمہاری پیٹھ سب کی سی ہو جائے یا سب کی تمہاری سی، کہا ہاں! میں یہی چاہتا ہوں کیونکہ جن آنکھوں سے وہ مجھے دیکھتے ہیں ان سے میں انھیں دیکھوں۔
ایک اور حکایت سنئے لیکن اسے سمجھنے کو توجہ، علم اور باریکی چاہیے۔

نقل ۶۸

ایک آزاو نے جھشی سے سوال کیا "اوپے کونے کی صورت کچھ خدا کی راہ پر ہمیں دے۔" جھشی نے گالی دی۔ اس آزاو نے جواب دیا کہ چٹخا کیا ہے۔ اس لطیفے پر جھشی نے ایک روپیہ دیا۔ جب اس آزاو نے دعا دی۔ "لال رو" ایک اور حکایت سنئے کہ دنیا میں نیک اور بخیلہ لوگ کیسے زندگی گزارتے ہیں اور خُشدوں کی روش کیا ہوتی ہے؟

نقل ۶۹

کسی نے کتے سے پوچھا کہ تو رستے میں کیوں پڑا رہتا ہے؟ بولا کہ نیک و بد کے پہچاننے کے واسطے۔ اس نے کہا "تو کیوں کر معلوم کرتا ہے؟" بولا "جو بھلا ہے سو مجھے کچھ نہیں کہتا اور جو بُرا ہے سو شوکر مار جاتا ہے۔"

ظ ز من بجز تھیدن کنارہ می کردی

فریاد اس مرتبہ دہلی حاضری ہوئی تو مرزا اسد اللہ خان غالب مرحوم کے مرقد پر کچھ زیادہ دیر ہو گئی۔ بار بار ان کا یہ شعر ذہن میں گونجتا رہا۔

ظ ز من بجز تھیدن کنارہ می کردی

بیا بھاگ من و آرمیدم بگر

ترجمہ: میری محبت کی تپش کی وجہ سے تم نے مجھ سے مونہ پھیر لیا تھا۔ اب میرے حزار پر آؤ اور دیکھو کہ کیا چپ چاپ اور بے حس و حرکت ہو گیا ہوں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نگاہ و قلب میں جب تک سرور ہوتا ہے

فرمایا

حضرت جوش ملیح آبادی کا موڈ جب خوشگوار ہوتا تھا اور پھر مجلس جو جمعی تھی، بس وہ اس مجلس کے بادشاہ ہوتے تھے۔ بڑے بڑے جہادری، قادر الکلام شعر اور صلب اوتل کے ادباء کا زبان کھولتے ہوئے، زہرہ آب ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ اپنا تازہ کلام خود ہی حاضرین مجلس کو سنارہے تھے اور کیف کا یہ عالم تھا کہ خود ان پر بھی طاری تھا، ایک حکیم صاحب (جن کا اسم گرام یوحنا اب نہیں لے رہا) کو خدا معلوم کیا سوچھی کہ ایک دم سے بولے اے حضرت جوش میرا بھی ایک شعر سنئے اور اس غضب کا شعر کہا ہے کہ گویا آج آپ کی اسی مجلس کے لیے الہام ہوا ہے۔ جوش صاحب کو ناگوار تو گذرا لیکن ضبط کرتے ہوئے بولے جی ارشاد ہو۔ اے حضرت جوش سنئے۔ جی جی ارشاد ہو۔ عرض کیا ہے:

نگاہ و قلب میں جب تک سرور ہوتا ہے

بھئی دادوا۔ جوش صاحب ذرا ملاحظہ ہو

نگاہ و قلب میں جب تک سرور ہوتا ہے

پھر حکیم صاحب حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے۔ ہمارا مصرع ذرا ملاحظہ ہو، عرض کیا ہے:

نگاہ و قلب میں جب تک سرور ہوتا ہے

حاضرین نے داد دی۔ تو حکیم صاحب پھر بولے کہ یعنی آپ اندازہ لگائیے:

نگاہ و قلب میں جب تک سرور ہوتا ہے

اور پھر کئی مرتبہ اس مصرع کو دہراتے رہے۔ تمام حاضرین مجلس اس تکرار سے جب تنگ ہوئے تو یہ حکیم صاحب پھر فرمانے لگے کہ حضرت جوش! ہیں جی۔
 ۱۔ نگاہ و قلب میں جب تک سرور ہوتا ہے
 اب دوسرا مصرع پڑھ ہی نہیں رہے تو حضرت جوش بولے
 ۲۔ یہ بندہ والد عبدالغفور ہوتا ہے
 حکیم صاحب شرمندہ اور ساری محفل کھٹکے زعفران بن گئی۔

طا نہیں معلوم اب کے سال مے خانے پر کیا گذری

فرمایا

جناب انعام اللہ یقین شاعر خوب تھے۔ زیادہ شہرت نہیں پائی لیکن دیکھیے کیا اچھا شعر کہا ہے۔ ہر سال 25 دسمبر کے بعد جب لوگ نئے سال (New Year) کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف نظر آتے ہیں تو بار بار ذہن میں گونجتا ہے:
 ۱۔ نہیں معلوم اب کے سال مے خانے پر کیا گذری
 ہمارے توپہ کر لینے سے چٹانے پر کیا گذری

لیروں کی تعلیم میں دسترخوان بچھاؤ۔

فرمایا

حضرت مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ میں بہت سی خصوصیات جمع ہو گئی تھیں۔ شاعر بھی تھے اور صوفی بھی، خزانہ کثرت مزلی بھی تھی اور ولوی بھی تھے۔ ان تمام حقائق نے ایسے اعلیٰ اخلاق کا پیکر بنا دیا تھا کہ نادار شاہی غارت گری میں جب ان کے لیبرے بھی خانقاہ

میں داخل ہوتے تو ان کی تعظیم میں بھی دسترخوان بچتا۔ انہیں بھی کھانا کھلایا جاتا کہ گھر آئے کو کھانا کھانا مکرم اخلاق میں سے ہے۔

۔ دوستانہ را کجا کنی محرم تو کہ با دشمنان نظر داری
(دوستی جو اپنے دشمنوں پر بھی نظر کرم فرماتی ہے، اس کے دوست نظر شفقت سے کیسے محرم رہ سکتے ہیں۔)

خواجہ حیدر علی آتش اور وحدۃ الوجود

فرمایا

اردو ادب میں غزل کی روایت میں جو تنوع پایا جاتا ہے اس کے ایک مظہر خواجہ حیدر علی آتش بھی ہیں۔ کوئی مستقل ذریعہ معاش نہیں لیکن رکھ رکھاؤ ایسا کہ ہر وقت دروازے پر ایک گھوڑا بندھا رہتا تھا۔ بانگن یہ کہ قوی سب جواب دے گئے مگر کھوار باندھتے تھے۔ یورپ کا فرش اور جھلکے پر عمر گزار دی لیکن کیا مجال کہ نواہین کی طلب کے باوجود، ان کے در و دولت پر حاضری دیں۔ کیوتر بازی کے شوقین اور حد یہ کہ جس گھر میں قیام تھا اس کے در و دیوار میں بھی کیوتروں کے گھونسلے تھے، وہ آواز ذکر سر اور شانوں پر بیٹھتے تھے اور یہ خوش ہوتے تھے، کیا آزاد وضع تھی اور کیسی مہذب قلندری تھی۔ وحدۃ الوجود کو سمجھتے تھے اور اسے بیان بھی کیا ہے۔

۔ نگہور آدم خاکی سے یہ ہم کو یقین آیا
تماشا اجمن کا دیکھنے، خلوت نشین آیا

- خوشا وہ دل کہ ہے جس دل میں آرزو تیری
 خوشا دماغ جسے تازہ رکھے یو تیری
 - اس بلائے جاں سے آتش دیکھیے کیوں کر بنے
 دل سوا شیشے سے نازک، دل سے نازک خوئے دوست
 - نظر آتی ہیں ہر سو صورتیں ہی صورتیں مجھ کو
 کوئی آئینہ خانہ، کارخانہ ہے خدائی کا
 - بت خانے کھود ڈالے مسجد کو ڈھائیے
 دل کو نہ توڑے یہ خدا کا مقام ہے

شہنشاہِ ہمدانی مصطفیٰ کی شاعری۔

فرمایا

جب سے مشرقی علوم پر عالم نزع طاری ہوا ہے تب سے دل سے زیادہ دماغ کی
 باتوں نے جگہ پالی ہے۔ عربی میں تو پھر شعراء کے دواوین مل جاتے ہیں لیکن فارسی اور
 اردو کی کتابیں برصغیر میں ناپید ہوتی جا رہی ہیں۔ ایرانی انقلاب کے بعد جو تہذیبیاس واقع
 ہوئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انھوں نے اپنی فارسی شاعری اور ادب کے
 نوادرات تک چھاپنے شروع کر دیئے ہیں اور اب تو کوئی ماہ جاتا ہے کہ کئی کتاب بازار کی
 رونق بڑھانے کی اطلاع آتی ہے۔ البتہ اردو کا سرمایہ ماند پڑتا جا رہا ہے۔ اچھے اچھے
 شعراء کے دواوین اور ادبی تصنیفات جو کبھی ہر گھر کی زینت ہوتی تھیں، اب شہروں کے
 شہر خالی ہیں کہ نہیں ملتیں۔

شیخ غلام ہمدانی مصحفی امروہی کی کتابیں عقدر یا، خلاصۃ العروض اور مفید الشعراء کا نام اب کیونکر کسی نے سنا ہوگا۔ ان کا وجود مختار ہے۔ مصحفی منفر و شاعر تھے۔ انشاء اللہ خان انشاء کی چبکوں اور جرأت کی طراریوں کے باوجود ان کے مقابل اپنی حیثیت منوالین انہی کا کام تھا۔ لوگ تو انہیں محض شاعر سمجھتے ہیں حالانکہ معقولات و منقولات کے عالم تھے اور سب کچھ پڑھ رکھا تھا۔ صرف عربی زبان ہی میں سو (100) سے زائد نعتیہ قصیدے کہے تھے، فارسی اور اردو کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

کلام میں تھرکا ایسا رنگ چمکتا ہے کہ ناواقف تیز نہ کر پائے۔ دیکھیے فرماتے ہیں:

~ وہ دل روشن کہ تھا سارے زمانے کا چراغ
گور پر میری بنا ہے اب سربانے کا چراغ
کر کے صدقے رکھ دیا، دل یوں، میں، اس کی راہ میں
جیسے چوراہے میں رکھتے ہیں اتارے کا چراغ
~ تم رات وعدہ کر کے جو ہم سے چلے گئے
پھر جب سے خواب میں بھی نہ آئے، بھلے گئے
آتش میں تیرے عشق کی مایہ چوب خشک
جب تک کسی نے ہم کو جلایا، چلے گئے
~ یا یک نیاز اس سے کیوں کر کوئی بر آوے
آتا ہو سو طرح سے جس کو کہ ناز کرنا

۔ صاف آتش میں کود پڑ، جل جا
کچھ ٹو شعلے سے اے چنگ نہ پوچھ
کہیے ہے نامیر کا رنگ!

انشاء اللہ خان انشاء کی شاعری

فرمایا خواہشات کی کثرت اور وقت کی کمی کا احساس انسان کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ لطف اندوزی کو تیز سے حیز ترک کر دے۔ اسی گھن پکر میں ایک اعلیٰ پائے کا انسان سیما بی مزاج بن جاتا ہے۔ ہل میں وہ منطق و فلسفہ کی دقیق مباحث بیان کر رہا ہوتا ہے اور ٹیل میں وہ جنسیت زدہ انسان کا روپ دھار لیتا ہے۔ دہلی کے اعلیٰ پائے کے اہل علم جو شہدے ظہرے اور لکھنؤ میں پڑھ لکھ کر بھی جو ہا کئے بنے وہ انہی حقائق کی منہ بولتی تصویر تھے۔ انشاء اللہ خان انشاء کی شاعری اور اس کا پس منظر کچھ ایسے ہی معاشرے کی داستان ہے۔ بہادر تھی اور جنٹیل تھنی کی شادی کے حال پر جو مثنوی لکھی گئی ہے وہ یہی تو ہے۔ معاشرے کی طلب بھی یہی تھی کہ جیسے مرغ اور بھیرا پس میں لڑتے تھے اور ایک دوسرے کو فنی کرتے تھے، شعر ابھی آپس میں لڑا کریں اور ایک دوسرے کی بھونکیں۔ سودا جو شہنے سے قلمدان مانتے تھے، یہ اسی دور کی فحاشی ہے۔ میر و سودا کی باہمی چپقلش، سودا نے میر ضاحک کے جولہن طعن کی، یہ دلخراش حقائق بتاتے ہیں کہ ہندوستانی تہذیب کے دھارے کس رخ پر بہنے کا آغاز کر رہے تھے۔ اس دور کے نمائندہ شاعر انشاء اللہ خان انشاء فرماتے ہیں۔

مستانہ جو میں نے قدح بھنگ چڑھایا در عالم وحشت
 جب خطر پکارا کہ بنیا و مر یا اب دیکھ حلاوت
 ہے جی میں فقیروں کے اب کھینچ لنگوٹ اور ہاندھ کے ہمت
 جا کنج خرابات میں تک گھونپے سبزہ یوں کیجئے عبادت
 اور یہ شعر دیکھیے کہ بھلا کوئی آدمی جو فلسفہ وحدۃ الوجود کو ملی طور پر نہ جانتا ہو اور اس نے
 وجود شہودی مباحث کو نہ پڑھ رکھا ہو، فلسفہ و منطق کے علوم اس کے دماغ میں نہ ہوں، تو
 وہ یہ کیسے کہہ سکتا ہے۔

خوش رہتے ہیں چار اہرو کی بتلا کے صفائی مانتر قلندر
 نے ہم کو غم و زد نہ اندیشہ کالا ہے خوب فراغت
 اللہ و تصوف میں جو تھا فرق ہمیں یاں اصلاً نہ رہا کچھ
 پردہ جو تعین کا محبت نے اٹھایا کثرت ہوئی وحدت
 اسی اعلیٰ تعلیم یافتہ جناب انتہا، اللہ خان انتہا، مہی کی شاعری کا دوسرا رخ مصطفیٰ کی جگہ ملاحظہ
 ہو جو آب حیات میں جناب آزا نقل کرتے ہیں:

سر لون کا، منہ پیاز کا، انجور کی گردن
 کس کا خاکہ اڑایا ہے کیا لکھیے؟ لیکن دونوں پہلو دکھانے کا مقصد یہ ہے کہ یہ سب طبائع
 ایسی ہوا کرتی ہیں۔



میر انیس کی مرثیہ نگاری

فرمایا

میر انیس کی مرثیہ نگاری کے کیا کہنے۔ ایک طرف لکھنؤ کی وہ تہذیب جہاں کے
دو ساکن تھے دوسرے طرف خاندانی نسبتیں کہ پشت در پشت مادی اہل بیت السلام
و صالحین اوائے مرثیہ، تیسری سمت مذہبی قیودات کہ اسلام کے نام لیوا اور ایسے طبقے میں
شریعت مطہرہ کے نمائندے تھے اور پھر ان سب پر مستزاد شاعری کی نزاکتوں کا لحاظ رکھنا،
ان تمام قیود و حدود کے ساتھ بھی اعلیٰ درجے کی مرثیہ نگاری مانگی کا حصر تھا۔
حضرت قاسم بن علیؒ کی نو بیباختا دلہن ہیں اور یہ آخری وقت رخصت ہو رہے، کس پُر
وقار انداز سے منظر کشی کی ہے۔

تم بھی کچھ اپنے باپ کی اس دم عدد کرو
آفت میں آج ہے پر ضیفم معد
دنیا کو بھی خدا نہ دکھائے یہ روز بد
صدقہ کرو ہمیں کہ بلا ان کی ہوئے رد
راضی رضائے حق پہ بعد آرزو رہو
حیدر سے ہم بول سے تم سرخرو رہو

میر تقی میر، شاعر فطرت

فرمایا

میر تقی میر شاعر فطرت ہیں۔ انسانی جذبات و احساسات کے کامل

ترجمان ہیں۔ جو کچھ اندرونی طور پر ہم پہنچتی ہے، وہ اس کے صحیح عکاس ہیں۔
انگھار غم پر بھی انھیں کمال کی قدرت حاصل ہے اور محبوب سے اعراض پر بھی۔
دل کو تسلی دینا بھی انہی سے سیکھیے اور بے قراری بھی۔ زمانے کی شکایت اور پس مرگ
رسوائی، سب احساسات کی تصویر کشی میں انھیں غیر معمولی کمال حاصل تھا۔
شع و پروانہ کی سنیے فرماتے ہیں۔

ۛ رات بھر شع سر کو دھنتی رہی کیا پچھنے نے التماس کیا
پہلے مصرع میں ”دھنتی“ اور دوسرے میں ”التماس“ لا جواب ہے۔ میر کو کی
حرکت کو جو دھنتی سے تعبیر کر رہے ہیں، جہاں تک علم ہے پوری اردو شاعری اس
نزاکت سے بے خبر ہے۔ اگر وہ حد درجہ حساس نہ ہوتے تو ایسا نایاب شعر کیسے
وجود پذیر ہوتا۔

عزت نفس کا ایسا پاس ہے کہ فرمایا:

ۛ میر صاحب زمانہ نازک ہے دونوں ہاتھوں سے تھامے دستار
کہتے ہیں کہ ظلم انسان کی جہالت کو متعین کرتا ہے۔ ہم کچھ جانتے ہیں تو حیرت
میں اضافہ ہوتا ہے کہ اچھا یہ بھی ایک حقیقت ہے اور جہالت کا ادراک ہوتا ہے
کہ ہمیں تو اب تک یہ بھی معلوم نہ تھا۔ میر نے ان حقائق کو صرف ایک شعر میں
کیسے سویا ہے۔

ۛ یہی جانا کہ کچھ نہ جانا بائے سو بھی اک عمر میں ہوا معلوم
عالم نا سوت اور کشف غیب کے تعلق کا بیان دیکھیے:

یہ جو مہلت، جسے عمر کہتے ہیں دیکھو تو! انتظار سا ہے کچھ
 ”آہ بہار“ اور ”چاک گریباں“ میں کیا ارتباط ہے۔

۔ اب کے جنوں میں فاصلہ، شاید نہ کچھ رہے
 دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں
 مہربان عشق کا انجام کیا ہوا؟ دیکھیے:

۔ جن جن کو تھا یہ عشق کا آزار، مر گئے
 اکثر ہمارے ساتھ کے بیمار مر گئے
 استغناء اور بے نیازی کا نقشہ کھینچا ہے۔

۔ آگے سو کے کیا کریں دست طبع دراز
 یہ ہاتھ سو گیا ہے، سر حائے دھرے دھرے

تصوف کی بعض ہاریکیوں تک کو کیا خوب نظم کیا ہے۔ بعض بے ترتیب اشعار
 ملاحظہ ہوں۔

۔ میرا اس بے نشان کو پایا جان
 کچھ ہمارا اگر سراغ لگا
 ۔ خچیر گاہ عشق میں افراد صید سے
 روح الامین کا نام شکار یوں ہوا
 ۔ جسم خاکی کا جہاں پردہ اٹھا
 ہم ہوئے وہ ، میر ، سب وہ ہم ہوا

۔ عالم کسی حکیم کا باندھا ظلم ہے
 کچھ ہو تو اعتبار بھی ہو کائنات کا
 ۔ لایا ہے مرا شوق مجھے پردے سے باہر
 میں ورنہ وہی غلوطی راز نہاں ہوں
 ۔ تری آہ کس سے خبر پائے
 وہی بے خبر ہے جو آگاہ ہے

میر تقی میر شاعری کا دریا نہیں سمندر تھے۔

فرمایا

میر تقی میر کے کیا کہنے شاعری کا دریا کیا سمندر ہیں۔ ان کے اشعار کی
 تعداد تیس ہزار کے قریب بیان کی گئی ہے اور یہ انہی کی کسر نفسی ہے کہ اپنے کو دریا
 کہا ورنہ سمندر کا دعویٰ بھی کرتے تو کیا بیجا تھا۔

۔ میر دریا ہے نئے شعر زبانی اس کی
 اللہ اللہ رے طبیعت کی روانی اس کی

اور پھر اس اشعار میں جو ترنم پایا جاتا ہے انہیں پڑھیے، گنگنائے یا سنئے تو روح
 وجد کرتی ہے۔ ملاحظہ ہو

۔ جھکی کچھ کہ جی میں چھی سبھی، جلی تک کہ دل میں ٹھھی سبھی
 یہ جو لاگ پلکوں میں اس کی ہے، نہ چھری میں ہے نہ کنار میں

۔ چھلے ہیں موٹھے، پٹٹی ہے کبھی، چسی ہے چولی، پنچسی ہے مہری
 قیامت اس کی ہے ٹھگ پٹٹی، ہمارا جی تو، بہ ٹھگ آیا
 ۔ مرا شور سن کے جو لوگوں نے کیا پوچھا، تو کہے ہے کیا
 جسے میر کہتے ہیں صاحبو! یہ وہی تو خانہ خراب ہے
 ۔ لذت سے نہیں خالی جانوں کا کھپا جانا
 کب خضر و مسیحا نے مرنے کا مزا جانا
 ۔ جی ڈبا جائے ہے سحر سے آہ
 رات گزرے گی کس خرابی میں

میر کی شاعری کا اعتراف

فرمایا: میر تقی میر کی بہت سی خوبیاں ایسی تھیں کہ پھر شاعری میں اب تک ان کا
 کوئی ثانی نہ ہوا۔ ان کے معاصرین اور بعد میں جو شعراء آئے انہوں نے
 اعتراف کیا اور بہت وسعت ظرفی سے کام لے کر یہ اعتراف کیا کہ بعض
 خصوصیات میں میر تقی میر اپنی مثال آپ تھے۔ استاد ذوق مرحوم نے فرمایا:
 ۔ نہ ہوا، پُر نہ ہوا میر کا انداز نصیب
 ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا
 حضرت مرزا اسد اللہ خان غالب گویا ہیں کہ

۔ میر کے شعر کا احوال کہوں کیا غالب
جس کا دیوان کم از گلشن کشمیر نہیں
اور دوسرے مقام پر انہوں نے حضرت ناسخ کی زبان سے اپنا مدعا بیان کیا ہے کہ
۔ غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ
”آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں“
حضرت امام بخش ناسخ و معاصر میر تقی میر تھے اور انہوں نے حضرت میر کی شاعری
کے محاسن کا اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا کہ
۔ شبہ ناسخ نہیں کچھ میر کی استادی میں
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں
جناب غالب نے اسی شعر کے دوسرے مصرعے کو ذرا بعد اظہار خیال بنایا ہے۔
اس حقیقت کا ادراک خود میر صاحب کو بھی تھا کہ آئندہ زمانے کے شعراء اگر ان
کا تتبع کریں گے تو یہ کچھ سہل نہ ہوگا فرماتے ہیں۔

۔ آ کے سجادہ نشین قیس ہوا میرے بعد
نہ رہی دشت میں خالی کوئی جا میرے بعد
ہیز رکھو ہر سر خار کو اے دشت جنوں
شاید آجائے کوئی آبلہ پا میرے بعد



ط ایک ڈھیری راکھ کی تھی صبح جائے میرے

فرمایا

رات کیا ہے؟ غروب و طلوع آفتاب کا درمیانی وقفہ۔ گھر کو لوٹ جانے کا وقت۔ اپنی اصل کی طرف رجوع کا وقت، اطمینان اور سکون کے پانے کا وقت، معائب کی پردہ پوشی اور کہیں پردہ درہی کا وقت، اظہارِ غم اور طلبِ فرحت کا وقت، گھٹنے اور سوجانے کا وقت، ایک تیاری کا وقفہ اور تازہ دہی۔ ایک ستانہ اور لشکرِ جوار کے عزائم کا اظہار۔ میر تقی میر کے ہاں ملاحظہ ہو رات کو کبھی حقیقی اور کبھی استعارے کے معنی میں کیا خوب بھایا ہے۔

ۛ ایک ڈھیری راکھ کی تھی صبح جائے میر پر
 برسوں سے جلتا تھا، شاید رات جل کر رہ گیا
 ۛ بھر شیریں میں کیوں کہ کانٹے کا
 کوہ کن یہ پہاڑ سی راتیں
 ۛ دل جو تھا اک آبلہ، پھوٹ گیا
 رات کو سینہ بہت کوٹا گیا
 ۛ حدیث زلف دراز اس کے منہ کی بات بڑی
 کھسو کے دن ہیں بڑے یاں کھسو کی رات بڑی
 ۛ غالب کہ دل خستہ شبِ ہجر میں مر جائے
 یہ رات نہیں وہ جو کہانی میں گذر جائے

ۛ بہت تیر پھر ہم جہاں میں رہیں گے
اگر وہ مجھے آج شب کی سحر تک
دکھائی دیں گے ہم میت کے رنگوں
اگر وہ جائیں گے جیتے سحر تک

ۛ آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم

فرمایا (کھنوی رنگ اور دہلوی رنگ میں فرق ہے۔ اساتذہ شعر کی جانچ کرتے
ہیں تو فوراً رنگ کو پہچان جاتے ہیں۔ میر تقی میر نے جو بنا ڈالی ہے وہ یہ ہے:

ۛ بسنتی قبا پہ تیری مر گیا ہے
کفن میر کو دھجیہ زعفرانی
ۛ دلی میں آج بھیک بھی ملتی نہیں انیس
تھا کل تک دماغ جنہیں تخت و تاج کا
ۛ آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم
اب جو ہیں خاک، انتہا یہ ہے
ۛ لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہ شیشہ گرمی کا

اوراد و وظائف

تمام دعاؤں کا ترجمہ آزاد اور لفظی بندشوں سے مستثنی ہو کر،
 دعا کے مفہوم کے مطابق کیا گیا ہے۔ ترجمہ سے زیادہ
 ترجمائی ہے اس لیے اردو محاورے کو
 پیش نظر رکھا جائے۔

وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوهُ بِهَا .
(پ: ۹، سورۃ الاعراف، آیت: ۱۸۰)

اور اسماء حسنی (اچھے اچھے نام) اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں
اس لیے، اس کو انہی ناموں سے پکارو۔

مولانا حالی کے نواسے کی مرگی اور ایک عامل کا سورہ مزمل پڑھنا۔

فرمایا

مولانا الطاف حسین حالی مرحوم کی اکثر و بیشتر پانی پت سے دہلی آمد و رفت رہتی تھی۔ ایک مرتبہ جب خواجہ حسن نظامی مرحوم حاضر خدمت ہوئے تو حالی فرمانے لگے کہ میرے نواسے کو مرگی ہے۔ حکیم و ڈاکٹر آزما لیے، کچھ نفع نہ ہوا۔ خواجہ صاحب کوئی صاحب نظر بتاؤ جو کوئی تعویذ یا دعا کرے اور اس بیماری سے شفا ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ راولپنڈی میں ایک صاحب ہیں جو سورہ مزمل کے عامل ہیں۔ دم کرتے ہیں اور مریض شفا یاب ہو جاتے ہیں۔ مولانا حالی فرمانے لگے کہ راولپنڈی میں تو میرے بیٹے مولانا سجاد حسین انسپٹر تعلیمات ہیں ان کو لکھتا ہوں۔ چنانچہ خط تحریر کیا گیا اور مولانا سجاد صاحب اس عامل سے جا کر ملے اور اپنے بھانجے کی بیماری کی تفصیلات گوش گذار کیں۔ ان عامل صاحب نے اپنی نشست بدلی اور چہرہ پانی پت کی طرف کر کے ایک مرتبہ سورہ مزمل پڑھ کر پھونک دی۔ مولانا حالی مرحوم کے نواسے کی مرگی ختم ہو گئی اور مولانا حالی اس عامل کے اخلاص کے بہت قائل ہوئے۔

شب برأت میں یہ دعا بھی پڑھی جائے۔

فرمایا

معلوم نہیں ہو سکا کہ اس دعا کی اصل کیا ہے لیکن حضرت ابن عربی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے کہ شب برأت (پندرہ شعبان) میں جب عبادت کرے تو رات کو یہ دعا بھی مانگے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ.

اَللّٰهُمَّ اِذَا تَحَلَّيْتَ فِيْ هَذِهِ اللَّيْلَةِ عَلٰى خَلْقِكَ،
فَجُدْ عَلَيْنَا بِمَنِّكَ وَكَرَمِكَ وَعِثِّقْ، وَقَدِّمْ لَنَا مِنْ
الْحَلَالِ وَاسِعَ رِزْقِكَ، وَاجْعَلْنَا مِنْ عِبْدِكَ وَقَامَ
بِحَقِّكَ، اَللّٰهُمَّ مَنْ قَضَيْتَ عَلَيْهِ فِيْ هَذِهِ اللَّيْلَةِ
بَطُوْلَ حَيَاتِهِ، فَاجْعَلْ مَعَ ذَلِكَ نِعْمَتَكَ، وَمَنْ
قَضَيْتَ عَلَيْهِ بِوَفَاتِهِ، فَاجْعَلْ مَعَ ذَلِكَ رَحْمَتَكَ،
اَللّٰهُمَّ بَلِّغْنَا مَا لَا تَبْلُغُ الْاَمْاَلُ اِلَيْهِ، يَا خَيْرَ مَنْ وَقَفْتَ
الْاَقْدَامُ بَيْنَ يَدَيْهِ، يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ.

وَ صَلِّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهِ وَ
صَحْبِهِ وَسَلِّمْ.

ترجمہ: اے اللہ آج رات جب آپ اپنی مخلوق پر کوئی نئی نعمت فرمائیں تو اپنے احسان، اپنے کرم اور اپنی اس عادت کے صدقے سے کہ آپ آج رات مخلوق کو جہنم سے آزاد کرتے ہیں، ہم پر بھی وہ بہت زیادہ تجلیات برسا۔ ہمیں بھی حلال رزق کی وسعت عنایت فرما۔ ہمیں ان لوگوں میں سے کروے جنہوں نے آپ کی عبادت کی اور آپ کے حقوق کی ادائیگی کرتے رہے۔ اے اللہ آج کی رات آپ جس شخص کے متعلق بھی یہ فیصلہ فرمادیں کہ اس کی زندگی طویل کرنی ہے تو اللہ اس کی طویل زندگی میں انعامات کا بھی اضافہ فرما۔ اور جس شخص کے متعلق آپ یہ فیصلہ فرمادیں کہ اسے موت دینی ہے تو اس کی موت رحمت کی موت بنا دے۔

اے اللہ ہمیں وہ کچھ دے دے جو ہماری سوچ سے بھی بالا ہو اور جتنے بھی لوگ کسی کے در پر جا کر بھیک مانگنے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور انہیں جو بھی بھیک ملتی ہے، اے اللہ، اے تمام جہانوں کے پالنے والے مجھے اس تمام بھیک سے بھی کچھ زیادہ ہی عنایت فرما (کہ میں تیرے در پر سوائی بن کے آیا ہوں)۔ اے تمام جہانوں کے پالنے والے، اللہ تعالیٰ کی عنایات حضرت رسالت پناہ ﷺ اور ان کی آل اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شامل ہوں اور اللہ تعالیٰ انہیں سلامت رکھے۔



سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی التجا

فرمایا

سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مجسم تواضع تھے۔ اس قدر علیم الطبع تھے کہ جب لوگ آپ کے کارناموں کو سراہے اور تعریفی کلمات کہتے تو آپ بارگاہ الہی میں یہ عرض کرتے۔
 اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اَعْلَمُ بِیْ مِنْ نَفْسِیْ، وَ اَنَا اَعْلَمُ بِنَفْسِیْ
 مِنْهُمْ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ خَیْرًا مِّمَّا یُظُنُّوْنَ، وَ اغْفِرْ لِیْ مَا
 لَا یَعْلَمُوْنَ، وَلَا تُوَاحِدْنِیْ بِمَا یَقُولُوْنَ۔

ترجمہ: اے اللہ آپ میری حقیقت کو مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہیں اور اے اللہ لوگ جو میری تعریف کر رہے ہیں، میں ان سے زیادہ اپنی حقیقت کو جانتا ہوں۔ اے اللہ مجھے یہ لوگ جتنا اچھا سمجھتے ہیں، مجھے اس سے بھی بہتر بتا دے اور اے اللہ میری ان خطاؤں سے درگزر فرما، جن کا علم، ان تعریف کرنے والوں کو نہیں ہے۔ اور اے اللہ جو کچھ لوگ میری تعریف کر رہے ہیں، میرا ان جملوں پر مواخذہ نہ فرما۔

لوگ جب کسی بھی بات پر تعریف کرنے لگیں تو اس سے جو شر پیدا ہو سکتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس سے بچنے کے لیے اس دعا کا مانگ لینا اور عاجزی سے اللہ تعالیٰ کے حضور، بار بار یہ دعا پیش کرتے رہنا، بہترین حل ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

استغفار کے وہ جملے جنہیں لکھنے کے لیے
گیارہ فرشتے دوڑ پڑے۔

فرمایا گناہ انسانی زندگی کے لوازمات میں سے ہیں۔ ہر ایک شخص کا گناہ اس کے اپنے درجے کا ہے۔ ایک شخص ممکن ہے صرف فرض پڑھتا ہو اور سنن و کدہ چھوڑنے کا گنہگار ہو اور دین ممکن ہے کہ کوئی فرائض و سنن سب ادا کرتا ہو اور محض نفل چھوڑنے پر آخرت میں خسارہ مند ہو جائے۔ اس لیے ہمیشہ استغفار کرتے ہی رہنا چاہیے۔ استغفار اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے کی کئی ایک دعائیں مختلف احادیث میں آئی ہیں اور ان میں سے ایک دعا وہ بھی ہے، جس کے متعلق آتا ہے کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے نماز پڑھائی، ایک صحابی رضی اللہ عنہ نماز مکمل کر کے کھڑے ہوئے اور استغفار کی ایک دعا مانگی، حضرت رسالت مآب ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کون استغفار کر رہا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں — غیچہ — استغفار کر رہا ہوں تو ارشاد فرمایا اس اللہ کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اس دعا کا آخری لفظ ابھی تم اپنی زبان سے ادا کر ہی رہے تھے کہ میں نے گیارہ فرشتوں کو دیکھا کہ وہ اس دعا کو لکھنے کے لیے دوڑ رہے تھے کہ کون فرشتہ اس مبارک جملے کو پہلے لکھے گا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ جملہ اتنے مبارک ہیں کہ فرشتے دوڑ پڑے کہ جو سب سے پہلے اسے لکھے اور اپنے پروردگار تک پہنچائے، اللہ تعالیٰ کی خوشی اس فرشتے کو نصیب ہوگی۔ تو سوچنا چاہیے کہ یہ تو ان معصوم فرشتوں کا حال ہے جو لکھنا چاہتے تھے اور وہ شخص جو اس دعا

کو پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس سے کیسا خوش ہوگا اور آخر کیوں اس کے گناہ معاف نہیں ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے وقت کوشش کرے کہ اخلاص سے استغفار کے یہ جملے ادا کرے۔

سُبْحَنَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ
وَحْدَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ، عَمِلْتُ سُوءًا وَظَلَمْتُ
نَفْسِي، فَاعْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ
التَّوَّابُ الرَّحِيمُ.

ترجمہ: اے اللہ تو ہر عیب سے پاک ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تعریف بھی تیرے ہی لیے ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے علاوہ کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں نے بہت بُرے کام کیے ہیں اور اپنی جان پر ہمیشہ ظلم کرتا رہا ہوں اے میرے مالک مجھے معاف فرما دے اور مجھ پر رحم فرما اور میری توبہ کو قبول فرما بلاشبہ تو توبہ کو بہت قبول فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔



ایسی دعا جس کے پڑھنے سے سکون
اور دل کا اطمینان مل جائے۔

فرمایا

ہمارے دور کے اکثر و بیشتر صوفیاء مطالعے کی دولت سے محروم ہیں۔ جہالت نے ان کے پاؤں پکڑ لیے ہیں اور یہ اور ان کے مرید عمر بھر اپنے خود ساختہ و خاکف میں مصروف رہتے ہیں اور حضرت رسالت مآب ﷺ نے جن اویس کا بتایا ہے، ان کے قریب تک نہیں پہنچتے، وجہ یہی ہے کہ یہ مشائخ کرام علم کی دولت سے محروم ہیں۔ علم تو جب آئے، جب کتابیں پڑھیں اور کتابیں جب آئیں جب تربیت میں علم کی اہمیت سکھائی گئی ہو۔ تربیت کا اہم جز و علم ہے اور جب بغیر تربیت کے خلافتیں اور اجازتیں ملیں گی تو پھر یہی کچھ ہوگا جواب ہو رہا ہے۔ ان جاہل صوفیوں اور جڈ باقی مولویوں نے امت کی دنیا ہی ڈھری۔ ان دونوں طبقات کو جب بغیر محنت کے پیسہ ملتا ہے تو یہ سب سے پہلے اپنی ذاتی اور نجی زندگی کو بدرجہ تعیش آرام دہ بناتے ہیں، پھر اپنی اولادوں کے لیے دنیا جمع کرتے ہیں اور پھر موت آ جاتی ہے، اس لیے ان کے مدارس اور خانقاہیں قابل ذکر کتابوں کے ذخیرے سے ہمیشہ سے محروم ہیں۔ دنیا میں بے سکونی کا راج ہے اور آپ جب ان جاہل صوفیوں کے ہاں جائیں اور دل کے سکون اور دماغی پریشانیوں سے نجات کے لیے کوئی دعا یا وظیفہ پوچھیں تو کبھی بھی کتاب و سنت سے کوئی وظیفہ نہیں بتائیں گے۔ محض اپنے جی سے اور اپنی رائے سے کوئی بات یا وظیفہ تجویز کر دیں گے۔ نفع ہوا تو ہوا نہ ہوا تو ان کو کیا اور دوسرے؟ حالانکہ ذرا بھی علم سے مناسبت ہوتی تو وہ دعا بتاتے جو ان مواقع

پر حضرت رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمائی تھی۔ حضرت رسالت مآب ﷺ سے بڑھ کر کون وظیفہ بنا سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا کے لیے انھیں ہدایت کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے اگر کسی شخص کو ان کے متقین فرمودہ وظیفے سے اثر نہیں ہوتا تو ایسے بے یقین کا مرجانا چھٹا۔

حضرت میوند رحمہ اللہ جو حضرت رسالت مآب ﷺ کی خادمہ تھیں (ام المومنین حضرت میوند رحمہ اللہ کے علاوہ) فرماتی ہیں کہ ایک عورت ہمارے گھر آئی اور ام المومنین حضرت عائشہ رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ میری یہ مدد فرمائیں کہ مجھے کوئی ایسی دعا چاہیے جسے پڑھوں تو سکون ملے اور دل کا اطمینان حاصل ہو۔ حضرت رسالت مآب ﷺ سے کوئی ایسی دعا پوچھ کر بتا دیں۔ حضرت رسالت مآب ﷺ نے بھی یہ بات سن لی اور ارشاد فرمایا میوند اپنا داہنا ہاتھ اپنے دل پر پھیرتے ہوئے یہ دعا مانگا کرو:

بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ ذَاوْنِيْ بِدَوَائِكَ، وَ اَشْفِيْنِيْ بِشِفَائِكَ،
وَ اَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے بابرکت نام سے شروع کر کے اے اللہ تو اپنی دوا سے مجھے تندرست کر دے۔ اے اللہ اپنی شفا سے مجھے شفا بخش دے اور اے اللہ ایسا فضل فرما کر تو اپنے علاوہ مجھے ہر ایک سے بے نیاز کر دے۔

کیا خوبصورت جملے حضرت رسالت مآب ﷺ نے متقین فرمائے۔ دماغ کے سکون اور اطمینان قلب کے لیے، اس دعا کے مقابلے میں کون حضرت اور کون بزرگ صاحب ہیں جو

ایسی دعا تجویز فرمائیں؟

مال میں برکت کی نبوی دعا

فرمایا

حضرت رسالت مآب ﷺ کے متلقین فرمودہ کلمات میں بڑا اثر ہے، انسان آج بھی اپنے یقین کے ساتھ ان دعاؤں کو مانگے تو عجیب و غریب اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ ان کے کلام اور دعاؤں کی برکات اب بھی ویسی ہی ہیں جیسے کہ وہ پہلے دن تھیں اور ان دعاؤں کے ثمرات آج بھی ویسے ہی ظاہر ہوتے ہیں جیسے کہ اس زمانے میں ظاہر ہوا کرتے تھے۔ فرق صرف ہمارے یقین کا ہے۔ آج بھی اگر مومن کا یقین ہو کہ کلام کی تاثیر ظاہر ہو کر رہے گی تو آج بھی اس کلام کی تاثیر ظاہر ہوگی۔ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ دعاؤں کو سنتا ہے، اپنے بندوں کے حالات کو تبدیل فرماتا ہے، خالی جھیلیوں کو بھر کر لوٹاتا ہے، بندہ نہ ور ہے، بڑا بچپال ہے، اسے اب بھی کہتا ہے کہ اپنے بندوں کو خالی ہاتھ لوٹائے، ہے کوئی ٹھکانہ اس کی رحمتوں کا اور ہے کوئی حد اس کے کرم کی، تو آج بھی آگ گلستان میں تبدیل ہو سکتی ہے۔

حضرت بدر بن عبد اللہ مزیٰ نے ﷺ نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ میرے مال میں برکت نہیں ہے تو ارشاد فرمایا بدر صبح یہ دعا مانگا کیجیے:

بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰی نَفْسِيْ، بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰی اَهْلِيْ وَ مَالِيْ،
اَللّٰهُمَّ ارْضِنِيْ بِمَا قَضَيْتَ لِيْ، وَ عَافِنِيْ فِيمَا

أَبْقَيْتَ، حَتَّى لَا أَحِبَّ تَعْجِيلَ مَا أَخَّرْتَ وَلَا
تَأْخِيرَ مَا عَجَّلْتَ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت میرے وجود میں ہو، اور اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت میرے اہل و عیال اور میرے مال میں بھی ہو۔ اے اللہ میرے ہارے میں آپ جو بھی فیصلہ فرمائیں، مجھے اس پر راضی رہنے کی توفیق دے اور جو کچھ بھی تو نے مجھے عنایت فرمایا ہے اس میں ہر طرح سے خیر رہے اور ایسے بھی ہو جائے کہ جو چیز دیر سے عطا فرمائی ہے، میں اس کے لیے جلدی کا شور نہ مچاؤں اور جو میرائی آپ جلد فرمانا چاہیں میں یہ نہ جانوں کہ اسے تاخیر سے ہونا چاہیے تھا۔

حضرت بدر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روزانہ صبح یہ دعا مانگ لیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ دعا اتنی بار برکت ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے میرا کاروبار بھی چمکا دیا اور جو قطع آیا اس سے قرض بھی ادا ہو گیا اور میں اور میرے گھر والے سب خوشحال ہو گئے۔

بخاری کے مریض کے لیے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم
کی عطا فرمودہ تحریر۔

فرمایا ﴿حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے سلیمان بن سنیہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ انھوں نے چالیس حج کیے اور آخری مرتبہ جب روضہ مبارک پر

حاضری ہوئی تو اگلے آگئی اور حضرت رسالت پناہ ﷺ کی زیارت ہوئی، آپ نے ارشاد فرمایا ارے تم اتنی مرتبہ آئے ہو اور ہماری طرف سے تمہیں کوئی تحفہ نہیں ملا، اچھا ہاتھ بڑھاؤ، پھر حضرت رسالت مآب ﷺ نے ان کی تھیلی پر کچھ تحریر فرمایا اور وہ تحریر بخار کے لیے تھی کہ کوئی بھی بخار کا مریض اسے چاٹ لے تو اس کا بخار اتر جائے گا۔ جو کچھ تحریر فرمایا یہ تھا۔

اِسْتَحَرْتُ بِاِمَامٍ مَا حَكَمَ فَظَلَمَ وَلَا تَبِعَ مَنْ
هَزَمَ اُخْرِجِي يَا حُمَيُّ مِنْ هَذَا الْجَسَدِ لَا
يُلْحِقُهُ اَلَمْ يُخْرِجْ بِحَاخِ.

ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے مخلوق و رگزر،
آسانی اور سہولت کی التجار ہے۔

فرمایا سوچنے کا انداز بھی مختلف ہوا کرتا ہے۔ بعض افراد کا بچپن اور جوانی تعلیمی ماحول میں گزرے ہوتے ہیں اور جن لوگوں کو تعلیم کی سہولت میسر نہیں ہوتی، ان دونوں کا طرز فکر ہمیشہ یکساں ہو نہیں سکتا۔ ایسے ہی شیرادے اور بادشاہوں کی سوچ اور عام آدمی کی سوچ میں بھی بہت تفاوت ہوتا ہے، اس لیے ہر شخص کے قول و فعل کو یکساں درجے پر پرکھنا حماقت ہے۔ اس شخص کے پس منظر کو بھی

دیکھنا چاہیے۔ سکرات موت سے پناہ مانگنی چاہیے۔ حضرت رسالت مآب ﷺ نے یہی تلقین فرمائی ہے، لیکن کسی کو یہ مرحلہ پیش آ جائے تو درگاہ کو بہت زیادہ گھبراتا بھی نہیں چاہیے۔ بس اتنی ہی بے چینی جو بشریت کا تقاضا ہے، درست ہے۔ یہ سکرات اس کے گناہوں کا کفارہ بھی تو بن رہی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے تھے کہ مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ نزع کا عالم آسانی سے گزر جائے اور موت کے جھٹکے نہ لگیں اس لیے کہ اس دنیا میں یہ آخری تکلیف ہے جو مومن کو پاک کر دیتی ہے۔ مطلب یہ تھا کہ مومن اللہ تعالیٰ کے حضور بالکل پاک صاف ہو کر پہنچے، یہی مناسب ہے۔ یہ ان کی سوچ تھی لیکن ہم گنہگار تو یہ تصور بھی نہیں کر سکتے اور نہ ہی کبھی ایسی بات کہنی چاہیے۔ ہر حال میں بہتر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے غور، درگزر، آسانی اور سہولت کی التجار ہے۔

غموں، مصیبتوں اور جیل سے رہائی پانے
کے لیے دو نبوی دعائیں۔

فرمایا حضرت ابوبکر بن علیؓ اصحابان میں اپنے دور کے سرکاری مفتی اور بہت پائے کے مشائخ کرام میں سے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے ایک ایسا فتویٰ لکھا جو بظاہر صحیح تھا لیکن حکومت وقت کی مصلحتوں کے خلاف تھا چنانچہ بادشاہ وقت نے ناراض ہو کر انھیں جیل بھجوا دیا۔ مشکلات نے ڈیرہ ڈال دیا اور تمام وقت پریشانوں میں گزرنے لگا۔ انہی کے شہر اور زمانے میں ایک اور بزرگ

ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں یہ دیکھا کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ جبریل امین آپ کی دائیں طرف کو کھڑے ہیں اور مسلسل اللہ تعالیٰ کی تسبیح ایسے بیان کر رہے ہیں کہ ان کے ہونٹ متحرک ہیں۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ابوبکر بن علی کو میرا پیغام دو کہ صحیح بخاری میں غم سے نجات پانے کی جو دعا آئی ہے اسے مسلسل پڑھتے رہو یہاں تک کہ اس مصیبت سے نجات ملے۔

ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھ کھلی تو وہ جیل گئے اور حضرت ابوبکر بن علی رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام دیا اور انہوں نے صحیح بخاری کی وہ روایت میں آئی ہوئی دعا مسلسل پڑھی حتیٰ کہ وہ جیل سے نجات پا گئے۔

صحیح بخاری میں غموں اور مصیبتوں سے نجات پانے کے لیے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی دو دعائیں نقل کی گئی ہیں۔ حضرت ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب کا عنوان یہ باندھا کہ دکھ اور غم میں جو دعا مانگنی چاہیے۔ اور پھر پہلی روایت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ذکر کی ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم دکھ اور پریشانی کی حالت میں یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، وہ اللہ جو عظمت

والا اور بہت بردبار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کے قابل نہیں ہے
وہ جو آسمانوں کا، زمین کا اور عرش جیسی عظیم مخلوق کا پروردگار ہے۔

اور دوسری حدیث بھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے کہ
حضرت رسالت مآب ﷺ دکھا اور غم سے نجات کے لیے یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ
الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَ
رَبُّ الْأَرْضِ، وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، وہ اللہ جو بہت
عظمت والا اور بہت بردبار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق
نہیں ہے، وہ اللہ جو عرش جیسی عظیم مخلوق کو بھی پالنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے
علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، وہ اللہ جو آسمانوں کا پروردگار ہے اور
زمین کا بھی رب ہے اور بہت عزت کی جگہ عرش، اس کو بھی پالنے والا ہے۔

حضرت رسالت مآب ﷺ نے جو پیغام بھجوایا تھا اس کے مطابق تو بظاہر یہ دوسری دعا
تھی جس کے مانگنے کی تلقین حضرت ابو بکر بن علی رضی اللہ عنہما کو کی گئی تھی۔ لیکن مناسب یہ
معلوم ہوتا ہے کہ زندگی میں جب کوئی مشکل، کوئی تکلیف، کوئی پریشانی آئے تو ان
دونوں دعاؤں کو ہر نماز کے بعد، دن، رات وضو ہو یا نہ ہو کئی کئی مرتبہ پڑھنا چاہیے

تا کہ اللہ تعالیٰ دکھ غم اور پریشانی سے نہات دے۔

شدید ہواؤں کا طوفان اور حضرت رسالت مآب ﷺ کی دعا۔

فرمایا

حضرت رسالت مآب ﷺ جب شدید ہواؤں کا طوفان آتا تھا اور آندھیاں چلتی تھیں تو یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَیْرِ مَا اُمِرْتُ بِهٖ، وَ اَعُوْذُ بِكَ
مِنْ شَرِّ مَا اُمِرْتُ بِهٖ.

ترجمہ: اے اللہ ان ہواؤں کو جس خیر اور خوبی کے لیے آپ نے چلایا ہے، میں اس خیر و خوبی کو اپنے لیے بھی مانگتا ہوں اور اے اللہ ان ہواؤں میں جو شر اور خرابی ہے، میں اس سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

ہمیشہ اپنی عاجزی، نالائقی اور بے بسی پر نظر رہے

اور دعا مانگتا رہے۔

فرمایا

صوفیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم میں اس بات پر اختلاف ہے کہ دعا افضل ہے یا تقویٰ؟ اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہے یا پھر اس کے حوالے کر دے کہ جو بھی گنہگار جائے ہم اس پر راضی ہیں۔ پھر ایک رائے یہ ہے کہ اپنے حق میں تو سکوت اور رضا پر قائم رہے لیکن امت کے لیے، دوسرے لوگوں کے لیے، اپنے اہل خانہ کے لیے دعا مانگنا افضل

ہے۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ دعا کا کچھ فائدہ ہی نہیں کہ سب تقدیر میں طے ہو چکا ہے، لیکن یہ مسلک ان گمراہ صوفیاء کا ہے جو جاہل ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ خود دعا تقدیر کو بھی بدل دیتی ہے۔ حق بات اور محققین کا مسلک یہ ہے کہ ہر حال میں دعا مانگنا ہی افضل ہے۔ اپنی نیاز مندی، عاجزی، بے بسی کا اظہار اور قدرت خداوندی کا اعتراف، اس کا انکشاف اور اعتماد علی اللہ جیسی دو تیس دعا مانگنے ہی کی تو مرہون منت ہیں۔ حضرات انبیاء علیہ السلام میں سے کون ہے جو اس ذر سے مانگتا ہو و نظر نہیں آتا، یہ قوح ہیں عرض کرتے ہیں کہ اس دنیا پر کافروں کا ایک گھر نہ رہنے دے۔ یہ ابراہیم ہیں دعا پر دعا مانگتے چلے جا رہے ہیں۔ اہل مکہ کو پھلوں سے رزق دینے کی دعا، اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے دعا، اپنی نسل کی برکت کی دعا، اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے نماز پر قائم رہنے کی دعا، اپنی مغفرت کی دعا، قیامت میں شرمندہ نہ ہونے کی دعا، یہ موسیٰ ہیں فرعون اور اس کی آل کے فرق ہونے کی دعا، اپنے بھائی ہارون کی نبوت کی دعا، انشراح قلب کی دعا، یہ عمران کی اہلیہ ہیں، اپنی اولاد اور نسل کو شیطان اثرات سے محفوظ رکھنے کی دعا اور یہ ہمارے نبی۔۔۔۔۔ ان پر اور ان کے تمام بھائیوں انبیاء علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی بے پناہ رحمتیں نازل ہوں اور وہ جہاں بھی رہیں برکتوں اور فیوضات کے ساتھ رہیں۔۔۔۔۔ کی دعائیں اور آخرت میں اپنی اُمت کی بخشش، شفاعت کی دعا۔ جب سب مانگتے، دعا کرتے نظر آتے ہیں تو کون ہے جو ان حضرات علیہ السلام کی متواتر اور مستقل سنت کو چھوڑ دے اور صوفیاء کی اس بحث میں پڑے کہ دعا افضل ہے یا تقویٰ۔۔۔۔۔ ہمیشہ دعا مانگتے رہنا چاہیے اور اپنی عاجزی، نالائقی اور بے بسی پر نظر

دینی ہی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی
مانگنا ہی تمام مسائل کا حل ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے شکایت کی کہ قحط سالی کے آثار نمایاں ہیں، کیا کریں؟ تو فرمایا استغفار کرو۔ ایک اور شخص نے عرض کیا کہ فقر و فاقہ بہت بڑھ گیا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ سے معافی مانگا کرو۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ باغ خشک ہوتا جا رہا ہے کیا کریں؟ ارشاد فرمایا استغفار کی کثرت کرو۔ پھر ایک شخص آیا اور اولاد کے نہ ہونے پر غم اور دکھ کا اظہار کیا، فرمایا کہ استغفار کرو۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنا، اس کی عظمت اور گرفت کے خوف سے رو دینا اور دیر تک آنسو بہانا، بخش کرنا اور کثرت سے دعا مانگنا زندگی کے تمام مسائل کا حل ہے۔

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک مجلس میں سو سو مرتبہ
سے زیادہ جو دعائیں مانگتے تھے؟

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ایک ایک مجلس میں سو سو مرتبہ سے زیادہ یہ
دعا مانگتے تھے۔

فرمایا

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَتُبْ عَلَيَّ، إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ
الْغَفُورُ.

ترجمہ: اے میرے پروردگار مجھے معاف فرما اور میرے حال پر توجہ فرما
بلشبہ تو اپنے بندوں کی توبہ کو قبول فرمانے والا، اپنے بندوں کے حال پر توجہ
فرمانے والا، اور بہت معاف فرمانے والا ہے۔

حضرت رسالت مآب ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو دعا خاص طور پر ارشاد فرمائی۔

فرمایا جب عمر و صلیقی ہے یا تنہائی غالب ہوتی ہے یا کوئی شخص اپنے مقصد حیات میں
غیر معمولی طور پر منہمک ہوتا ہے تو پھر آہستہ آہستہ یہ احساس غالب ہوتا ہے کہ مختلف
ضروری کاموں کو پورا کرنے کے لیے کوئی ایک آدھ دوست، خادم، بیوی یا نوکر ضرور
ہونا چاہیے، تاکہ نیکوئی میں غفل واقع نہ ہو۔ پھر غیرت اس بات کی بھی اجازت نہیں
دیتی کہ کسی کا احسان لیں یا کسی کے در پر پڑے رہیں یا امتیاز لاحق ہو جائے، تو ہر
شخص کی یہ ترنا ہوتی ہے کہ وہ چلتے پھرتے بغیر کسی پر بوجھ بنے اور بغیر کسی کی خدمت کا
احسان لیے، دنیا سے چلا جائے۔ مگر یہ ہو کیسے؟ کبھی کاموں کی کثرت، کبھی تنہائی اور کبھی
بزدلپا یا اس بات پر غور کرتا ہے اور جواب آسانی سے ملتا نہیں۔ اس غفلت میں زندگی
گزر جاتی ہے۔ مقدر غالب آتا ہے کبھی مخدوم خادم بن جاتا ہے اور کبھی خادم مخدوم،

تا آنکہ موت کی گھنٹی بجتی ہے اور جو کچھ ہونا ہوتا ہے وہ ہو کر ہی رہتا ہے۔ البتہ یہ دعا مانگتے اور یہ تمنا کرتے ہوئے تو بہت سوں کو سنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھ پاؤں پر لے جائے، کسی کھانا نہ کرے، بس چلتے پھرتے اس جہان سے گذر جائیں وغیرہ وغیرہ۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ مؤثر چیز جو اب تک کی زندگی میں دیکھنے میں آئی — وہ حدیث فاطمہ ؓ ہے۔ جس شخص نے بھی اس پر عمل کیا ہمیشہ دیکھا کہ وہ کسی پر ہار نہیں بنا، چلتے پھرتے، ہنستے کھیلتے اس دنیا سے چل پڑا اور یہ نوبت ہی نہیں آئی کہ وہ کسی کی خدمت کا محتاج ہوتا۔

اس حدیث میں عجیب برکت ہے کہ نوکر چاکر، خادم، بیوی، اولاد ہر ایک کی خدمت سے بے نیاز کر دیتی ہے اور سر کسی کے احسان کا زیر ہار نہیں ہوتا۔

حدیث فاطمہ کا معاملہ یہ ہے کہ حضرت فاطمہ ؓ، صاحبزادی صاحبہ اپنے والد حضرت رسالت مآب ﷺ کی نورعین، جگر گوشہ، عنایات کی مورد اور جسد اطہر کا ٹکڑا تھیں۔ تمام بیٹوں اور بیٹیوں کے انتقال کے بعد یہی تو رہ گئی تھیں کہ حضرت رسالت مآب ﷺ ان کے گھر جاتے، اظہار شفقت فرماتے اور آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں۔ ان کی شادی ہوتی اور رخصتی کے بعد گھر سنبھالنا دشوار تھا۔ بچی پیٹتے پیٹتے ہاتھوں کی نرم جلد سخت پڑ گئی۔ کنوئیں سے پانی بھر کر لاتیں اور مٹکیں لے کر تسمہ گلے میں ڈالتے ڈالتے گردن پر نشان پڑ گیا۔ گھر میں جہاز بھٹکا کرتیں اور لباس گرد آلود ہو جاتا۔ شوہر نامہ حضرت سیدنا علی بن ابی طالب ؓ بھی کنوئیں سے پانی نکالتے اور گھر لاتے یہاں تک کہ ان کے سینے میں درد شروع ہو گیا۔

یہ معاملہ جاری تھا کہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں بہت سے قیدی لائے گئے اور ہر طرف خبر پھیل گئی۔ سیدنا علیؑ نے یہ مناسب جانا کہ وہ اپنی اہلیہ اور صاحبزادی صاحبہؑ سے کہیں کہ وہ جائیں اور اپنے لیے بھی ایک خادم مانگ لیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ داماد اگر یہ سمجھے کہ اس کے سر کو اللہ تعالیٰ نے کچھ وسعت سے نوازا ہے تو وہ اپنے گھر کی سہولیات کے لیے کچھ طلب کر سکتا ہے، اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے اگرچہ ہمارے دور اور ملک میں عرف اس کے خلاف ہے۔

صاحبزادی صاحبہ اپنے والد محترم حضرت رسالت مآب ﷺ کے ہاں حاضر ہوئیں تو دیکھا کہ بہت سے نو عمر لڑکے اور قیدی کھڑے ہیں لیکن اس دن حضرت رسالت مآب ﷺ گھر پر تشریف فرما نہ تھے ان کی ملاقات ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے ہوئی اور پھر یہ اپنے گھر لوٹ گئیں۔ پھر دوبارہ تشریف آوری ہوئی تو اس مرتبہ بھی یہی صورتحال پیش آئی لیکن انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ کو تمام صورتحال سے آگاہ کیا اور واپس ہو گئیں۔ تیسری مرتبہ تشریف لے گئیں تو حضرت رسالت مآب ﷺ اپنے دولت خانہ پر تشریف فرما تھے اور ارشاد فرمایا میری پیاری چھوٹی سی بیٹی (گھڑیا) کیسے آتا ہوا؟ تو وہ ظہیرِ حیات سے والد صاحب سے کچھ طلب نہ کر سکیں اور صرف اتنا عرض کیا کہ سلام پیش کرنے کے لیے حاضر ہوئی ہوں، اور پھر کچھ وقفے کے بعد اپنے گھر واپس ہوئیں تو سیدنا علیؑ نے دریافت فرمایا کہ کیا ہوا؟ انہوں نے تمام کھانکھانائی اور اب کے سیدنا علیؑ نے انہیں ساتھ لیا اور درودِ دولت پر حاضر ہوئے۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ نے پہلے ہی سے تمام ماجرا عرض کر دیا تھا اور سوچنے کی

بات یہ بھی ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کی تمام ازواج مطہرات، ان کی مائیں ﷺ موجود تھیں لیکن انہوں نے اپنا پیغام پیش کرنے کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہی انتخاب کیوں کیا؟ اس لیے کہ وہ جانتی تھیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کیا مقام حضرت رسالت مآب ﷺ کی نگاہ میں ہے اور وہ کتنی سمجھ دار اور شفقت بھری خاتون ہیں۔

اسی اثنا میں حضرت رسالت مآب ﷺ کے بڑے ابا زبیر بن عبدالمطلب کی صاحبزادی حضرت خنساء رضی اللہ عنہا بھی اسی مقصد کے لیے حاضر ہوئیں۔ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی عرض کیا کہ اللہ کے رسول، کنوئیں سے پانی کھینچ کھینچ کر میرا سینہ دکنے لگا ہے اور یہ آپ کی چیتی ہیں بچی چلا کر ان کے ہاتھ سخت پڑ گئے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے بہت سے قیدی عنایت فرمائے ہیں تو کوئی ایک غلام ہمیں بھی عطا ہو۔

حضرت رسالت مآب ﷺ نے خاموشی سے اس درخواست کو سنا اور پھر اجتماعی اور قومی امور کی طرف توجہ دلاتے نہایت شفقت سے ارشاد فرمایا کہ دیکھو بدر میں جو لوگ شہید ہوئے تھے، ان کے یتیم بچوں، مدینہ منورہ میں جو غریب بیوہ عورتیں ہیں، وہ، اصحاب صفہ جنہیں کھانے تک کو میسر نہیں، وہ، یہ سب آپ سے زیادہ ضرورت مند ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان غلاموں کو بیچ کر حاصل شدہ رقم تو ان مصارف میں خرچ کروں اور پھر اس کے بعد کوئی غلام بچے کا بھی نہیں کہ تم لوگوں کی ضرورت پوری ہو سکے۔ انہوں نے پوری توجہ سے یہ بات سنی، اس ضرورت کو اپنی جانوں اور آرام پر ترجیح دی اور خاموشی سے جھکا کر اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

حضرت رسالت مآب ﷺ کو اپنی بیٹی سے جو محبت تھی اور فاطمہ آخر کو فاطمہ
 تھیں۔ سلام اللہ علیہا۔ اس محبت نے اپنا اثر دکھایا اور حضرت
 رسالت مآب ﷺ بے قراری سے اسی رات صاحبزادی صلہ کے ہاں تشریف لے
 گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ہمارے گھر میں بس ایک ہی تولیاف تھا اور وہ بھی
 کچھ اس طرح کا کہ اگر ہم اسے طول میں اوڑھتے تھے تو سر ڈھانپنے سے پاؤں کھل
 جاتے تھے اور پاؤں ڈھانپنے پر سر کھل جاتا تھا۔ اور اگر ہم اسے عرض میں اوڑھتے تھے
 تو ہم دونوں اس میں سنا نہ سکتے تھے۔ ہم دونوں اس لحاف میں تھے کہ حضرت
 رسالت مآب ﷺ نے اندر آنے کی اجازت پوچھی اور پھر آپ امداد تشریف لائے
 اور فرمایا بس بھئی دونوں اپنی اپنی جگہ پر لیٹے رہو اور پھر اپنی بیوی بیٹی کے سر کے پاس
 بیٹھ گئے۔ شرم و حیا سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے لحاف کھینچ کر اپنے سر پر اوڑھ لیا اور
 حضرت رسالت مآب ﷺ وہاں سے اٹھے اور دوسری طرف جا کر ان دونوں کے
 پاؤں کے درمیان اس طرح سے تشریف فرما ہوئے کہ آپ کے دونوں پاؤں سیدنا
 علی رضی اللہ عنہ کے سینے کے ساتھ جا کر مل گئے۔ قدمین شریفین بخیر است تھے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ
 نے ان دونوں شخصوں اور مبارک قدموں کو اپنے سینے سے چمٹا لیا اور اتنا چمٹائے رکھا
 کہ ان دونوں پاؤں کی خنک حرارت میں تہلیل ہو گئی۔ کیا مبارک سید تھا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا
 کہ قدمین شریفین کا ماویٰ بنا۔ کیا علوم اور برکات ہوں گے جو اس رات ان مبارک
 قدموں سے سید مرتضوی میں منتقل ہوئے ہوں گے اور کیا راحت ہوگی جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ
 سے حضرت رسالت مآب ﷺ کو پہنچی ہوگی۔

ارشاد فرمایا مجھے یہ معلوم ہوا تھا (حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے توسط سے) کہ آپ لوگ کسی ضرورت سے آئے تھے اب بات کرو بالکل خاموشی چھا گئی اور صاحبزادی صاحبہ اس تمام صورتحال میں ادب اور غلبہ حیا کی وجہ سے کچھ کہہ نہ سکیں۔ حضرت رسالت مآب ﷺ نے دوبارہ فرمایا کہ کل تم لوگ جو کچھ کہنے آئے تھے، پھر کہو۔ اب تیسری مرتبہ پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی طلب کہہ سنائی اور پھر صاحبزادی صاحبہ نے عرض کیا کہ یہ خبر سنی تھی کہ آپ کے پاس بہت سے قیدی آئے ہیں اس لیے میرا ہی چاہا کہ میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور آپ مجھے بھی ایک غلام عنایت فرمادیں جو آغا گوئدہ کر روٹی پکا دیا کرے، کیونکہ روٹی پکانا میرے لیے بہت مشکل ہے۔ ارشاد فرمایا میری بیٹی وہ بات مان لوں جو آپ کہتی ہیں یا پھر اس غلام سے بھی بہتر چیز دے دوں؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فوراً انھیں مستحب کیا اور سرگوشی کی کہ آپ یہ کیجیے کہ آپ کی خوشی مجھے زیادہ عزیز ہے۔

اس جواب کو سن کر آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا میں تم دونوں کو ایسی بات کی تعلیم دوں جس کی قدر و قیمت سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ ہے؟ عرض کیا کیوں نہیں ضرور ارشاد ہو۔ پھر فرمایا میں تمہیں وہ وحیدہ بتاؤں جو مجھے جبریل امین نے بتایا ہے؟ سنو! اور دیکھو جب آپ لوگ بستر پر سونے کے لیے لیٹ جاؤ تو اللہ تعالیٰ کی تسبیح، حمد اور تحمید پڑھا کرو۔

اب حضرت رسالت مآب ﷺ نے اس وظیفے کی کیا ترتیب بتائی تھی، مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مختلف شاگردوں رضی اللہ عنہم کی روایات مختلف ہیں۔

اس لیے یا تو حضرت رسالت مآب ﷺ نے ہی مختلف ترکیبیں بتائی ہوں گی اور یا پھر بعد کے کسی دور میں ان روایات میں تبدیلی آئی ہوگی، لیکن اب ہمارے لیے سب سے اچھا اور بہتر راستہ تو یہ ہے کہ کوئی شخص ان تمام روایوں اور تراکیب پر عمل کر لے اور یہ بھی بالکل درست ہے کہ کوئی شخص ان تمام تراکیب میں سے کسی بھی ایک ترکیب کو اپنالے اور اس پر عمل شروع کر دے۔ تو اسے بھی ان شاء اللہ وہ تمام برکات اور منافع نصیب ہوں گے جو تمام روایات پر عمل کرنے والے کو نصیب ہوں گے۔

پہلی روایت میں تو یہ آتا ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ رات کو جب تم سونے کے لیے لیٹو تو

① سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ

② الحمد للہ ۳۳ مرتبہ

③ اللہ اکبر ۳۳ مرتبہ

پڑھ کر یہ دعا مانگ لیا کرو۔ وہ دعا آخر پر آ رہی ہے۔

دوسری روایت میں یہ آتا ہے کہ ارشاد فرمایا جب تم سونے کے لیے لیٹو تو

① اللہ اکبر ۳۳ مرتبہ

② سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ

③ الحمد للہ ۳۳ مرتبہ

پڑھ کر یہ دعا مانگ لیا کرو۔ وہ دعا آخر پر آ رہی ہے۔

تیسری روایت میں آتا ہے کہ ارشاد فرمایا

① سبحان اللہ

۳۳ مرتبہ

② الحمد للہ

۳۳ مرتبہ

③ اللہ اکبر

۳۳ مرتبہ

پڑھ کر یہ دعا مانگ لیا کرو۔ وہ دعا آخر پر آ رہی ہے۔

عالمی یہ تین روایات ایک ہی طرح کی ہیں صرف ترتیب اور کلمات کی تعداد میں فرق ہے۔

چوتھی روایت میں یہ آتا ہے کہ ارشاد فرمایا جب تم سونے کے لیے لیٹو تو

① سبحان اللہ

۳۳ مرتبہ

② الحمد للہ

۳۳ مرتبہ

③ اللہ اکبر

۳۳ مرتبہ

④ لا اِلهَ اِلاَّ اللہ

ایک مرتبہ

پڑھ لیا کرو اور پھر یہ دعا مانگ لیا کرو۔ وہ دعا آخر پر آ رہی ہے۔

اور پانچویں روایت میں یہ آتا ہے کہ ارشاد فرمایا جب تم سونے کے لیے اپنے بستر پر

لیٹو تو

① سبحان اللہ

۳۳ مرتبہ

② اللہ اکبر

۳۳ مرتبہ

③ لا اِلهَ اِلاَّ اللہ

۳۳ مرتبہ

پڑھ کر یہ دعا مانگ لیا کرو۔ دعا آخر پر آ رہی ہے۔

ان پانچوں روایات پر عمل کرنے کی آسان صورت ایک یہ بھی ہے کہ انسان جب

سونے کے لیے بستر پر لیٹے تو

① سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ

② الحمد للہ ۳۳ مرتبہ

③ اللہ اکبر ۳۳ مرتبہ

④ کلمہ طیبہ ۳۳ مرتبہ

پڑھا لیا کرے البتہ ان پانچوں روایات میں مزید تین باتیں سمجھنے کی ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ان پانچوں روایات میں جو کچھ بھی تسبیح، تحمید، تکبیر یا کلمہ طیبہ پڑھا جائے گا سب کی مکمل تعداد سو (۱۰۰) ہو جائے گی۔ اسی لیے حضرت رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ سونے سے پہلے تمہارا یہ سو مرتبہ ذکر کرنا تمہاری زبان کے سو جملے ہیں لیکن قیامت میں جب یہ نام عمل میں تو لے جائیں گے تو دس گنا بڑھ کر ایک ہزار (۱۰۰۰) ہو جائیں گے۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی کیسی مہربانی ہے کہ اپنے بندے کی نیکیوں کو اصل عمل سے ۱۰ گنا بڑھ کر قبول فرمائے۔

دوسری بات سمجھنے کی یہ ہے کہ جن دو آخری روایات میں کلمہ طیبہ کا ذکر ہے وہاں حدیث میں تو اگرچہ یہ آ رہا ہے کہ پڑھنے والا ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ پڑھے لیکن کوئی شخص اگر پورا کلمہ طیبہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ“ بھی پڑھ لے تو غالباً کچھ حرج نہ ہوگا بلکہ فائدہ ہی کی بات ہوگی۔

اور تیسری بات یہ سب کچھ پڑھنے کے بعد دودعا ہے، جو ہمیشہ مانگ کر سونا چاہیے۔

امت نے شاید یہ دعا بھلا ہی دی ہے۔ چنانچہ ہم نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جو ان تسبیحات کے بعد اپنے مریدوں یا مقتدیوں کو یہ دعا مانگنے کی بھی تلقین کرتا ہو۔ حالانکہ یہ دعا صحیح مسلم میں بھی آئی ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ یہ تمام باتیں مطالعے سے آتی ہیں اور اس امت نے اب پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔ حکمران کیا اور رعایا کیا، بڑے کیا اور چھوٹے کیا، پیر و مولوی کیا اور مرید و مقتدی کیا، کوئی نہیں پڑھتا۔ اس دعا کی خصوصیت اور اہمیت کے لیے کیا یہ بات تھوڑی ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے اپنی پیاری بیٹی کوراء سونے سے پہلے اس دعا کو پڑھنے کی تلقین فرمائی تھی؟ ارشاد فرمایا کہ اس وقت تک کو پڑھنے کے بعد بیٹی اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کیا کرو۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبَّ الْعَرْشِ
الْعَظِيْمِ، رَبَّنَا وَ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ، مُنْزِلَ التَّوْرَةِ وَ
الْاِنْجِيْلِ وَ الزَّبُوْرِ وَ الْفُرْقَانِ، اُعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ
كُلِّ ذِيْ شَرٍّ، وَ مِنْ شَرِّ كُلِّ دَابَّةٍ اَنْتَ آخِذٌ
بِنَاصِيَّتِهَا، اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ، وَ اَنْتَ
الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ، وَ اَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ

فَوْقَكَ شَيْئٌ، وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْئٌ،
إِقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ وَ اغْنِنِي مِنَ الْفَقْرِ.

ترجمہ: اے ساتوں آسمانوں اور عرش جیسی بڑی مخلوق کے پائے والے اللہ۔
اے ہمارے اور دنیا کی ہر چیز کے پائے والے، تورات، انجیل، زبور اور
فرقان (قرآن کریم) کو نازل کرنے والی پاک ذات، میں دنیا کے ہر ایک
شر کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اے اللہ تیری تمام مخلوق جو تیرے
ہی قبضے میں ہے، میں اس مخلوق کی ہر ہر شرارت سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔
اے اللہ تو سب سے پہلے اور تجھ سے پہلے کچھ نہیں اور اے اللہ تو سب سے
آخر پر اور تیرے بعد بھی کچھ نہیں۔ اور اے اللہ تو ایسا ظاہر کہ تجھ سے بڑھ کر
کوئی ظاہر نہیں اور اے اللہ تو ایسا چھپا ہوا کہ تجھ سے زیادہ پوشیدہ کوئی نہیں۔
اے میرے پروردگار میرے قرض کو ادا فرما دے اور مجھے ضروریات زندگی
میں کسی کھوجنا نہ فرما، بے نیاز کر دے۔

یہ ہے وہ دعا جو وظیفہ پورا کر کے بہر حال مانگنی ہے۔

پھر حضرت رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا اعلیٰ اور قاطعہ یہ پڑھا کر دو کہ یہ تم دونوں
کے لیے غلام سے بھی بہتر بات ہے جو میں تمہیں بتا رہا ہوں۔

حضرت رسالت مآب ﷺ نے یہ وظیفہ صرف اپنی صاحبزادی صلبہ اور مکرم و محترم
داماد ہی کو نہیں بتایا بلکہ پوری امت کو اس وظیفے کے پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے اور تجربہ

یہ ہے کہ جو شخص بھی اس وظیفہ کو پابندی کے ساتھ پڑھتا رہتا ہے، وہ جتنے بھی کام کرے ٹھکانا نہیں ہے اور اگر تھک بھی جائے تو اس کی تحسین اس وظیفہ سے دور ہو جاتی ہے اور یہ تحسین اس کی صحت کو نقصان نہیں پہنچاتی۔ صاحبزادی صاحبہ رحمہ اللہ نے تحسین اور غلام کی خدمت کے لیے ہی تو درخواست کی تھی اور آپ نے اس کا بدلہ یہ وظیفہ بتا دیا۔ تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص یہ وظیفہ پڑھتا رہے گا تمام عمر اسے کسی خادم کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی بغیر کسی کا احسان لیے، بغیر کسی کا محتاج ہوئے، ہنستا کھیلتا، ایمان کے ساتھ اور برکتوں کو سمیٹتے ہوئے اپنے پروردگار کے حضور میں پہنچ جائے گا۔

استغفار کے وہ کلمات جنہیں کثرت سے
پڑھنا چاہیے اور ”سید الاستغفار“

فرمایا انسانوں میں کون ایسا ہے، جس سے لغزش نہیں ہوتی۔ ہر شخص کی لغزش اس کے اپنے درجے کے موافق ہوا کرتی ہے۔ عام انسانوں کی نافرمانی گناہ اور معصیت کہلاتی ہے اور خواص کی لغزش خلاف اولیٰ کہلاتی ہے۔ انسانوں ہی میں حضرات انبیاء علیہم السلام جو کہ مقام قیادت پر فائز ہوتے ہیں وہ اگرچہ معصوم ہوا کرتے ہیں لیکن خلاف اولیٰ باتیں جو ان کی زندگی میں پیش آئیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ بھی فرمایا وہ ان کے اپنے مقام کے اعتبار سے خلاف اولیٰ ہیں۔ عام انسانوں کا تو ذکر ہی کیا ہے وہ تو سر بسر بھی جھوٹ جائیں تو قنیمت چاہیے۔ صفائے پر اصرار ان کے لیے کبار کا پیش خیمہ ہوتا ہے اور کبار پر عدم استغفار، کبھی تو کفر تک پہنچا کر دیتا ہے اور کبھی خاتمہ بالآخر خطرے

میں پڑ جاتا ہے۔ اسی لیے حضرت رسالت مآب ﷺ ہمیشہ توبہ و استغفار کی طرف توجہ دلاتے رہتے تھے اور برابر یہ تلقین فرماتے رہتے تھے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی اور ان کے نتائج سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے رہنا چاہیے۔ ایک مرتبہ توبہ کا سب سے بہتر طریقہ یہ ارشاد فرمایا کہ جب بھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اچھی طرح نہا دھو کر یا پھر اچھی طرح وضو کر کے دو نفل نماز توبہ کے پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے خوب اچھی طرح معافی مانگنی چاہیے اور پھر اللہ تعالیٰ سے یہ امید رکھنا مستحب اور نیکی کا کام ہے کہ اس پاک ذات نے اس گناہ کو معاف فرما دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ کرنا چاہیے، آئندہ اس گناہ کا ارتکاب نہ کرنے کا عزم کر کے نیکی کے کاموں میں مصروف ہو جانا چاہیے۔

شریعت نے ایک طریقہ یہ بھی بتایا کہ جتنا بڑا گناہ ہو جائے، حتیٰ ہی بڑی نیکی کرنی چاہیے۔ خود سوچ کر فیصلہ کرنا چاہیے کہ میں نے گناہ کتنا بڑا کیا ہے اور اب کون سی ایسی نیکی کروں جو اس گناہ کو دھوئے میں مؤثر ثابت ہو اور پھر اگر وہ گناہ لوگوں کے سامنے کیا ہے تو نیکی بھی لوگوں کے سامنے کرنی چاہیے اور اگر گناہ تنہائی میں ہوا ہے تو یہ نیکی بھی چپکے سر انجام دینی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے قاعدے کی یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ نیکیاں گناہوں کو دھو دیتی ہیں۔

توبہ کا تیسرا طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ دعائیں کثرت سے پڑھنی چاہیں جن میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی گئی ہے۔ مثلاً حضرت رسالت مآب ﷺ اپنی ایک ایک نشست میں سو سو مرتبہ استغفار کا یہ جملہ ارشاد فرماتے تھے۔

① اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ
الْقَيُّومُ وَ أَتُوبُ إِلَيْهِ.

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں کہ وہ ایسی ذات ہے کہ اس کا کوئی
شریک نہیں وہ ہمیشہ زندہ اور ہمیشہ قائم رہنے والا ہے اور میں اپنے اس گناہ
سے توبہ کرتا ہوں۔

بھی کبھی یہ جملہ ادا فرماتے:

② رَبِّ اغْفِرْ لِي وَ تُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ
التَّوَّابُ الْغَفُورُ.

ترجمہ: اے اللہ مجھے معاف فرما دے اور اے اللہ میری توبہ کو قبول فرما لے بلاشبہ
تو تو اپنے بندوں کی توبہ کو بہت زیادہ قبول فرماتا ہے اور تو بہت زیادہ بخشنے والا
ہے۔

بھی کبھی یہ جملہ ارشاد فرماتے:

③ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَ أَتُوبُ إِلَيْهِ.

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں اور اس کے سامنے اپنے گناہوں
سے توبہ کرتا ہوں۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے تھے کہ ہم کبھی کبھی گنتے تھے اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ایک ایک نشست میں ان تین جملوں میں سے کوئی ایک استغفار کا جملہ سو مرتبہ عرض کرتے تھے۔ اسی لیے آپ نے ایک مرتبہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ قیامت میں سب سے زیادہ خوش قسمت انسان وہ ہوگا، جس کے نامہ اعمال میں کثرت سے استغفار ہوگا۔

تو یہ استغفار کی ایک اور دعا جس کی نسبت حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے کی گئی ہے بلکہ یہاں تک بھی کہا گیا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو یہ استغفار کے لیے یہی دعا مانگا کرتے تھے، وہ یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تُبْتُ اِلَیْكَ مِنْهُ، ثُمَّ
عُدْتُ فِیْهِ، وَ اَسْتَغْفِرُكَ لِمَا اَعْطَيْتُكَ مِنْ نَفْسِیْ
ثُمَّ لَمْ اَوْفِ لَكَ بِهٖ، وَ اَسْتَغْفِرُكَ لِلنَّعَمِ الَّتِیْ
اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَتَقَوَّیْتُ بِهَا عَلٰی مَعَاصِیْكَ، وَ
اَسْتَغْفِرُكَ لِکُلِّ خَیْرٍ اَرَدْتُ بِهٖ وَجْهَکَ فَخَالَطَنِیْ
فِیْهِ مَا لَیْسَ لَکَ، اَللّٰهُمَّ لَا تُخْزِنِیْ فَاِنَّکَ بِیْ

عَالِمٌ، وَلَا تُعَذِّبْنِي فَإِنَّكَ عَلَيَّ قَادِرٌ.

ترجمہ: اے اللہ پہلے تو میں ان تمام گناہوں سے معافی اور تیری بخشش چاہتا ہوں، جو گناہ میں نے اب تک کی زندگی میں کر کے، تو بہ کی قسم اور پھر اپنی شامت نفس سے دو بارہ انہی گناہوں میں مبتلا ہو گیا۔ پھر اے اللہ میں ان تمام گناہوں سے بھی معافی مانگتا ہوں جو اپنی ذات کے متعلق کوئی وعدے میں نے آپ سے کیے اور پھر وہ وعدے پورے کرنے کی بجائے، پھر انہی گناہوں کو دو بارہ کر لیا اور اے اللہ ان تمام گناہوں سے بھی معافی مانگتا ہوں جو میں نے اس لیے کیے کہ تو نے تو اپنی نعمتیں مجھے دیں لیکن میں نے ان نعمتوں کو تیری نافرمانی کا ذریعہ بنالیا۔ اے اللہ وہ تمام گناہ بھی معاف فرما دے کہ میں نے کوئی نیکی کا کام، جو صرف تجھے راضی اور خوش کرنے کے لیے کرتا تھا لیکن میں نے اس نیکی کے کام میں تیرے علاوہ کسی اور کے خوش کرنے کی نیت کر کے اپنی نیت اور نیکی کو کھوٹا کر دیا۔

اے اللہ مجھے میرے گناہوں کی وجہ سے دوسروں کے سامنے ذلیل نہ کر کہ تو تو میرے کہ تو توں کو خوب جانتا ہے اور اے اللہ مجھے عذاب بھی نہ دے کہ تجھے تو مجھ پر ہر طرح کی قدرت حاصل ہے اور میں تیرے سامنے بالکل عاجز، بے اختیار اور بے بس ہوں۔

پھر استغفار کے ان تمام جملوں اور دعاؤں میں ایک ایسا استغفار کا ورد اور وحیفہ بھی

ہے، جسے سید الاستغفار کہا گیا ہے۔ یعنی استغفار اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے کے جتنے بھی جملے اور دعائیں آئی ہیں، ان تمام دعاؤں میں سب سے بہتر اور سب سے افضل دعا یا ورد۔

اس دعا یا ورد ”سید الاستغفار“ کی اتنی اہمیت اور افضلیت ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے فرمایا جو شخص ان جملوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے صبح کے وقت معافی مانگ لے اور پھر دو پہر میں موت آجائے اور پھر یقین کرے کہ اگر اللہ نے چاہا تو اب میرے گناہ معاف ہو گئے ہیں یا پھر شام کو ان جملوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لے اور رات کو چل پے اور اس کا یہ یقین ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اب میری تمام عمر کے گناہ معاف ہو گئے ہیں تو یہ شخص (اپنی اس توبہ، یقین، اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس ذات پاک سے حسن ظن کے سبب) جنت میں چلا جائے گا۔ اسی لیے ایک روایت میں حضرت رسالت مآب ﷺ نے حکم دیا کہ جس شخص کو بھی یہ ”سید الاستغفار“ کے جملے معلوم ہو جائیں اسے چاہیے کہ وہ یہ ”سید الاستغفار“ میری اُمت کے دوسرے گنہگاروں تک بھی پہنچائے۔

شاید یہ اسی احساس ذمہ داری کا نتیجہ تھا اور حضرت رسالت مآب ﷺ کے فرمان کی تعمیل تھی کہ مکتوبہ شریف اور پھر صحیح بخاری شریف پڑھاتے ہوئے ”سید الاستغفار“ کی یہ روایت آئی تو استاد گرامی قدر حضرت مولانا نور محمد صاحب رحمہ اللہ نے اسے یاد کرنے کا حکم دیا، پھر اگلے دن اسے زبانی سنا اور حکم دیا کہ روزانہ صبح و شام اور سونے سے پہلے بھی اسے کم سے کم ایک مرتبہ ضرور پڑھا جائے۔

وقت گزر گیا اور پھر ”سید الاستغفار“ پر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جب کچھ علمی تحقیق کی نویت آئی تو اندازہ ہوا کہ احادیث کی مختلف کتابوں، مختلف حضرات صحابہ کرام علیہم السلام سے ”سید الاستغفار“ کے مختلف الفاظ مروی ہیں تو تقریباً ان تمام روایات کو جمع کرا کے اسے مرتب کر دیا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ سے روایت شدہ تمام الفاظ ”سید الاستغفار“ میں آجائیں۔

اب جو ”سید الاستغفار“ مرتب ہو سکا ہے وہ یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ، اَنْتَ رَبِّيْ،
اَنْتَ اِلٰهِيْ، اَنْتَ خَلَقْتَنِيْ، وَاَنَا عَبْدُكَ، اَمَنْتُ
بِكَ مُخْلِصًا لَكَ دِيْنِيْ، وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَ
وَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا
صَنَعْتُ، اُبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ، وَاُبُوْءُ لَكَ
بِدُنْيِيْ، وَاَعْتَرِفُ بِذُنُوْبِيْ، اَتُوْبُ اِلَيْكَ مِنْ سَيِّئِ
عَمَلِيْ، مِنْ شَرِّ عَمَلِيْ، وَاسْتَغْفِرُكَ لِذُنُوْبِيْ الَّتِيْ

لَا يَغْفِرُهَا إِلَّا أَنْتَ، فَاعْفِرْ لِي ذُنُوبِي، فَإِنَّهُ لَا
يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ.

ترجمہ: اے اللہ تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں۔ اے اللہ تیرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ تو ہی میرا پروردگار اور تو ہی میرا معبود ہے۔ تو نے ہی مجھے پیدا کیا ہے اور بلاشبہ میں تیرا ہی بندہ ہوں۔ میں تجھ پر ایمان لایا اور میں تمام عبادات صرف تیرے ہی لیے کرتا ہوں اور میں اپنی بساط بھر تیرے ساتھ کیے ہوئے عہد و پیمان پر قائم ہوں اور میں نے جو کچھ کام کیے ہیں ان کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ میں ان تمام انعامات کا اعتراف کرتا ہوں جو تو نے مجھ پر کیے اور پھر میں نے جو تیری نافرمانی اور جو گناہ کیے، ان سب کا اعتراف کرتا ہوں۔ میں اپنے ان تمام بُرے کاموں سے تیرے سامنے توبہ کرتا ہوں اور اپنے ان گناہوں کے شر سے بھی توبہ کرتا ہوں۔ اے اللہ میں ان تمام گناہوں سے معافی مانگتا ہوں جنہیں تیرے علاوہ کوئی معاف نہیں کر سکتا۔ اے اللہ میرے تمام گناہ معاف فرما اور حقیقت یہ ہے کہ تیرے علاوہ کوئی بھی ان گناہوں سے معافی دینے والا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے اور توبہ کرنے کے لیے یہ وہ بہترین الفاظ ہیں جنہیں یاد کرنے اور صبح و شام پڑھنے کا حکم حضرت رسالت مآب ﷺ نے اپنے ہر امتی کو دیا بھی ہے اور یہ حکم بھی فرمایا ہے کہ اس ”سید الاستغفار“ کی تعلیم ہر مسلمان کو دی جائے۔

چاہیے کہ ہر شخص اسے نہ صرف خود صبح و شام پڑھے بلکہ اپنے بچوں کو اسے زبانی یاد کروا دینا چاہیے تاکہ گناہوں کے وبال اور محسوس سے بچا جاسکے۔

جو دعا کے ذکر کھولتے ہیں وہی قبولیت کا ذکر بھی کھولتے ہیں۔

فرمایا

دعا افضل ترین عبادات میں سے ہے۔ زبان سے مانگی چاہیے اور زبان کے علاوہ دل سے بھی مانگی چاہیے۔ دل ہی دل میں بغیر زبان بلائے بس اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حوائج اور ضروریات رکھتے رہنا چاہیے۔ یہ جائزہ لیتے رہنا کہ میری دعائیں مقبول ہوئیں یا نہیں ہوئیں، زیادہ مناسب نہیں، بس کسی وقت اس غرض سے غور کر لیا جائے کہ اگر قبول ہو گئی ہوں تو شکر ادا کروں۔ باقی اس معاملے کی کھوج میں نہ پڑے کیونکہ جب وہ تجربے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے گا کہ میری تو اکثر دعائیں قبول ہی نہیں ہوئیں تو شیطان کو مایوسی پیدا کرنے کا موقع مل جائے گا اور پھر یہ اس عبادت سے بھی محروم رہ جائے گا۔ قبول نہ ہونے کا معاملہ تو یہاں تک ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی بھی تمام دعائیں قبول نہیں ہوئیں۔ حضرت رسالت مآب ﷺ نے اپنے قبیلے قریش کے بعض افراد کا نام لے لے کر انھیں بددعائیں دیں لیکن وہ قبول نہیں کی گئیں۔ رمل، ذکوان اور مضرتین قبیلوں کے لیے بددعا کی گئی، لیکن قبول نہیں کی گئی حتیٰ کہ منع بھی فرمایا گیا کہ آپ بددعا نہ کیجیے۔

تو بندے کا کام بندگی ہے۔ قبولیت اس کے اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ قبولیت کے اسباب تلاش کرے جیسے ہمیشہ سچ بولنا، حلال کارزق کھانا، اس وقت دعا مانگنا جو وقت

قبولیت کا ہے جیسے تہجد کا وقت، مجلس نکاح کے آخر کا وقت، بارش کے آغاز میں بارش میں ایسے کھڑے ہو کر دعا مانگنا کہ بارش اس پر پڑے، درود افطار کرتے وقت، اذان اور اقامت کا درمیانی وقت وغیرہ اور وہ جگہیں جہاں دعا قبول ہوتی ہے جیسے مساجد، حضرت رسالت مآب ﷺ کا روضہ مبارک اور مسلمانوں کی وہ قبور جہاں غالب گمان ہو کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت یہاں بھی برسی ہوگی۔ ایسے ہی ان افراد سے دعا کروانا جن کی دعائیں قبول ہونے کے زیادہ امکانات ہیں جیسے اپنے ماں باپ، علماء کرام، اولیاء اللہ، غرباء و مساکین، مسافر اور مدارس میں پڑھنے والے بچے وغیرہ، تو یہ اسباب اختیار کرے۔ باقی چونکہ قبولیت خود اپنے اختیار میں نہیں تو جو بات غیر اختیاری ہے، اس کو سوچ کر پریشان ہونا یا اس پر غور کرتے رہنا، مایوس ہونا، محض اپنے وقت اور صلاحیتوں کا ضیاع ہے۔ اپنا کام کرے اور جو مانگتا ہے، مانگتا رہے۔ دنیا میں فقیر ہمیشہ اپنے جیسے بندوں سے ایک ہاتھ پھیلا کر مانگتے ہیں کیونکہ دینے والے بھی تو بندے ہی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو جی رکھ اور شہنشاہ ہے وہاں ایک نہیں دوئوں ہاتھ پھیلا کر مانگنے کے دینے والا تو کل کائنات کا حاکم بھی ہے اور حکیم بھی۔ وہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کیا اور کتنا دینا ہے۔ ہر وقت تجویز ہی نہ کرتا رہے تفویض سے بھی کام لے کر ملے یا نہ ملے اس ذکر کو نہیں چھوڑنا، مانگتے ہی رہنا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ تہجد میں کیا خوبصورت شعر پڑھتے تھے کہ میں ہمیشہ آپ کے درودِ ملت پر بھیک مانگتے آتا ہوں اور اس دور سے بھیک مانگنا صرف میرا پیشہ ہی نہیں میرے باپ دادا بھی اسی درِ اقدس پر حاضر ہو کر مانگتے تھے۔ میں تو پستی بھکاری ہوں، دروازہ کھول دیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جس شخص کے لیے دعا مانگنے کا دروازہ کھل گیا اس کے تودارے نیارے ہو گئے۔ جو دعا کا ذکر کھولتے ہیں وہی قبولیت کا بھی ذکر کھولتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کو مستوجب کرنے کے لیے خاص کلمات

فرمایا (اللہ تعالیٰ کی شاکہ وہ جملے جن میں تسبیح اور تحمید، دونوں یکجا ہوں، یہ جملے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ایسے جملے ہیں، جو اس مالک کو خود بہت پسند بھی ہیں اور یہ جملے بہت بہترین ذکر بھی ہیں، اللہ تعالیٰ کی رضا ان جملوں سے حاصل ہوتی ہے، گناہ معاف ہوتے ہیں اور رزق کے دروازے بھی کھلتے ہیں۔ جب بھی رزق کی تنگی ہو یا قرض کا بوجھ ہو جائے یا اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرنے اور ذکر کرنے کو جی چاہے تو ان جملوں کو بار بار پڑھنا چاہیے۔ یا پھر ان میں کسی بھی جملے کو اپنا ورد بنا لینا چاہیے مثلاً یہ کہ جملہ ① روزانہ صبح و شام ایک سو مرتبہ (ایک تسبیح) پڑھ لیا جائے یا یہ کہ جملہ نمبر ①، ②، ③ کسی بھی جملے کو روزانہ اتنی مرتبہ پڑھنا مقرر کر لیا جائے تو یہ ایک ورد یا وظیفہ بن جائے گا۔

① سُبْحَانَ اللَّهِ وَ بِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے اور اس کے ساتھ ہی تمام حمد و ثنا اسی کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ، جو عظمت والا، بلند شان اور بے عیب ہے۔

② سُبْحَانَ رَبِّي وَ بِحَمْدِهِ.

ترجمہ: میرا پروردگار ہر عیب سے پاک ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تمام حمد و ثنا بھی اسی کے لیے ہے۔

③ سُبْحَنَكَ اللَّهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَ أَتُوبُ إِلَيْكَ.

ترجمہ: اے اللہ تو ہر عیب سے پاک ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تمام حمد و ثنا بھی تیرے ہی لیے ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تیرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ میں تجھ سے، اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں اور میرے اللہ میں توبہ کرتا ہوں۔

④ سُبْحَنَكَ اللَّهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ.

ترجمہ: اے اللہ تو ہر عیب سے پاک ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تمام حمد و ثنا بھی تیرے ہی لیے ہے۔

⑤ سُبْحَانَ اللَّهِ وَ بِحَمْدِهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ مَا شَاءَ اللَّهُ كَانَ وَ مَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ پاک ہے اور اپنی سب تعریفوں کے ساتھ، سوائے اللہ تعالیٰ

کی مدد کے نہ نیکی کرنے کی قوت ہے اور نہ بُرائی سے بچنے کی طاقت ہے، جو اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ ہو گیا اور جو نہ چاہا وہ نہ ہوا۔ میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اسی کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔ یہ دعا تو اپنی اور اپنے جان و مال کی حفاظت کے لیے صبح و شام پڑھنی چاہیے اور اسے بچوں کو بھی سکھا دینا چاہیے۔

⑥ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ عَدَدَ خَلْقِهِ وَرِضَىٰ نَفْسِهِ وَزَنَةَ عَرْشِهِ وَمِدَادَ كَلِمَتِهِ.

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کے ہر عیب سے پاک ہونے کے ساتھ ساتھ، اس کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوں اور ایسی پاکیزگی و حمد و ثنا جس کی تعداد اس کی مخلوق کے برابر ہے اور ایسی پاکیزگی اور حمد و ثنا جس سے وہ خود بھی خوش ہو اور ایسی پاکیزگی اور حمد و ثنا جو اپنے وزن میں، عرش کے وزن کے مساوی ہو اور ایسی حمد و ثنا جسے لکھنے کے لیے اتنی ہی روشنائی درکار ہو جتنی روشنائی اس کی تعریف کے جملوں کو لکھنے کے لیے مطلوب ہو۔

اس جملے کو جب بھی پڑھا جائے گا تو تین مرتبہ پڑھا جائے گا اور اگر کوئی اس جملے کو تین مرتبہ سے زیادہ پڑھے گا تو پھر تین مرتبہ کی پابندی نہیں رہے گی۔

⑥ سُبْحَانَ اللَّهِ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ

وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا
بِاللَّهِ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔
تمام کائنات میں اسی کی بادشاہی ہے اور تمام تعریفیں بھی اسی کے لیے ہیں
اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ انسان کوئی نیکی کا کام نہیں کر سکتا اور نہ ہی
کسی گناہ سے بچ سکتا ہے، جب تک کہ اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق اس کے شامل
حال نہ ہو۔ میں اس ذات بے عیب کی پاکیزگی اور تعریف بیان کرتا ہوں۔

⑧ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ، أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا.

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کے ہر عیب سے پاک ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی
حمد و شائ بھی بیان کرتا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا
ہوں اور بلاشبہ وہ تو بہت زیادہ قبول فرمانے والا ہے۔

⑨ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْحَيِّ الْحَقِّ الْقُدُّوسِ، سُبْحَانَ
اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بے عیب ہے وہ شہنشاہ، ہمیشہ زندہ، اُس کی ذات موجود اور
وہ ہر عیب سے منزہ ہے۔ میں اس ذات کی پاکیزگی اور تعریف
بیان کرتا ہوں۔



كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ.

(پ۔ ۲۴: سورۃ الروم، آیت: ۳۳)

ہر ایک گروہ، جو کچھ (بھی) اس کے پاس ہے (اس پر)
خوش ہو رہا ہے۔

بیسویں صدی کا سب سے بڑا تختہ۔

فرمایا

بیسویں صدی کی سب سے بڑی دریافت اور اس کا تختہ ”بھوک“ ہے۔ پیٹ کی بھوک، سر چھپانے کی بھوک، مبینوں کی مسافت اور عمر بھر کے تجربات کو منٹوں اور بجلت حل کرنے کی بھوک، جنس کی بھوک اور ان سب کے نتیجے میں تمام اخلاقی اقدار پامال ہو کر رہ گئیں۔

استعماری راج نے دنیا کو جہنم کدہ بنا دیا۔

فرمایا

بیسویں صدی کے استعماری راج نے دنیا کو جہنم کدہ بنا دیا۔ ایسے دکھ دیے اور ان مظالم کی طرح ڈالی، جو اب رہتی دنیا تک ختم نہ ہوگی۔ سیدنا مسیح علیہ السلام کے دور مسعود کا انتظار و استثناء ہے مگر نہ تو اب ہر صدی کی اپنی قیامت برپا ہونے کو ہے۔ بیسویں صدی میں ہی دو عظیم جنگیں لڑی گئیں۔ شمالی افریقہ کے تمام ممالک ان کے مظالم کا شکار ہوئے۔ اٹلی نے لیبیا پر حملہ کیا۔ برطانیہ نے ہندوستان تو ایک طرف مصر کو اپنے قابو میں لے لیا اور ترکوں کو روک دیا کہ وہ طرابلس کے مظلوم مسلمانوں کی مدد کر سکیں، روس نے برطانیہ کے ساتھ مل کر سازش بنالی کہ ایران اور افغانستان کو تقسیم کر دیا جائے۔ برطانیہ اس تقسیم اور لڑائی پر خوش تھا کہ اسے جنوبی ایران میں تیل کے چشموں پر قبضہ مل جائے گا اور اس کے عوض روس، ایران کے شمالی حصوں پر قبضہ کر لے تو برطانیہ مداخلت نہیں کرے گا۔ روس نے ایران کو خون میں نہلا دیا۔ برطانیہ نے یونان کو بھی

شدی کہ خلافت عثمانیہ کے حصے بخرے کر دو لیکن اللہ تعالیٰ ہی نے حفاظت فرمائی۔

شرح اشارات کہ جرح اشارات؟

فرمایا شیخ الرئیس ابو علی حسین بن عبداللہ بن سینا نے اپنی کتاب ”کتاب الاشارات والتنبیہات“ میں جو مشکل اور پیچیدہ الفاظ، تراکیب اور مسائل بیان کیے ہیں، علامہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب کی تشریح کے لیے مزید ایک کتاب لکھی، جس میں انھوں نے تشریحات کے ساتھ ساتھ جا بجا ابوعلی سینا پر جرح بھی کی ہے۔ پڑھنے والوں نے جب اس شرح کو پڑھا تو کہا کہ فخر الدین رازی کی اس شرح کو ”شرح اشارات“ کی بجائے ”جرح اشارات“ کہنا زیادہ مناسب ہے۔ ویسے خولید نصیر الدین محمد بن حسن طوسی نے بھی ”صل مشکلات“ کے نام سے ”کتاب الاشارات والتنبیہات“ کی خوب شرح کی ہے۔ ایران سے اس کتاب کا قلمی نسخہ، سید محمد عمادی حائری کے مقدمے کے ساتھ خوب چھپا ہے۔ اپنے ذخیرہ کتب میں یہ موجود ہے۔ فلسفہ کے شرح اگر اس کتاب سے اقتنا کرتے تو یہ کیا بیر تھا جس کی پالش ہو جاتی۔

۵۸۲ھ میں مصر کے نجومیوں کی پیشین گوئی اور اس کا انجام

فرمایا ۵۸۲ھ منجمین مصر کے لیے بہت رسوا کن تھا۔ ہوا یوں کہ علم نجوم کے تمام ماہرین نے دنیا بھر کے زائچے بنائے اور حکم یہ لگایا کہ تمام عالم میں جانی چمے گی۔

زطل، مرغ، سورج اور چاند ایک ہی برج ”سرطان“ یا ”میزان“ میں جمع ہو رہے ہیں اور ان کے اجتماع کے نتائج حد درجہ تباہ کن ہوں گے۔ سرخ رشتی آنندھیاں چلیں گی اور مسموم ہوائیں بستیوں کو جاڑ دیں گی۔

لوگ ان کے جھانسنے میں آگئے، خندقیں کھدیں، اشیائے خورد و نوش کا ذخیرہ کیا گیا اور اقل قتل مچی لیکن وقت مقررہ آیا اور کسی تغیر و تبدل کے بغیر گزر گیا۔ نجومی جھوٹے پڑے اور ان کی مذمت میں شعر کہے گئے۔ ابو الفنا تم محمد نے اس دور کے ایک قابل ذکر نجومی ابو الفضل پر پھبتی کسی

قل لأبسی الفضل قول معترف

مضی حمادی و جاء نارحب

وما حرت زعزع كما حکمو

ولا بدنا کو کسب لہ ذنب

ترجمہ: ابو الفضل نجومی کو یہ طے شدہ بات بتا دو کہ حمادی الاول گزر گیا اور رجب آ گیا، ان دونوں مہینوں میں آپ کی دشمن گونیوں کے مطابق شدید آنندھیاں اور تباہیت تیز اور تباہ کن ہوائیں چلیں گی مگر ایسے ہوا نہیں اور ایک دھار ستارہ، جس کی آپ نے دشمن گوئی کی تھی، وہ بھی غا ہر نہیں ہوا۔ پھر ان جھوٹے نجومیوں کو سمجھایا:

مدبر الامر واحد لیس للیب

سعة في كل حادث سبب

لا المشرى سالم ولا زحل

باق ولا زهرة ولا قطب

ترجمہ: دیکھیے پوری کائنات کے کاموں کو بنانے والی ایک ہی ذات (اللہ تعالیٰ کی) ہے اور اس کی طرف نامناسب باتوں کی نسبت کرنا (تحویل بروج و نجوم) درست نہیں ہے۔ یہ تمام ستارے مشتری، زحل، زہرہ اور قطب قافی ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

یورپ کی سائنسی ترقی میں مسلمانوں کا حصہ

فرمایا) یورپ میں سائنس کو جتنی بھی ترقی ملی اور آج اس ترقی کے پھل پھول سے جو تمام دنیا مستفید ہو رہی ہے، اس ترقی کی اصل بنیاد مسلمانوں کی وہ ترقی، تہذیب اور اصول و ضوابط ہیں، جو انہوں نے تبیین میں دنیا کو عطا کیے تھے۔ علامہ اقبال مرحوم نے فارسی کے چند اشعار میں اس حقیقت کا انکشاف بہت خوبصورتی سے کیا ہے۔

حکمت اشیاء فرنگی زادہ نیست اصل او جز لذت ایہاد نیست
چوں عرب اندر اردو ما پر کشاد علم و حکمت را بنا دیگر نہاد
وانہ آں صحرائے نبیاں کا شہد حاملش افرنگیاں برداشد
ترجمہ: دنیا کی کسی چیز میں کیا اثر حکمت ہے، فرنگی زادے اس علم سے بے
خبر تھے۔ انھوں نے مختلف اشیاء کے باہمی ملاپ سے جو لذت پیدا ہو سکتی
ہے (کیا) اسے ڈھونڈ نکالا۔ مغربی ممالک جب مسلمانوں نے فتح کیے تو

اس علم و حکمت کی بنیاد انھوں نے وہاں ڈالی۔ ان مسلمان صحرائیوں نے اس جدید سائنس کا بیج وہاں کاشت کیا اور یہ انہی بیجوں کی فصل (سائنس) ہے، جسے اب فرنگی کاٹ کر، جمع کر رہے ہیں۔

اونٹ اور ہندوستان کی معاشرتی زندگی

فرمایا اونٹ کی خصوصیت کچھ عربوں کے ساتھ ہی نہیں ہندوستان میں بھی یہ برابر معاشرتی زندگی کا حصہ رہے ہیں۔ اکبر بادشاہ نے انھیں چٹھی رسانی کے لیے استعمال کیا تھا۔ اس کثرت سے اونٹ ہوتے تھے کہ ہندوؤں کے ایک فرقے ”راہباری“ نے اپنے آپ کو اونٹوں ہی کے لیے مخصوص کر لیا تھا، وہ اونٹوں کی صحت، علاج، ادویہ اور غذا کے ماہر تھے۔ ویسی اونٹوں کی ایسی عمدہ تربیت کرتے تھے کہ وہ سفر کے مقصد صحیح طور پر پورے کر دیتے تھے، کم وقت اور سرعت رفتار۔

دنیا میں حسد اور آخرت میں جہنم کی آگ میں جلنے والے

فرمایا حسن زندگی کے حقائق میں سے ایک ہے۔ اس سے لطف اٹھو نہ ہونا چاہیے اور اس لطف کی حد بندی کر لینا عقل کی دلیل ہے۔ جو چیز بھی اپنی حدود کو عبور کر جائے وہ باعث زحمت بن جاتی ہے۔ شدید سردی پڑ رہی ہو، باد و باران کا سامنا ہو، بیخ بستہ ہوائیں ہوں اور برقیاری شروع ہوتے ہی شام کے اندھیرے چھانے لگیں تو ایسے میں گرم لٹاف اور بستر کی قدر کس کو نہ ہوگی لیکن اسی لٹاف میں روتی مناسب

مقدار کی بجائے محض شناس دی جائے تو ایسا بھاری بھر کم لحاف جسم کو تھکا تو دیتا ہے لیکن نیند سے لطف نہیں اٹھانے دیتا۔ سو حسن سے قناعت جب حدود میں متعین ہو تو زندگی اپنی بہار دکھاتی ہے۔ پھر یہ بھی مسئلہ ہے کہ حسن کا مورد کیا ہے؟ عمارت ہے، کتاب ہے، کپڑا ہے، چہرہ ہے، دریا ہے، پہاڑوں کا سلسلہ ہے اور یہ بھی تو ہے کہ دیکھنے والا کون ہے؟ دیکھنے والوں کی ایک قسم ہے:

۱۔ تک و دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

ایک قسم ہے جو حسن میں تصرف چاہتی ہے۔ ایک قسم ہے جو حسن کو اپنی ملکیت میں دیکھنا چاہتی ہے، خود مالک ہوں تو درست اور قابل فخر اور غیر مالک ہو تو حسد اور اس حسن تک کو زائل کرنے کی مذموم کوشش۔ ایسے ہی لوگ ہیں، جن کو دنیا میں حسد اور آخرت میں جہنم کی آگ میں جلنا ہے۔ ان کے لیے تو حسن کو دیکھنا ہی رو انہیں۔

اہل علم تجارہ گئے اور جہاں کی محفلیں گرم ہو گئیں۔

﴿فرمایا﴾ دیار اہل اسلام، علم سے ایسے اجڑے ہیں کہ اب بننے کا نام نہیں لیتے۔ جہالت کا ایسا غلبہ ہوا ہے کہ گویا زوال اس کا مقدمہ نہیں۔ علوم شرقیہ کو گھن لگا ہوتا تو بھی کوئی بات تھی اس پر شجر کو تو آ رہے سے کاٹا جا رہا ہے۔ نتیجہ یہ کہ تہذیب زوال پذیر ہو گئی ہے۔ مشائخ، علم سے ایسے بے بہرہ ہیں کہ ہمارے دور کے اکثر نماز تک سنت کے مطابق ادا نہیں کرتے اور علماء محض عقل سے فتویٰ دیتے ہیں۔ جس کی بات جتنی سمجھ میں آئی اپنی معاشی اور معاشرتی مصلحت دیکھ کر اپنی سمجھ کے مطابق مسئلہ بنا دیا۔

مفتی اردو کے فتاویٰ دیکھ کر کام چلاتے ہیں کیونکہ محنت سے پڑھائیں اور اب افتاء کا منصب ہاتھ لگ گیا ہے تو جو کئی تعلیم و تربیت میں رو گئی تھی اسے کیسے پورا کریں۔ پڑھنے کی بات ایسی اجنبی ہو گئی ہے کہ جیسے اس مسافر کو کوئی جانتا تک نہیں اسی لیے اہل علم تیار ہو گئے اور جہاں کی محفلیں گرم ہو گئیں

۷۔ مال ہے نایاب اور گاہک ہیں اکثر بے خبر
شہر میں کھولی ہے حالی نے، دکاں سب سے الگ

کیا غفلت میں گزری زندگی کی بھی قضا ممکن ہے؟

فرمایا عبادات کی قضا ہے۔ نماز کی قضا، روزے کی قضا، حج اور عمرے کی قضا لیکن جو زندگی غفلت میں گزر جائے کیا اس وقت کی قضا بھی ممکن ہے؟

حصولِ علم کے مختلف مراحل اور نیت کی درستگی

فرمایا علم کا آغاز خاموشی سے ہوتا ہے کہ استاد کے سامنے بولے نہیں، خاموش بیٹھے۔ اس کے بعد دوسرا مرحلہ سنا ہے کہ استاد بیان کریں اور طالب علم سنے۔ تیسرا درجہ استاد سے سنے یا پڑھے ہوئے علم کو حفظ کرنا ہے کہ استاد کے بیان کردہ علم کو ذہن یا تحریر کے ذریعے محفوظ کر لے۔ چوتھا درجہ عمل ہے کہ علم جب عمل کے مرحلے سے گزرتا ہے، تو پختہ ہو جاتا ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے اینٹ لگی ہوئی ہے اور جب اسے آگ دکھائی جاتی ہے تو پختہ ہو جاتی ہے۔ اب پانچواں مرحلہ آتا ہے کہ اس علم کو بیان کرے یا اس کو شائع کرے۔

یہ تو طریقہ ہے کسی بھی علم کو محفوظ رکھنے کا اور ان تمام مراحل میں اگر نیت درست ہوگی تو پھر برکت بھی آئے گی اور اگر نیت ہی درست نہ ہو تو پھر عابثاً علم تو آ جائے گا لیکن برکت اٹھ جائے گی۔

در بار الہی میں حاضری اور ناپاکی کا کوئی میل نہیں۔

فرمایا

حضرت رسالت پناہ ﷺ کا سینہ مبارک شب معراج میں چاک کر کے ظاہر و باطن، تقدیس کی اعلیٰ سطح پر پہنچایا گیا۔ پھر اسے ایمان اور حکمت سے بھر دیا گیا۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا کہ نماز جیسی عبادت اور حضرات انبیاء علیہم السلام اور فرشتوں کی کلمات کے لیے یہ اہتمام ضروری تھا۔ ملا اعلیٰ کا ملاحظہ کرایا گیا اور انھیں اس شب پروردگار عالم، اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے مناجات کا شرف بخشا گیا۔ اس کے بعد پانچ نمازیں فرض کی گئیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کا کیا شرف اور مقام ہے۔ اسی لیے اب بھی کوئی شخص جب نماز کی تیاری کرتا ہے تو پہلے پاکیزگی حاصل کرتا ہے کہ دربار الہی میں حاضری اور ناپاکی کا کوئی میل نہیں۔ پھر فرشتوں کی ہم رکابی سے اسے ملا اعلیٰ سے مناسبت حاصل ہوتی ہے اور پھر وہ نماز میں اپنے پروردگار سے شرف مناجات پاتا ہے۔ جو لوگ نماز سے غافل ہیں وہ کس مقام سے محروم رہتے ہیں؟ کاش کہ انھیں احساس ہو۔

حاتم علی کی نصیحت

فرمایا

حاتم علی اپنی ستاوت کے لیے مشہور تو ہے لیکن وہ بہت دانا شخص بھی

تھا۔ اس کا ایک شعر ہے۔

فَبِئْسَ لَكَ إِذَا أُعْطِيتَ نَبْطَكَ سُوْنَةً

وَفَرَحُكَ نَالًا مُسْتَنْهَسِي الدَّمِ اُجْمَعَا

(ترجمہ) اگر تم اپنے پیٹ اور شرمگاہ دونوں کی مرادیں پوری کرتے رہے تو تم انجام کار رسوا ہو جاؤ گے۔

جو شخص ہر وقت کھانے پینے میں یا اپنی جنسی خواہشات پوری کرنے کی فکر میں رہے گا اس کے پاس تعمیر کا مومن کے لیے وقت ہی کیا بچے گا اور پھر اس حیوانیت کے لیے جو مال درکار ہوگا وہ کہاں سے آئے گا؟ نتیجہ یہ کہ جب حلال مال ناکافی ہوگا تو وہ ضرور حرام مال حاصل کرنے میں منہمک ہو جائے گا اور ایسی حرکتوں کا انجام بجز رسوائی کے اور کیا ہے؟

”رتھ“ اور مرزا غالب کی وضاحت

فرمایا ”رتھ“ کے متعلق اہل دہلی میں اختلاف تھا کہ یہ لفظ مذکر بولا جائے گا یا مؤنث؟ مرزا غالب سے دریافت کیا گیا تو فرمایا: بھیا جب رتھ میں خواتین سوار ہوں تو مؤنث کہو اور جب مرد شخصیں تو مذکر کہوں۔

سکتن، ادباغ اور سوتن

فرمایا اردو زبان میں سوکن یا سوتن لفظ اس دہکن کے لیے بولا جاتا ہے، جو مرد اپنی پہلی

لیکن پرلاتا ہے۔ فارسی میں اس کا ترجمہ ہے ”انبار“۔

۷۔ کانٹا نرا کرمل کا اور ہدری کا گھام

سوکن نری ہے پٹن کی اور سامنے کا کام

سنسکرت زبان میں دشمن کو ”سچن“ کہتے ہیں۔ اور وہیں سے یہ لفظ پنجابی اور اردو میں

بدل کر سوکن ہو گیا کہ یہ دونوں بیویاں بھی آپس میں دشمن ہوتی ہیں۔

دنیاۓ سیاست ثاقب الذہن شخص کی طلبگار ہوتی ہے۔

فرمایا

مکی سیاست ایک الگ بات ہے اور کسی شخص کا صاحب تقویٰ ہونا الگ بات

ہے۔ ممکن ہے کہ ایک شخص نہایت متقی اور پرہیزگار ہو، نفس نمازیں تک قضاء نہ کرتا ہو

اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مقربین بارگاہ میں سے ہو اور امور مملکت میں اس کی رائے بالفعل

قابل اعتناء نہ ہو۔ اور اس کے مقابلے میں ایک شخص امور مملکت اور سیاست کا پادشاہ ہو

لیکن اس کی زندگی تقویٰ و طہارت کے معیار پر پوری نہ اترتی ہو۔ امور دنیا چلانے کے

لیے اس دوسرے شخص کو ترجیح دینی چاہیے، یہ نہیں ہوتا چاہیے کہ فلاں حضرت چونکہ فلاں

کے خلیفہ ہیں اور اس قدر متقی و پرہیزگار ہیں اس لیے سیاست میں بھی منصب قیادت کے

اہل ہیں۔ پاکستان میں دیندار صلتوں کو سیاست کے میدان میں ہی طرز عمل نے ڈبو یا ہے کہ

چونکہ ہمارے حضرت چٹاں و چٹیں ہیں لہذا سیاست میں بھی انہی کا ساتھ دینا ہے جبکہ

دنیاۓ سیاست ثاقب الذہن شخص کی طلبگار ہے۔

حضرت امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا طرز عمل یہی تھا۔ وہ نہایت متقی فرد کی بجائے انتہائی

اہلِ شخص کو ڈھونڈتے تھے۔ دونوں خوبیاں کہ کوئی شخص دین کے اعتبار سے بھی معیار ہو اور سیاست کے گھوڑے پر بھی، لگام اپنے ہاتھ میں رکھتا ہو، نہایت نادر الوقوع ہے۔ خیر القرون میں ایسے افراد کیاب تھے تو اب تو انار کا معدوم والی بات ہے۔ غور کرنا چاہیے کہ حضرت امیر المومنین سیدنا عمرؓ نے حضرت شریل بن حسنؓ کو معزول کر کے حضرت معاویہؓ کو گور بنا دیا تھا حالانکہ حضرت شریل بن حسنؓ نے مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کیا تھا۔ پھر حبشہ اور مدینہ منورہ، دو ہجرتیں کی ہیں۔ حضرت رسالت مآبؐ نے انھیں مصر اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا حتیٰ کہ مدینہ منورہ میں آپ کی وفات ہوئی اور حضرت شریلؓ مصر ہی میں تھے۔ پھر سیدنا ابوبکرؓ نے انھیں شام کے لیے جہاد میں روانہ فرمایا لشکر کی قیادت انھیں دی۔ پورا اردن انہوں نے فتح کر کے اسلام کی جھولی میں ڈال دیا۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے بھی فوج کے بعض دستوں کی امارت انھیں دی اور ان پر اعتماد کا اظہار فرمایا۔

جہاں تک ان کی فضیلت کا تعلق ہے سیدنا حضرت معاویہؓ ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچتے۔ حضرت معاویہؓ نے اسلام ہی فتح مکہ کے بعد قبول کیا ہے اور قرآن نے خود یہ کہا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے اور اس کے بعد، اسلام قبول کرنے والے، دونوں گروہ برابر کا درجہ نہیں رکھتے تو سیدنا معاویہؓ کو گور گرچہ رہے ہیں ان سے ہر جہاں کم تھے، لیکن سیدنا عمرؓ

① یہ لفظ عربی ہے جسے عام لفظی سے ”مترادف“ پڑھتے ہیں۔ ہوابہ ہے اس لفظ میں ”ز“ کے بعد حرف ”ع“ ہے اور اس کے بعد لفظ ”ب“ ہے۔ لفظ ”ابو“ لے ”ب“ کا لفظ ”ز“ کے پہلے میں ڈال کر ”ز“ کو ”ع“ بنا دیا ہے اور ”ب“ کا شوق کا ب کر دیا ہے اس لیے یہ لفظ مترادف کی جگہ ”مترادف“ پڑھا جائے گا ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔ حضرت عمرؓ نے بھی بن حسنؓ کو معزول کیا اور ”بن حسنؓ“ کی جگہ ”بن خالدؓ“ کا نام ہے اور ان کے والد کا نام عبد اللہ بن مطاع بن عبد اللہ بن عمرؓ ہے۔

نے اپنے دور خلافت میں قیادت ان سے لے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دے دی تھی۔ حضرت شرمیل رضی اللہ عنہ نے اپنی معزولی کا سبب یہ کہہ کر دریافت کیا کہ امیر المؤمنین کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں، اس لیے آپ نے مجھے معزول کیا ہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں شرمیل بات یہ نہیں ہے بلکہ میں نے تو یہ کیا ہے کہ جو پہلے اس عہدے پر فائز تھا (شرمیل) میں نے دیکھا کہ ایک شخص (معاویہ) اس پہلے آدمی سے زیادہ اس عہدے کا حق ادا کر سکتا ہے تو میں نے اسے مقرر کر دیا ہے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ افضل نہیں۔ افضل تو حضرت شرمیل رضی اللہ عنہ ہی ہیں لیکن انصافیت کے باوجود جب ان سے بہتر ایک شخصیت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سامنے نظر آئی تو گورنر انہیں ہٹا دیا۔ یہ طرز عمل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا تھا اور جو ان کا طرز عمل ہے وہ اسلام بھی ہے اور اسلام کی بنیاد بھی۔

جروش اور جوارش جالینوس

فرمایا حکماء کے ہاں مختلف بیماریوں کے علاج میں ایک دوا کھلائی جاتی ہے، جسے ”جوارش“ کہتے ہیں۔ جوارش کی کئی قسمیں ہوتی ہیں اور یہ مختلف جڑی بوٹیوں اور ادویہ کے اختلاط سے بنتی ہیں جیسے ہمارے ہاں ”جوارش جالینوس“ بہت مشہور ہے۔ جوارش کا یہ لفظ درحقیقت عربی کے ایک لفظ ”جروش“ سے بنا ہے اور ”جروش“ کہتے ہیں اس آواز کو جو کسی سخت چیز کے چبانے سے دانتوں سے پیدا ہوتی ہے۔ جو تک اچھی طرح کونا نہ گیا ہو اسے ”مخجرجش“ کہتے ہیں کیونکہ اس تک کو کوئی چبانے کا تو آواز

پیدا ہوگی، سانپ جب اپنی کنگھی بدلتا ہے تو اس کے اترنے سے جواز پیدا ہوتی ہے، اس آواز کو بھی ”جرش“ کہتے ہیں۔ مختلف اشیاء چھلنے سے جواز پیدا ہوتی ہے اسے بھی ”جرش“ کہا جاتا ہے اور اس دوا کو بھی ”جوارش“ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے کھانے سے آواز پیدا ہوتی ہے۔

سبز یوں کا گہرا رنگ اور کلوروفل

فرمایا سبزی کا رنگ جتنا گہرا سبز ہو وہ اتنی ہی مفید ہوتی ہے۔ بعض پھل اور سبزیاں جو گہرا رنگ تک پہنچ جاتی ہیں تو درحقیقت ان میں کلوروفل زیادہ ہو جاتا ہے اور کلوروفل (Chlorophyll) کا دانتوں کے لیے نفع بخش ہونا سائنس کی ایک حقیقت ہے۔

قریش کی فصاحت و بلاغت

فرمایا جزیرہ عرب میں سب سے زیادہ فصیح و بلیغ عربی قریش مکہ کی تھی۔ زبان کے معاملے میں عربوں کا کوئی شہر یا قبیلہ ان کا ہم پلہ نہ تھا۔ جیسے اردو زبان کے معاملے میں دہلی اور لکھنؤ کی اردو سند مانی جاتی تھی اسی طرح قریش کی عربیت اپنے دور میں مسلم تھی۔ قریش ساکنین حرم اور بیت اللہ کے مجاور تھے۔ حج اور عمرے کی غرض سے بھی اور بڑے بڑے قبائل اپنے باہمی اختلافات میں فیصلہ کرانے کی غرض سے بھی مکہ مکرمہ حاضر ہوتے اور قریش سے رجوع کرتے۔ قریش نہ صرف یہ کہ ہر طرح کا تعاون کرتے بلکہ دین ابراہیمی کے وارث ہونے کے دعوے میں غنی غنی بدعات بھی

شروع کرتے اور عالم عرب کو ان بدعات کا اتباع، دین ابراہیمی سمجھ کر کرنا پڑتا۔
 قریش اپنی ذہانت کی وجہ سے مشہور بھی تھے اور ان کی ذہانت ہی کی یہ بات تھی کہ وہ
 مختلف قبائل کے اشعار اور ان کے خطباء کا کلام سن کر، اس میں سے اچھی اچھی لغات،
 الفاظ اور تراکیب آہستہ آہستہ اپنی زبان میں شامل کرتے رہتے۔ مدتوں یہ عمل جاری
 رہا اور قریش جو عربی بولتے تھے یہ اس کا ارتقا کی سفر تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی عربی دنیا کی
 فصیح ترین زبان قرار پائی، مانی گئی، اور فطرت زبان کو ان مراحل سے اس لیے بھی
 گذار رہی تھی کہ اس میں وحی خداوندی (قرآن کریم) کو نازل کیا جائے۔ دنیا کے فصیح
 ترین فرد حضرت رسالت مآب ﷺ کو اس قبیلے میں پیدا کیا جائے اور پھر ایک ایسی
 جماعت، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی بنیادی طور پر اسی قبیلے کے افراد ہوں جو
 فصاحت و بلاغت میں اپنی مثال آپ ہوں۔ وہ ایسی خوبصورت زبان بولیں کہ سننے
 والے عیش عیش کر لیں۔ وہ دوران کلام الفاظ اور تراکیب کا ایسا عمدہ چناؤ کریں جیسے
 کوئی مان موسم بہار کی ایک صبح، رنگت و خوشبو کی نزاکت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ایک
 دلکش و خوشنما گلہ مست تیار کرتی ہے۔ قرآن کریم اسی لیے لغت قریش میں نازل ہوا تھا۔
 ایسی، ہر عیب سے ممیز ازبان، امام محمد بن حسن الشیبانی حنفی رحمہ اللہ بولتے تھے کہ وہ خالص
 عرب اور عربوں کے قبیلے شیبان کے ایک ہونہار فرزند تھے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ
 ان کے شاگرد تھے اور اپنے استاد امام محمد رحمہ اللہ کی زبان دانی کی تعریف میں فرماتے
 تھے کہ قرآن امام محمد رحمہ اللہ کی عربیت میں نازل ہوا تھا اور یہ ایسے ہی ہے جیسے ہم یہ
 کہیں کہ قرآن کریم اگر وہابی میں نازل ہوتا تو حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمہ اللہ

کی اردو میں نازل ہوتا۔

یہ جو قریش کی عربیت ہر عیب سے مزین تھی، اس بات کو سمجھنے کے لیے ہمیں چاہیے کہ اس دور کے دیگر عرب قبائل کی زبان سے اس کا تقابل کریں کہ یہ دعویٰ واضح ہو۔

تو سنئے کہ اس زمانے میں مشہور عرب قبیلہ قحیم کی عربیت ”مصحفہ“ کے عیب سے پرہیزی جہاں کسی کلمے کے آغاز میں ہمزہ آیا اور انہوں نے ”میں“ ”پڑھا۔ قریش“ ”ان“ کا لفظ بولتے تھے اور یہی فصیح عربی تھی جب کہ بنو قحیم ”میں“ بولتے تھے۔ تمام عرب ”اسلم“ بولتے تھے اور یہ بنو قحیم ”عسلم“ بولتے تھے اور ان کے اسی عیب کو ”مصحفہ“ کہا جاتا تھا یعنی ہمزہ کی بجائے سین بولنا اور زبان کا یہی عیب قبیلہ ”قیس“ کے عربوں میں بھی تھا۔

بنو ہریدہ اور معمر دونوں ممتاز عرب قبائل لیکن ان کی عربیت ”کسکسہ“ اور ”کککسہ“ کے عیوب کی ماری ہوئی تھی۔ جب کسی مذکر کو مخاطب کرنا ہوتا تھا تو خطاب کے ”ک“ کو یا تو سین سے بدل دیتے تھے اور یا پھر ”ک“ کے بعد ”س“ کا اضافہ کر دیتے تھے۔ مثلاً زَائِنُکُ (میں نے تمہیں دیکھا) یہ وہ عربی ہے جو آج قرآن حکیم کی عربی ہے اور یہی قریش کی فصیح عربی تھی۔ بنو ہریدہ اور معمر کے قبائل کے افراد اس کو کبھی تو پڑتے تھے زَائِنُکُمْ (میں نے آپ کو دیکھا) اور بعض افراد تو اس کو مخاطب کا ”ک“ بالکل غائب کر دیتے تھے اور بولتے تھے زَائِنُسُ (میں نے آپ کو دیکھا)۔

سو یہ مذکر مخاطب کے ”ک“ کے بعد ”س“ کا اضافہ یا ”ک“ کو ”س“ سے بدل دینا ان کی اس عادت یا لہجے یا تلفظ کو قصداً عیب جانتے تھے اور بتاتے تھے کہ ان قبائل کی زبان میں ”ککسہ“ کا عیب ہے۔

پھر یہی قبائل، یہی الفاظ جب کسی عورت یا مؤنث کے لیے ادا کرتے تھے تو ”ش“ کا اضافہ کر دیتے تھے۔ مثلاً قریش کی بے عیب عربی تھی زَانُثٌ (میں نے آپ (خاتون) کو دیکھا)۔ اب ربیعہ اور مضر کہتے تھے زَانُثِکُش (میں نے آپ (مؤنث) کو دیکھا)۔ کسزُث بکر (میں آپ کے پاس سے گذرا)۔ یہ تو قریش کی عربی تھی اور یہ قبائل بولتے تھے کسزُث بکُش (میں آپ (مؤنث) کے پاس سے گذرا)۔ فصحاء عرب اس زبان کو عیب شمار کرتے تھے اور اس عیب کا نام ”کشفہ“ تھا یعنی تانیث میں ”ش“ کا اضافہ۔

قبیلہ ”حذیل“ جن کے فخر اور قیامت تک نام باقی رہنے کے لیے معلم الامۃ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی ہی کافی ہے کہ وہ اس قبیلہ کی آنکھ کا تارا تھے، اس قبیلہ کی عربیت میں ”کُفُحَہ“ کا سقم تھا۔ جہاں ”حاء“ کا لفظ آتا تھا یہ اسے ”عین“ بنا دیتے تھے۔ جیسے قریش تو ”حتی“ بولتے تھے۔ قرآن کریم، حتیٰ کہ اردو زبان میں بھی ”حتی“ ہی کا لفظ بولا جاتا ہے اور حذیل اسے ”عنتی“ بولتے تھے تو ”ح“ کو ”ع“ سے تبدیل کرنا ”کُفُحَہ“ کہلاتا تھا۔

دور حاضر میں اگر اس معاملے کو سمجھنا ہو تو اہل مصر کی زبان سنئے ”ج“ کو ہمیشہ ”گ“ سے تبدیل کر دیں گے۔ حرمین شریفین میں ان کی دعاؤں کو سنئے تو اللہ تعالیٰ سے بکڑ (جنت) مانگ رہے ہوں گے لیکن زبان سے کہیں گے ”سُکُا“ عنایت فرما۔ اردو زبان میں اس کی ایک مثال ”ارے“ اور ”اڑے“ بھی ہے۔ اصل لفظ ”ارے“ ہے لیکن بے شمار ہندوستانی اسے ”اڑے“ بولتے ہوئے ملیں گے۔

حیدر آبادی تو ہمیشہ ”قسم“ کی بجائے ”خصم“ اور ”قیمہ“ کی بجائے ”خیمہ“ کھاتے ہوئے ملیں گے۔

قریش کی عربیت اس طرح کے تمام تقرقات سے مزاحمتی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت رسالت مآب ﷺ کو انہی سے منتخب فرمایا اور قرآن کریم بھی انہی کی عربی میں نازل ہوا۔

ابن خلدون پر ڈاکٹر طحسین کو پڑھنا چاہیے۔

فرمایا ابن خلدون پر پڑھنا ہو تو ڈاکٹر طحسین نے جو کچھ لکھا ہے، وہ پڑھیے۔ اصل کتاب تو انہوں نے فرج میں لکھی تھی پھر خودی محمد عبداللہ منان سے اس کا عربی ترجمہ کروایا تھا پھر عربی سے اردو میں اسے مولانا عبدالسلام ندوی رحمہ اللہ نے منتقل کیا تھا۔ اس ترجمے کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کا مقدمہ حضرت سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا تھا۔ ڈاکٹر طحسین سے یہ کتاب مع مقدمہ 1940ء میں شائع ہوئی تھی۔

کتاب ”سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم“ اور ”حسن تواریخ“

فرمایا اسوۂ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اردو زبان میں کوئی کتاب نہ تھی۔ سب سے پہلے اس موضوع کو قلمبند کرنے کا خیال مولانا نواب حبیب الرحمن شروانی رحمہ اللہ کو آیا اور انہوں نے جب علامہ شبلی نعمانی کو اس طرف متوجہ کیا تو انہوں نے اطلاع دی کہ وہ بھی یہی منصوبہ بنا رہے تھے۔ اس منصوبے کو عملی جامہ تو کچھ تاخیر سے ہی پہنایا جاسکا اور

سیر الصحابہؓ کتابی شکل میں کچھ تاخیر سے ہی سامنے آئی لیکن کم لوگ ہوں گے جنہوں نے اس کی تمام جلدوں کو بغور مطالعہ کیا ہوگا۔

حضرات صحابہ کرامؓ کے متعلق یعنی غیر مختلط زبان اس میں استعمال کی گئی ہے، اردو زبان میں اہل السنۃ والجماعہ نے کون سی اور کوئی کتاب ایسی لکھی ہوگی؟ اس حقیقت کی تردید کا حق صرف اسے حاصل ہے جس نے اس کتاب کا باہم اللہ سے لے کر تاجرت تک بنظر عمیق مطالعہ کیا ہو۔

منذی بہاد الدین سے شائع ہونے والا رسالہ ————— ”صوفی“

فرمایا

منذی بہاد الدین سے ایک رسالہ ”صوفی“ کے نام سے نکلتا تھا اور اپنے دور میں برصغیر کے ممتاز جرائد میں سے ایک تھا لیکن اس کی مکمل فائل اب تک نہ ملی۔ صوفی پر تنقید اینڈ پیسٹنگ کمپنی منذی بہاد الدین کا پنجاب نامی پریس تھا۔ انہوں نے بعض عمدہ اور مفید کتابیں بھی شائع کی تھیں لیکن اب ان کی مطبوعہ کتابیں بھی نایاب ہی ہیں۔ پڑھنے کا رجحان نہیں ہے اس لیے مارکیٹ میں وہ چیز آتی بھی نہیں، جس کی طلب نہ ہو۔ فارسی کے مشہور شاعر ابن یمن کے حالات پر انہوں نے مولانا عبدالسلام ندویؒ کی ایک کتاب خوش کی تھی۔ عام طور سے اب کتب خانے اس نوعیت سے محروم ہیں۔

سندھ کی پہلی مفصل اور مستقل تاریخ

فرمایا

اردو زبان میں تاریخ سندھ پر اب تک سب سے زیادہ بہتر اور مفصل کام سید ابوالفضل ندوی کی کتاب ”تاریخ سندھ“ ہے۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اردو میں یہ سندھ کی پہلی مفصل اور مستقل تاریخ ہے۔

لاہوری نمک

فرمایا

حکماء کی کتابوں میں اور پرانے ہندوستانی گھرانوں میں خواتین میں جو ”لاہوری نمک“ کی ترکیب یا الفاظ استعمال ہوتے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ لاہور میں نمک کی کوئی کان ہے، یا اچھی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ نمک تو کھوڑہ، وڑچھ، ٹکڑہار اور پنڈواون خان سے آتا ہے۔ غالباً نمک کی دنیا میں سب سے بڑی کان کھوڑہ ہی کی ہے اور ان تمام علاقوں سے نمک لاہور جاتا تھا اور برصغیر میں نمک کی سب سے بڑی منڈی لاہور میں ہی تھی اس لیے لاہور میں پکنے والے اس نمک کا نام ”لاہوری نمک“ پڑ گیا۔ ”لاہوری نمک“ یہ وہی سادہ نمک ہے جو پاکستان میں ہر گھر میں استعمال ہوتا ہے۔

کانڈ سازی اور سیالکوٹ

فرمایا

کسی زمانے میں سیالکوٹ کا کنڈ سازی کے لیے مشہور تھا۔ پورے پنجاب اور

برصغیر کے بہت سے علاقوں میں اس کاغذ کی بہت مانگ تھی۔ جہانگیر بادشاہ کے دور میں سیالکوٹ کے باشندوں نے ایک نہایت اعلیٰ قسم کا کاغذ تیار کیا اور اس کا نام ”خاصہ جہانگیری“ رکھا۔ اس سے بھی پہلے اکبر بادشاہ کے دور میں یہاں پر ایک کاغذ تیار کیا گیا جو کہ اکبر بادشاہ کے ایک رتن رجبہ مان سنگھ کو بہت پسند آیا اور اس کاغذ کا نام ہی مان سنگھی رکھا گیا۔ سیالکوٹ کا کاغذ نہایت سفید، مضبوط اور دیر پا بنتا تھا اس لیے شاہی خط و کتابت کے لیے بھی اس کا استعمال کیا جاتا تھا۔

کاغذ کے علاوہ اور کسی چیز پر کتابت نہ کی جائے،
خلیفہ ہارون الرشید کا شاہی فرمان

فرمایا مسلمانوں میں غالباً سب سے پہلے حکمران ہارون الرشید ہیں، جنہوں نے یہ حکم دیا کہ ان کی مملکت میں کاغذ کے علاوہ اور کسی چیز پر کتابت نہ کی جائے۔ ان کے اسی حکم کی بدولت پوری اسلامی دنیا میں کاغذ پر لکھا جانے لگا۔ اس سے پہلے لوگ چمڑے، لکڑی کی تختیوں اور پتھروں وغیرہ پر لکھا کرتے تھے۔ کاغذ کے کارخانے مسلمانوں میں روانہ پانچے تھے لیکن سرکاری طور پر یہ پہلا حکم تھا۔

کیا پٹھانوں اور افغانوں کے آباؤ اجداد اسرائیلی تھے؟

فرمایا پٹھانوں کو چاہیے کہ اپنے آباؤ اجداد کے اصل حالات جاننے کے لیے عباس شروانی کی کتاب ”تقد اکبر شاہی“ کا مطالعہ کریں۔ یہ کتاب ”تاریخ شیر شاہی“ کے

نام سے بھی مشہور ہے۔ عباس ثروانی درحقیقت افغان تھا اور اس کی شادی شیرشاہ سوری کے خاندان میں ہو گئی تھی۔ اس نے ایسے لوگ دیکھے اور ان سے ملتا تھا جو شیرشاہ سوری کے ہمراہ تہائیوں بادشاہ اور اس زمانے کے دیگر حکمرانوں کے خلاف لڑے تھے اس لیے اس نے شیرشاہ سوری اور دیگر پٹھانوں کے متعلق بہت مستند معلومات کو تحریر کیا ہے۔ دوسری کتاب ”خانجہانی مخزن افغانی“ ہے۔ جہاںگیر بادشاہ کے دور میں خان جہان لودھی نے نعمت اللہ صاحب کو حکم دیا کہ وہ افغانوں کی تاریخ مرتب کریں تو نعمت اللہ صاحب نے ”مخزن افغانہ“ کے نام سے یہ تاریخ مرتب کی۔ لیکن چونکہ یہ مرتب خان جہان لودھی کے حکم سے ہوئی تھی اس لیے اس کا نام ”خانجہانی مخزن افغانی“ مشہور ہوا اور اس کا آخری باب خان جہان لودھی کے حالات پر ہی مشتمل ہے۔ اس کتاب کا انگلش میں ترجمہ بھی ہوا تھا اور ”تاریخ افغان“ کے نام سے یہ 1839ء میں چھپی بھی تھی۔

تیسری کتاب ”تاریخ داؤدی“ ہے یہ بھی عہد جہاںگیری میں تحریر کی گئی اور اس کے مصنف عبد اللہ نے لودھیوں اور سوریوں کے دور حکومت کو قلمبند کیا ہے۔

چوتھی کتاب محمد عبدالسلام خان صاحب کی ہے جو کہ برٹش دور میں سب بچ کے عہدے پر فائز رہے ”نسب افغانہ“ کے نام سے انہوں نے اپنی کتاب میں یہ ثابت کیا ہے کہ پٹھانوں اور افغانوں کے آباؤ اجداد اسرائیلی تھے اور یہ یہودیوں ہی کا ایک قبیلہ ہے جو یہاں آکر آباد ہو گیا تھا۔ پھر ان کا نام پٹھان کیسے ہوا یہ تمام تحقیق اپنی بساط کی حد تک انہوں نے خوب کی ہے۔ یہ کتاب ”نسب افغانہ“ پہلی جنگ عظیم کے موقع پر 1914ء میں شائع ہوئی تھی۔

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی ”سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ اور ”الفاروق“ کے لیے بیگم بھوپال اور سرکار آصفیہ حیدر آباد کی مالی سرپرستی

فرمایا علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی تصنیفات میں سے سب سے زیادہ جو پسند تھی وہ ”الفاروق“ تھی۔ ابھی یہ چھپی بھی نہیں تھی اور اس کا نام اور غلطی تھا۔ جنوری 1899ء میں پہلی مرتبہ یہ مطبع ”نامی“ کانپور میں چھپ کر، جب منصہ شہود پر آئی ہے تو ایک تہلکہ برپا ہوا۔ ہندوستان کے اہل علم نے تو پڑھا اور داد دی ہی، ترکوں نے بھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ ترکی زبان میں محمد عمر رضا آفندی نے ترجمہ کیا اور 1926ء میں اس کا پہلا ایڈیشن استنبول سے چھپا۔ اس کتاب کا جتنا کڑیٹ علامہ شبلی نعمانی کو جاتا ہے اتنا ہی سرکار آصفیہ حیدر آباد کو بھی کہ انہوں نے پیشہ خرچ کرنے میں دریغ نہیں کیا۔ علامہ شبلی نعمانی کی اس کتاب میں سرکار آصفیہ حیدر آباد اور ان کی دوسری کتاب ”سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ میں ریاست بھوپال نے جو مالی تعاون کیا اسے کوئی کیسے فراموش کر سکتا ہے۔ ان دونوں ریاستوں کے معاونین اور فرماں روا بچہ نڈ خاک ہو گئے لیکن ہم گنہگار اب بھی ان کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی خیرتوں کو محفوظ رکھے۔ رحمت خداوندی چم چم برے اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبریٰ میں سے انہیں بہت بڑا حصہ ملے۔ سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنا پیسہ خرچ نہ کیا ہوتا تو عالم اسباب میں ”الفاروق“ اور ”سیرت“ کا لکھا جانا نہایت دشوار ہو جاتا۔ بیگم بھوپال نے جو تعاون کیا علامہ شبلی نعمانی نے تو اس پر ایک خاص تاریخی قطعہ بھی کیا۔

۷۔ مصارف کی طرف سے مطمئن ہوں میں بہر صورت
کہ اگر سلطان جہاں بیگم زر افشاں ہے
دی تالیف و تحقید روایت ہائے تاریخی
تو اس کے واسطے حاضر، مرا دل ہے مری جاں ہے
غرض دو ہاتھ ہیں، اس کام کے انجام میں شامل
کہ جس میں اک فقیر بے نوا ہے، ایک سلطان ہے۔

وہ دس خوش نصیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہیں بار بار
جنت کی خوشخبری سنائی گئی۔

فرمایا یوں تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام کے تمام بنتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے
قرآن کریم میں انہیں اپنی رضا کے اعزاز سے نوازا ہے لیکن ان تمام میں دس حضرات
تو وہ ہیں، جنہیں حضرت رسالت مآب ﷺ نے بار بار جنتی ہونے کی بشارت دی
ہے۔ کوئی شخص جنتی ہے یا جہنمی؟ دنیا کی کوئی طاقت اسکا فیصلہ نہیں کر سکتی بڑے سے بڑا
عالم دین اور اولیاء اللہ میں قطب الاقطاب اور ابدال کے درجے کا شخص بھی کسی اور
کے بارے میں تو کیا، خود اپنے بارے میں بھی قطعی اور حتمی فیصلہ نہیں دے سکتا کہ وہ
جنت میں جائے گا یا جہنم میں، اگر کوئی یہ فیصلہ کر سکتا ہے اور کرتا ہے اور حتمی اور قطعی خبر
اس نے دی بھی ہے تو وہ صرف اور صرف ذات باری تعالیٰ ہے۔ وہ جانتا ہے اور اسی کا
علم کامل ہے کہ کون جنت میں جائے گا اور کون جہنم میں۔ اپنے انہی فیصلوں کی خبر وہ

حضرات انبیاء علیہ السلام کو دیتا رہا ہے اور اسی سے وحی اور خبر پا کر یہ حضرات ﷺ بشارت دیتے رہے ہیں، جنت کی خوشخبری سناتے رہے ہیں اور اسی پاک ذات کی وحی اور خبر پا کر یہ بتاتے رہے ہیں کہ فلاں جہنم میں جائے گا۔

تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسی ذات باری تعالیٰ نے بار بار یہ خوشخبری دی اور قرآن کریم میں قطعی فیصلہ فرمادیا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب جنتی ہیں۔

اور اسی ذات اقدس، ذوالجلال والا کرام، فائق الحب والنوی، فائق الاصباح نے اپنے نبی حضرت رسالت مآب ﷺ کو خبر دی کہ فلاں فلاں صحابی رضی اللہ عنہ قطعی جنتی ہے نہ

حساب و کتاب ہے نہ عذاب قبر ہے نہ قیامت کے دن کی سختیاں ہیں اور نہ اعمال کا وزن ہے۔ ادرہم لکھا ادرہ جنت میں گئے۔ ان کی قبور جنت کے باغات ہیں اور کسی

بھی نوع کی پریشانی تو کیا، ہر طرح کی راحت اور سرور ہے۔ اپنے پروردگار کی رضا، اس کی خوشی اور اس کے انعامات ہیں۔ پھر ان میں دس ہستیاں تو ایسی ہیں جنہیں بار بار

یہ خوشخبری سنائی گئی کہ وہ جنتی ہیں۔ اسی وجہ سے ان کا لقب عشرہ مبشرہ ہوا۔ عشرہ کے معنی ہیں دس (۱۰) اور مبشرہ کے معنی ہیں جنہیں خوشخبری دی گئی۔ چنانچہ بشارت تو ہر ایک

صحابی رضی اللہ عنہ کو دی گئی لیکن جنہیں بار بار جنت کی بشارت دی گئی وہ یہ دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔

حضرت رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا اور قطعی خبر دی کہ

① حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں۔

② حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں۔

③ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں۔

- ⑦ حضرت علیؓ جنت میں ہیں۔
- ⑧ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ جنت میں ہیں۔
- ⑨ حضرت زبیر بن العوامؓ جنت میں ہیں۔
- ⑩ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ جنت میں ہیں۔
- ⑪ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ جنت میں ہیں۔
- ⑫ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جنت میں ہیں۔
- ⑬ حضرت سعید بن زیدؓ جنت میں ہیں۔

..... کرنے کا ایک کام۔

فرمایا حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ نے جس زمانے میں ”مرقاۃ شرح مشکوٰۃ“ کا مطالعہ فرمایا تھا اس زمانے میں انہوں نے ”مرقاۃ“ میں جن جن روایات حدیث پر حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ نے کلام فرمایا تھا، ان کے اسماء گرامی کو الگ لکھ دیا تھا اور اپنی کتاب یا کتابچے کا نام بھی جو یہ فرمادیا تھا ”جز ملطی الروافۃ عن المرقاة“ لیکن یہ رسالہ اب تک نہ چھپ سکا۔ بہت ضرورت تھی کہ کوئی اللہ کا بندہ اس مخطوطے کو حاصل کر کے اس پر کام کرتا۔

تاج محل آگرہ

فرمایا ان مغل بادشاہوں میں فن تعمیر کا بھی بادشاہ، شہنشاہ و غم شاہ جہاں بادشاہ تھا۔

عمارات کے نقشے، تزئین، تعمیر میں مہارت گویا کہ ان کی گھٹی میں پڑے ہوئے تھے۔ حد یہ کہ ان کے والد جہانگیر بادشاہ نے خود اپنی پسند کی تعمیرات لاہور اور کشمیر میں انہی کے حوالے کیں۔ تاریخ بار بار یہ بتاتی ہے کہ عمارات کے نقشے ان کے سامنے لائے جاتے تو تراجم کرواتے۔ عمارات کا بنیادی تصور اور ڈھانچہ نقشہ نویسوں کو ہتاتے اور تعمیرات بھی اپنی نگرانی میں کرواتے۔ جہاں دیکھتے کہ قاعدے کے خلاف کام ہوا ہے تو اس تعمیر کو ختم کرنے میں بھی تاخیر نہ کرتے۔ جہانگیر نے اپنے اس بیٹے کی شادی کے لیے اپنی محبوبہ ملکہ نور جہاں کی بھتیجی ارجمند بانو بہت آصف خان کو منتخب کیا اور اسے ممتاز محل کا خطاب دیا تھا۔ شاہ جہاں بادشاہ جو اس وقت شیراز و خرم تھا، اسے اپنی اس بیوی سے شدید محبت تھی اور 1040ھ میں برہان پور میں اس کا انتقال ہو گیا، میت آگرہ لائی گئی اور اس کا حزار 1040ھ ہی میں بننا شروع ہو گیا تھا، یہاں تک کہ 1057ھ میں اس کی تعمیر مکمل ہوئی اور رفیع ممتاز محل اس کا نام ہوا۔ وقت کے ساتھ ساتھ غالباً یہ ممتاز کا لفظ بگڑ کر تاج ہوا اور یہ تاج محل کہلانے لگا۔ اس پورے تاج محل کی تعمیر میں کسی مغربی انجینئر کا کوئی کام نہیں ہوا۔ اصل بات یہ ہے کہ میر مرتضی شیرازی وغیرہ اپنے کتب خانوں سمیت جب ہندوستان آئے ہیں تو انہوں نے یہاں کے نظام تعلیم میں ترسم اعداد، علوم طبیعیات وغیرہ کو بہت داخل نصاب کیا۔ انہی علوم کو بچوں نے پڑھا، ریاضی اور جیومیٹری کے ماہر ہوئے، ان میں سے ایک پچھلے معمار بھی تھا، جس نے تاج محل تعمیر کیا اور وہ جیومیٹری کا بہت بڑا صاحب فن تھا۔ جس فراہمی ہنرمند موسیو آسنن ڈی بورڈو کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ تاج محل کی تعمیر میں وہ بھی شریک تھا، سب جھوٹ اور خود تراشیدہ افسانے

ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ موسیٰ و فراتیسی کا تذکرہ بزرگ جہانگیری میں بھی آیا ہے۔ جہانگیری بادشاہ نے اس کی قدر کی پھر شاہ جہاں بادشاہ نے بھی اسے دربار میں رکھا اور پھر اس پر اعتماد کرتے ہوئے پر نکال کے ساتھ سفارتی تعلقات کی غرض سے انھیں وہاں بھیجا گیا۔ پر نکالیوں نے اس موسیٰ و فراتیسی کو قتل کر دیا اور بات ختم ہو گئی۔ شاہ جہاں بادشاہ کی یہ اہلیہ ممتاز محل اس وقت زندہ تھیں اور تاج محل کا کوئی تصور دور دور تک بھی کسی کے ذہن میں نہ تھا۔ یہ تو اس حادثے کے کہیں بعد ملکہ عالیہ کا انتقال ہوا ہے اور پھر کہیں جاکر ”تاج محل“ بنا ہے۔ موسیٰ و فراتیسی کا اس میں کیا کام، تاج محل خود شاہ جہاں بادشاہ ہی نے بنوایا تھا۔ 1048ھ میں دہلی کے لال قلعہ اور نئے شہر شاہ جہاں آباد کی بھی بنیاد انہوں نے ہی رکھی اور محل کلاں وغیرہ سب اسی دور کی یادگاریں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ شاہ جہاں بادشاہ کمال کا شخص تھا۔ ایک طرف تعمیرات اور دوسری طرف علم کے سمندر کا ماہر شاعر۔ چرب میں تعلیمی ادارے بنوائے اور اسے قابل اساتذہ کہ جن کی شہرت سن کر ایران، توران، آذربائیجان اور روس تک کے طلباء پڑھنے کے لیے یہاں آئے۔ شاہ جہاں نے چونکہ فلسفہ اور منطق بھی بخوبی پڑھ رکھے تھے اس لیے اہل علم کو یاد نہیں تھا کہ ان کے دربار میں کسی بھی علم میں بغیر جانکاری کے دخل دیں۔

”تاج“ میں اس برہنہ پانویسٹم ممتاز محل کی قبر بھی گواہ ہے کہ اس تعمیر میں کسی مغربی ماہر کا ہاتھ نہیں ہے اور ایک دلیل اس کی یہ بھی ہے کہ جب سرقد جانا ہوا تو حضرت امیر تیمور گورگانی کی قبر پر حاضری ہوئی اور یہ وہ قبر تھی جو حضرت گورگانی نے اپنی اہلیہ بی بی خانم کے لیے ان کی حیات ہی میں بنوائی تھی لیکن قضا و قدر کا فیصلہ کچھ اور ہی تھا، بالآخر حضرت امیر تیمور

گورگانی خود اس میں دفن ہوئے۔ زیر زمین سردانہ برائے قبر ہے اور یہی وہ انداز ہے جو ممتاز محل کی قبر کا ہے۔ مغل شہزادوں کی قبریں ہمیشہ یوں ہی بنتی تھیں۔ حضرت شاہ جہاں نے سرقد میں بھی اور اپنے خاندان کی قبریں ہمیشہ دیکھی ہوں گی اور انہوں نے اپنی اس اہلیہ کی قبر بھی یونہی بنوائی ہوگی اس لیے قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ طرز تعمیر خود صاحبِ قرآن ہی کا ہے۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی مرحوم نے ایک کتاب ”سراج محل آگرہ“ تحریر فرمائی تھی لیکن اب یہ بہت کمیاب ہوگئی ہے، اس میں بہت سے تاریخی حقائق سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ اس موضوع پر اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

قبر پرستی، جاہل عرب اور من گھڑت کرامات۔

فرمایا خانقاہوں کا پورا نظام ایک ہی مرکز کے گرد گھومتا تھا اور وہ مرکز تھا ”تزکیہ نفس“۔ مشائخ و اوروین و صادریں کی تربیت کرتے تھے انہیں باطنی بیماریوں سے نجات دیتے تھے اور ان کے باطن کو اخلاقِ جمیلہ سے مزین کرتے تھے۔ عیاری، خفے اور حد سے بڑھی ہوئی شہوت کا علاج ان کے ہاں تھا اور وہ توحید باری تعالیٰ، اتباعِ سنت اور اعمالِ صالحہ کے رنگ میں رنگ دیتے تھے۔ قبر پرستی کا شائبہ تک نہ تھا اور یہ قبر پرستی کا رشتہ ان تو اس وقت زیادہ ہوا ہے، جب مسلمانوں کے ہاں تعلیم میں کمی آئی ہے۔ جہالت نے اسے رائج کیا ہے اور پھر صورتحال اتنی بگڑ گئی کہ انیسویں صدی کے آغاز میں ایک عیسائی مسلمان ہو گیا۔ واللہ تعالیٰ اعظم مسلمانوں کو دھوکہ دینے یا دنیاوی اغراض و مقاصد کی وجہ سے یا سچے دل سے، بہر حال وہ مسلمان ہو گیا اور لوگوں نے

اسے پیر و مرشد مشہور کر دیا۔ اب اس کے بھی مڑے ہو گئے اور جہاں بھی گیا خوب پذیرائی ہوئی۔ جاہل مسلمان دھڑا دھڑ بیعت ہونے لگے اور مریدوں نے اپنے پاس سے گھر گھر کر کرکراتوں کے دفتر رقم کر دیئے۔ ایک مرتبہ ایک مرید کے گھر گئے اور اس مرید باصفانے مرغ پلاؤ، بہت اہتمام سے پکایا۔ پیر صاحب کی آرد بھی کچھ اچھی نہ تھی اور مشرقی تہذیب سے بھی کما حقہ واقفیت نہ تھی تو قاش سامنے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور مرید سے فرمایا سبحان اللہ کمرے کا پلاؤ بہت خوب ہے۔ مرید غلصہ لیکن دیہاتی اور آداب گفتگو سے نا آشنا، بہت گجڑا اور بولا حضرت آپ کی کرامت کے کیا کہنے، برسوں سے اپنے کشف و کرامات کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہو اور کھلی آنکھوں چیز دکھائی نہیں دیتی کہ مرغ اور بکرے میں فرق نہیں کر سکتے۔

بادشاہی، فقیری اور علم

فرمایا بغداد اُجڑا تو بلی بسا۔ تاتاریوں نے بغداد میں خلافت کا خاتمہ کیا تو اس دور کے علماء و صوفیاء نے دہلی ہجرت کی۔ ہندوستان کو بھی تاتاری تباہ و برباد کر دیتے لیکن یہاں حکومتیں بہت مضبوط تھیں۔ سلطان بلبن نے اپنے ولی عہد بیٹے اور تخت جگر کو ہدایت دی کہ جان پر کھیلنا پڑے تو کھیل جائے لیکن تاتاری ہندوستان نہ داخل ہوں۔ شہزادہ محمد بھی جان پر کھیل گیا لیکن ہندوستان، تاتاریوں کے لیے سد سکندری بن گیا۔ علاء الدین خلجی نے بے شمار قربانیاں دیں اور تب جا کر ہندوستان محفوظ رہا اور یہی مضبوط حکومتیں وہ حصار اور چار دیواریاں تھیں جن کے اندر امن اور سکون تھا،

علماء و مشائخ دعوت کا کام کر رہے تھے، غیر مسلم مسلمان ہو رہے تھے، ہندوستان میں اسلام کا پودا جڑ پکڑ رہا تھا تو یہ سب کچھ اسی وجہ سے تھا کہ ان بادشاہوں اور غازیوں نے سرحدوں کو محفوظ کر رکھا تھا۔ اگر سرحدیں محفوظ نہ ہوتیں تو دہلی بھی بغداد کی طرح خون سے نہا جاتی اس لیے اگر خدمات، خواجہ اجیری، حضرت کھنک اور حضرت سلطان الاولیاء رحمہ اللہ کی ہیں تو کچھ کم حصہ بلین، اس کے بیٹے محمد، ظہبی، تعلق، لودھی اور مغل حکمرانوں کا بھی نہیں ہے۔ ہم ایسے بے توفیق واقع ہوئے ہیں کہ کبھی ان بادشاہوں، غازیوں اور شہداء کے لیے چار الفاظ پڑھ کر ایصالِ ثواب نہیں کرتے حالانکہ احسانات ان کے صوفیاء سے بھی کچھ سواہی ہیں۔

بغداد کے جو بھی مشائخ اور علماء دہلی آئے، دربار نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا ان کے معاشی مسائل حل کیے انھیں تعلیمی ادارے اور خانقاہیں بنانے کو مفت میں گاؤں کے گاؤں دیئے۔ نقد رقم پیش کیں کہ آزادی سے خرچ کر سکیں اور ان کے کتب خانوں کے لیے عمارتیں بھی سرکار نے بنوا کر دیں۔ دہلی اور کیا احسان کرتا؟ نتیجہ یہ نکلا کہ اس وقت کے ہندوستانی معاشرے میں ہر طرف تعلیم ہی تعلیم تھی۔ دہلی علم کے میدان میں بغداد، مصر، بیت المقدس اور اٹینبول کے ہم پلہ ہوا اور معاشی اعتبار سے تو ان تمام مقامات سے فائق تھا۔ کتاب فروشوں کی دکانیں چمک اٹھیں اور باقی ہندوستان تو الگ رہا، صرف دہلی ہی میں کاتب اچھے زیادہ تھے کہ کوئی گلی محلہ ان سے خالی نہ تھا اس کے باوجود کوئی شخص کسی بھی علم و فن کی کوئی کتاب کسی کاتب کے پاس لے جاتا اور کہتا کہ اس کا دوسرا نسخہ تحریر کر دیں تو کاتب عام طور پر یہ کہتے کہ کتاب چھوڑ جائیے اور

ایک سال تک فرصت نہیں اس کتاب کا دوسرا نسخہ سال کے بعد لکھنا شروع کریں گے۔ اکبر جیسا بادشاہ، جو مشہور ہے کہ اُن پر ہاتھ تھا، اس کا قلعہ آگرہ میں دیکھا تو اکبر کے سونے کے مقام سے، سب سے زیادہ قریب ترین مقام اس کا کتب خانہ دیکھا۔ چونکہ کتابوں کے سائز مختلف ہوا کرتے ہیں اس لیے یہ بھی دیکھا کہ اکبر بادشاہ نے کتابوں کے لیے پتھر کی الماریاں بنوائی ہیں اور خانوں کا سائز بھی مختلف رکھا ہے۔ گیارہویں صدی عیسوی سے لے کر اٹھارہویں صدی عیسوی تک مسلمانوں نے جس طرح اپنے کتب خانوں کو محفوظ رکھا اور علم کی ترویج کی، یہ علم کی ایسی عظیم الشان خدمت تھی کہ آج تک کوئی بھی قوم اس شرف میں ان کی شریک و ہم نہیں ہے۔

کتب عقیدہ

فرمایا عقیدہ سب سے اہم بات ہے اور اہل علم نے ہر دور میں اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدے کے تحفظ اور تشریح میں مختلف کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔ ہمیشہ ان کتابوں سے عقیدے کو پڑھتے رہنا چاہیے اور جاننا چاہیے کہ ان حضرات نے عقیدے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ برحق ہے۔ حضرات ماتریدہ اور اشاعرہ رحمۃ اللہ علیہم دونوں علم کلام کے ماہرین ہیں اور ان دونوں میں سے کسی کو بھی مان لیا جائے تو انسان اہل السنۃ والجماعۃ ہی میں شمار کیا جائے گا۔ حنفی حضرات نے عموماً عقیدۂ علماء ماتریدہ اور شافعی علماء نے عموماً عقیدۂ علماء اشاعرہ کو ترجیح دی ہے۔ ممالک بھی انہی کے ہمراہ ہیں اور عقیدہ بھی کا اہل السنۃ والجماعۃ کا ہے۔ فقہ اکبر بہت عمدہ متن ہے اور کتب عقائد میں اگر کسی استاد

سے یہ کتاب پڑھ لی جائے تو پھر اس سے بہتر کتاب کوئی نہیں۔ ”عقیدہ طحاوی“ میں بھی وہی بات ہے جو فقہ اکبر میں ہے لیکن ”عقیدہ طحاوی“ میں تکرار بہت ہے۔ ”عقائد بزدوی“ اور ”عقائد نسفی“ کا مطالعہ بھی کرنا چاہیے۔ امام الحرمین رحمہ اللہ کی ”بداء الامانی“ اور حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ نے جو اس کی شرح تحریر فرمائی ہے اسے بھی سمجھنا چاہیے۔ مولانا عبدالرحمن جامی رحمہ اللہ کی کتاب ”اعتقادنامہ“ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کی کتاب ”عقیدہ حسنہ“ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کی کتاب ”میزان العقائد“ بھی پڑھنی چاہئیں۔ حضرت فخر الدین چشتی نظامی رحمہ اللہ بھی بہت صاحب علم اور سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے رکن رکین تھے۔ عقیدے پر انہوں نے ایک نہایت عمدہ رسالہ ”نظام العقائد“ تحریر فرمایا ہے۔ ان تمام کتابوں میں تحریر شدہ عقائد اہل السنۃ والجماعہ کے عقائد حقہ ہیں، انہیں مضبوطی سے قلم لیتا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں، حضرت رسالت مآب ﷺ نے صحیح احادیث میں جو عقیدہ رکھنے کا حکم دیا ہے، ان حضرات نے اپنے اپنے دور میں انہی عقائد کو بیان اور اس کی تشریح کی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہی صحیح عقائد پر خاتمہ بالخیر فرمائے اور قبر و حشر میں بھی عافیت رکھے۔

قصیدہ در مدح حضرت زین العابدین رحمہ اللہ

فرمایا) عبدالملک بن مروان نے خواب میں دیکھا کہ مسجد کے محراب میں اس نے چار مرتبہ بیٹھا ہے۔ بیدار ہوا تو اس خواب کی اہمیت کو محسوس کر کے تعبیر کے درپے

ہوا۔ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ منورہ میں پورے جلال و اکرام کے ساتھ بے تاج بادشاہ تھے۔ ان کو تعبیر کے لیے زحمت دی گئی تو ارشاد فرمایا اس کے چار بیٹے خلیفہ المسلمین ہوں گے چنانچہ اس کے چاروں بیٹے ① ولید بن عبد الملک ② سلیمان بن عبد الملک ③ یزید بن عبد الملک ④ ہشام بن عبد الملک درجہ خلافت تک پہنچے۔

اس ہشام بن عبد الملک نے تقریباً 20 برس حکومت کی اور ایک مرتبہ طواف کے لیے مکہ مکرمہ حاضر ہوا تو حجر اسود کو بوسہ دینے کے لیے آگے بڑھا، طواف کرنے والوں کی بھیڑ نے کوئی پروا نہیں کی اور خلیفہ ہونے کے باوجود دھکے لگے اور ہاتھ خرمطاف کے کنارے پڑا پس آگیا۔ اسی اثنا میں خانوادہ نبوت کے گل سرسید، حضرت سید الساجدین، امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے حرم شریف حاضری ہوئی اور جو نبی آپ مطاف میں داخل ہوئے تو لوگوں نے آپ کے احترام میں جگہ چھوڑ دی آپ بہت ہندوکار طور پر آگے بڑھے، حجر اسود کو بوسہ دیا اور طواف کا آغاز کیا۔ آپ جس طرف بھی جاتے تھے لوگ آپ کے احترام میں راستہ چھوڑ دیتے تھے اور نہایت ہندوکار طواف جاری تھا۔ دیکھنے والوں کے لیے یہ منظر نہایت حیرت ناک تھا کہ خلیفہ وقت کی پروا نہ ہو اور ایک ایسی ہستی کے لیے لوگ بجھے چلے جا رہے ہوں، جس کے پاس نہ فوج، نہ خدم و حشم، نہ تاج اور نہ تخت، اسی اثنا میں کسی نے ہشام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ کون ہیں؟ حضرت زین العابدین ابن حسین ابن علی رضی اللہ عنہ ہیں لیکن تمہارا عار قاند سے بولا مجھے کیا معلوم کہ یہ کون ہے؟ شاعر اہل بیت کرام بغیر اس ہام بن غالب فرزدوق حمیری وہی کھڑا تھا اس سے حضرت رضی اللہ عنہ کی یہ توہین برداشت نہ ہوئی اور حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ

کی شان میں برکت یہ قصیدہ کہا:

هَذَا الَّذِي تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطَائِفُهُ
وَالْيَبِيتُ نَعْرِفُهُ وَالْجِلُّ وَالْحَرَمُ

ترجمہ: یہ وہ مقدس شخصیت ہے کہ جس کے نقش قدم کو وادی بلحا (مکہ مکرمہ) پہچانتی ہے اور بیت اللہ (کعبہ) اور حل و حرم سب ان کو جانتے پہچانتے ہیں۔

هَذَا ابْنُ خَيْرِ عِبَادِ اللَّهِ كُلِّهِمْ
هَذَا النَّبِيُّ النَّبِيُّ الطَّاهِرُ الْعَلَمُ

ترجمہ: یہ تو اس ذات گرامی کے تحت جگر ہیں جو اللہ کے تمام بندوں میں سے سب سے بہتر ہیں (حضور اکرام ﷺ) یہ پرہیزگار، تقویٰ والے، پاکیزہ، صاف ستھرے اور قوم (قریش) کے سردار ہیں۔

إِنَّا زَاتُكَ قُرَيْشٌ قَالَتْ قَابِلُهَا
إِلَى مَكَّارِمِ هَذَا نَنْتَهِي الْحَرَمُ

ترجمہ: جب ان کو قبیلہ قریش کے لوگ دیکھتے ہیں تو ان کو دیکھ کر کہنے والا یہی کہتا ہے کہ ان کی بزرگی و جواں مردی پر بزرگی و جواں مردی ختم ہے۔

اگرچہ ماضین میں اس قصیدے کے متعلق یہ اختلاف ہے کہ اس قصیدے کو حضرت زین العابدینؑ نہیں بلکہ ان کے والد محترم حضرت حسین بن علیؑ کے بارے میں پڑھا گیا ہے اور اس قصیدے کو فرزدق نے نہیں بلکہ عمرو بن عبیدہؑ نے کہانی نے کہا ہے، مابرجہ، جریر اور کثیر اور مدوح حضرت امام محمد باقرؑ زین العابدینؑ کو بھی

کہا گیا ہے لیکن ان تاریخی اختلافات کے باوجود یہاں ابن خلکان، امام یافعی اور ابن کثیر رحمہ اللہ کی روایت کو ترجیح دی گئی ہے۔

عربوں کا معاہدہ اور یحییٰ بن

فرمایا عربی زبان میں ”یحییٰ“ قسم کو کہتے ہیں اور اس کی جمع ہے ”ایہان“۔ اور یحییٰ سید ہے، دائیں ہاتھ کو بھی کہتے ہیں۔ عرب جب کوئی معاہدہ کرتے تھے تو اس میں شدت اور پختگی پیدا کرنے کے لیے آپس میں دائیں ہاتھ سے بھرپور مصافحہ کیا کرتے تھے۔ اس وجہ سے قسم کو بھی ”یحییٰ“ کہنے لگے۔

چراغ حسن حسرت اور زاہد خشک

فرمایا برصغیر کی زرخیز زمین نے جو زرو جو اہر اُگلے ان میں سے ایک جناب چراغ حسن حسرت بھی تھے۔ حقے کے دسیا اور رند خراباتی۔ ایک مرتبہ دوران سفر ایک مولوی صاحب کے گھر رات ٹھہرنا پڑ گیا۔ سونے سے پہلے مولوی صاحب سے حقے کی فرمائش کی لیکن وہ زاہد خشک اور مکان حقے سے خالی۔ مولوی صاحب نے صورتحال عرض کر دی اور خود سوار میں ڈال لی۔ حضرت حسرت نے برہتہ شعر کہا:

~ نیست حقہ نے تماکو بر مکان مولوی

ہاں مگر نسوار ختم در دہان مولوی

شورش کاشمیری اور مولانا حسرت کی عیادت۔

فرمایا جب موت اپنا نیچہ گاڑ دے تو ہستی کے کسی مسجد والوں کی دعا نہیں سنی جاتی۔ نزع کے عالم میں دوستوں کے چہرے شاید موت کی تلخی کو کم کر دیتے ہوں لیکن چراغ بجھ کر رہتا ہے۔ مولانا چراغ حسن حسرت کا آخری وقت دن بدن قریب آ رہا تھا۔ جناب شورش کاشمیری عیادت کے لیے حاضر ہوئے تو انہوں نے دیکھا اور شاد عظیم آبادی کا یہ شعر پڑھا:

اعضاء بدن سب مضطرب ہیں اس دل کے شہادت پانے سے
فکر میں محاطم برپا ہے، سردار کے مارے جانے سے

ماسواغیر ہے اور اس کی نفی لازم ہے۔

فرمایا ماسوا کی نفی کر کے وجود حقیقی صرف ایک ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ ماسوا اس کے مظاہر نہیں، مخلوق ہیں۔ وجود حقیقی ہی کی عبادت شارع کا مطلوب ہے۔ اگر ماسوا کو اس کی مخلوق کی بجائے اس کے مظاہر سمجھ کر عبادت کی جائے تو بعثت انبیاء علیہ السلام باطل قرار پاتی ہے۔ خام خیال صوفیاء کو اس حقیقت پر غور کرنا چاہیے اور اس پر قریب تھیے سے باز رہنا چاہیے۔ ماسوا کی عبادت سے حضرات انبیاء علیہ السلام کیوں اتنی نفی اور تاکید سے منع فرماتے ہیں اور اس پر دائمی عذاب کی وعید وارد ہوئی ہے، تو آخر کوئی تو اس میں حکمت ہوگی۔ وحدۃ الوجود کے خالی دعاۃ کیوں اس حقیقت سے صرف نظر کرتے ہیں؟ ماسواغیر ہے اور اس کی نفی لازم ہے۔ وحدت معبود کی راہ ہی اصل راہ ہے۔

اشاریہ

Index

ریزہ الماس

عنوان

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
1	سورتیں اور آیات قرآنیہ	509
2	احادیث نبویہ علیہ السلام	511
3	اسماء	513
4	قبائل و خاندان	549
5	مقامات	551
6	مذہب و فرق (فرقے)	562
7	غزوات	565
8	ماہ و سال	566
9	کسب	571
10	رسائل و اشعارات	579
11	اوراد و وظائف	580
12	اصطلاحات / محاورات	581
13	تہوار	591
14	طب	592
15	ضرب الامثال	593
16	جانور	593
17	علم نجوم	594
18	اشعار	595

سورتمس ادرآ استقرآیہ

80	سورة التوبة	1	إِنَّا عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ...
79,95,104	سورة التوبة	78	إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ ...
109	ثَلَاثَةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ...	352	أَنْظُرْ كَيْفَ تُصْرَفُ...
89	سورة الحجر	230	أُولَئِكَ يُوْتَوْنَ أَجْرُهُمْ مَرَّتَيْنِ...
83	سورة الحديد	121	سورة الاحقاف
309	سورة الحديد	81	سورة الانعام
314	ذَلِكَ مِنْ آيَاتِهِ...	87	سورة البقرة
		100,101,105,199	سورة التريم
		80	

<p>سورة التخل</p> <p>86,169</p>	<p>رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا.</p> <p>107</p>
<p>سورة النساء</p> <p>99</p>	<p>عَقَّا اللّٰهُ عَنْكَ.</p> <p>79</p>
<p>وَأَوْفُوا فِي سَبِيلِي...</p> <p>212</p>	<p>فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا...</p> <p>35</p>
<p>وَمِنْ إِلَهِ خَلَقَ السَّمَوَاتِ...</p> <p>390</p>	<p>سورة فاتحه</p> <p>250</p>
<p>وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ...</p> <p>114</p>	<p>قُلْ إِنَّمَا بِاللّٰهِ...</p> <p>287</p>
<p>وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَى...</p> <p>81</p>	<p>كُلُّ يَوْمٍ هُوَ...</p> <p>82</p>
<p>وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ...</p> <p>272</p>	<p>كُلُّ جَزْبٍ بِمَا...</p> <p>470</p>
<p>وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا...</p> <p>190</p>	

سورہ یونس	وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰی...
97	426
یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا...	ی
38	سورہ یوسف
یَا عَزْرَہُمْ بِالْمَعْرُوفِ...	169
152	اعادیت نمبر
ایمان والوں کی رو میں توجہ کے...	ا
220	اپنے کانوں کو تکلیف دو۔
اُمّ یسٰ اتمار پابندی سے...	117
213	اگر کوئی مسلمان غصہ اپنے
ت	118
تین آدمیوں کے لیے ابراہیم...	اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے۔
121	118
ث	اللہ تعالیٰ نے دین و دنیا کا جو علم...
154	ان دس میں سے صرف چار۔
تک لگا کر کھانا کھائے کو۔	136
169	اوس! ایسی بدو عادت نکلیں۔
ث	223
جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں...	
177	

117	130	جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے عقل دی....	پچھلی کو مار دینے کا حکم....
117	127	جس شخص نے سورج طلوع ہونے سے....	پچھلی، اللہ تعالیٰ کی جان پرمان حقوق....
142	127	جس شخص نے نماز عمر کو پکا حدی سے....	حسن کے سر کے بال اُتاریں....
154	148	جن احادیث میں سات یا ستر کا عدد....	دیکھو! ابھی تو میرا نکاح ہوا ہے....
141	213	جن کاموں کے کرنے سے رعبہ الہی....	شب گذشتہ میرے ہاں بیٹے کی ولادت....
118	117	جو نکران ضرورت مندوں اور....	کسی مسلمان کا دل کسی جائز چیز کو....
118	116	جو شخص اسے پہلے ہی نشہ نے پر....	جو شخص بھی حضرت مہدائے مطلب کی اولاد....
145	119	جو شخص اہل مدینہ کو ستانے....	جولوگ اس موت کو شہادت نہیں سمجھتے....
	215		لاشوں کو پدر کے کنوئیں میں....

148	مومن ایک آیت سے کھاتا ہے اور.....	143	لڑکے کی طرف سے دو اور لڑکی.....
218	میں جس کا مولیٰ (آقا) ہوں، جلی.....	136	مجھے علم ملا ہے کہ میں اصحاب قرآن کی.....
141	ن نومولوہ بنوں کے سر موٹو دینے کے.....	46	مجھے نماز پڑھنے والوں کو قتل کرنے.....
اسماء			
61,62,88,141,160,162,177,287	ابراہیم علیہ السلام حضرت	301,279	آدم علیہ السلام حضرت
304,442	ابراہیم علیہ السلام (ساجز اور رسالت مآب ﷺ)	86,98,102,103	آدم بخوری و خواہد
141	آدم بہ	172,185	آزاد (محمد مصطفیٰ)
349	ابن ابی الزناد	243	آلوی (شباب الدین)
243	ابن ابی العباس ضلی	133,134	ابراہیم نقی

266,317,318,319,487	ابن ابی فدیہ (ابو سلیم)
ابن عکاکم	130
505	ابن الاثیر
ابن ذہاج	226
321	ابن امیر الحاج حنفی
ابن رجب حنفی، حافظ	264
133	ابن تیمیہ، شافعی
ابن شمر	266,281,312,340,464
264	ابن ہمامہ
ابن عابد بن الشامی	264
268	ابن جوزی
ابن عاشور	281
266	ابن حاجب
ابن عبد البر	231
211	ابن حجر عسقلانی، حافظ
ابن عرب شاہ	55,63,128,130,149,150,201
317	203,264,270,436
ابن عربی	ابن حزم غامری (انہاسی)
119,270,281,282,285,286,287	228,370
292,304,305,309,311,312,337,	ابن غلدون

488	ان بن یسین	338,339,370,371,380,383,427
	ان بن عربی ثانی (لقب)	
473	ابو الفدا نعم محمد	381
	ان بن عطا مائده سکندری	
53,54	ابوزرعه جلال	265
	ان بن حمید	
60	ابو ظفر انصاری جلال	370
	ان بن قیم	
191,196,197	ابو سعید بن الجراح جلال	164,165,166,167,250
	ان بن کثیر	
42	ابو علی بن عطاء	505
	ان بن ماجه	
48	ابو علی جبائی	166
	ان بن مظفر	
42	ابو محمد خوارزمی	281
	ان بن نجیم	
42	ابو د شمس شیدہ ج	233,241
	ان بن عام (اکمال ان بن اہمام)	
273,274,275,277	ابو الحسن علی ندوی مسید	236,264,226,231,232,263,264,
		268

240,241,242,368

ابو ابرہہ

366 ابو بکر صاص رازی

243,439

ابو الطیب الطبری

112 ابو بکر محمد عبداللہ ابن عربی مانگی

350

ابو العاصم

89 ابو بکر

61,62,71,158,161,162,194,197

ابو الفضل، نجوی

205,208,210,211,212,213,216, 473

ابو القاسم التتوئی

217,219,220,247,430,481,494

112 ابو تراب

203,365

ابو الکلام آزاد

375 ابو حلیہ

198

ابو الوفا مائتانی

369 ابو جعفر محمد بن عمر

369

ابو بکر اسکانف

248 ابو جعفر منصور

350

ابو بکر بن علی

438,439,440 ابو حفص

203

ابو بکر صاص الشیبانی (احمد بن عمرو بن مسیر)

ابو حنیفہ (نعمان بن ثابت) الشیبانی المعروف امام ابو بکر صاص

42	ابو عمر ثانی	105,132,206,241,242,250
	ابو داؤد الطیلسی	
383	ابو عمران موسیٰ بن عمران مرسی	243
	ابو رشید سعید نیشاپوری	
211,216,217	ابو قحطہ	42
	ابو ربیع بن عبد العزیز	
213	ابو ریحیم عمرو بن مرۃ	153
	ابو سعید ابوالخیر، خوہد	
365	ابو سعاد بن داؤد	291
	ابو سعید خدری	201
60,194,195	ابو موسیٰ اشعری	209,210,221,222
	ابو سفیان	
60	ابو موسیٰ ہارون	197
	ابو شامہ	
243	ابو قحیم	489
	ابو قحیم اصنہانی	
112	ابو یزید	60,194,204,210,212,481,495
	ابو یزید بن جراح (ابن الامیہ، عامر بن عبد اللہ)	
	ابو یزید	

287	اسعد آفندی	326	احمد رضا خان مولانا
318	اسفرائی، امام	43	احمد علی لاہوری مولانا
112	اسماعیل شہید شاہ	276	احمد معمار
73,277	اسماء بنت محمدؓ	496	احمد، امام
195	اسید بن حمیرؓ	206	افش بن یحییٰ
186	اشتر لاجی	156	اورنسؓ، حضرت
198	اشرف علی قانوی مولانا	284,285	ارجمند بانو بنت آصف خان
266,277	اھت بن قیسؓ	496,497	ارشمیدس (Archimedes)
199	احمد	294	اسحاق بن امام
163		243	اسحاقؓ، حضرت

502	امام الحرمین	افضل الدین
422	امام بخش ناسخ	336
331	امداد اللہ مہاجر مکی، ساجی	اقبال مجددی، پرویز
317, 318, 497	امیر تیمور گورکانی	280
381	امیر مینا	اقبال، علامہ
381	امیر اللہ تسلیم، شفی	288, 291, 292, 293, 296, 331, 362,
402	امیر القادر بیگم (صاحبہ بی)	385, 386, 397, 404, 405, 406, 474
394	اندر	اکبر بادشاہ
45, 60, 65, 126, 171, 175, 176, 226,	انس بن مالک رضی اللہ عنہ	401, 475, 490, 501
228	انکشا، اللہ خان انکشا	انتہش
		397
		انتش
		396
		الطاف حسین حالی
		303, 359, 371, 372, 398, 427
		الملاحی، القوارزی
		42
		الہمدی، اللہ اعجازی
		243

218

ام ایمن رحمہ

414,415,416

انعام اللہ یقین

208,219

ام سلمہ رحمہ

411

انور صابری، علامہ

136,186,446

ام علیہ رحمہ

377

اورنگ زیب عالمگیر

200

ام کلثوم بنت سیدہ علی رحمہ

297,380,402

اوس بن ساعدہ رحمہ

206,207,208

ام کلثوم رحمہ

223

الیہ وذا رخاؤ (Eduard Sacchau)

192,200

امیہ بن خلف

370

ایڈورڈز (Andrews)

144,145



بابہ بادشاہ

358

آریہ (مشت)

401

بابہ رحمہ

134,139,140

آہلی بن خلف

144

136,137

بابہ رحمہ

آسامہ بن زید رحمہ

186,192,209,219

206

ام انس رحمہ

برکات احمد نوکی، حکیم	باقی باشد، خوب
368	290,309,342,344,345,380
برکت اللہ بھوپالی، مولانا	بخاری، امام (ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل)
353,355,356,357	128,130,166,405,439
برہان الائمہ	بدر بن عبد اللہ مرقی، شیخ
369	435,436
برہان الدین الکبیر، عبد العزیز	بدر الدین اسماعیل، شیخ
369	335
بدل، شیخ	بدر الدین، شیخ
65,210,212	336
بلین، سلطان	بدر الدین یحییٰ
499,500	264
بطنی، سیّد (یعنی حسین بن عبد اللہ بن سیّد)	بدر الدین غزنوی، شیخ
291,404,405,472	302,303
بہادر علی حسینی، میر	بدر دین، نواب
407,408	359
بہاری	براء بن معمر، شیخ
339	220
بہاؤ الدین زکریا، بکتنی	برکت بن عبد اللہ حمی
338	320

361

پاؤ درنگ کھان کھوئی

355

چڑت جکت رام

355

چتر گھ

292



تا ہے شاد (پاپا)

379

ترخی امام

128

ترنہادی مولا تا

391,392

تیم داری جیٹو

46,47

تیاں کھواری

392



شادانہ پانی پی، جھڑی

بہاؤ الدین عالی شیخ

367

بھم (مخت)

134

بہا امان

387

بہا سلام النساء

371

بہر گھ

356

بیشادی علامہ

98,231

نکین ڈی کارت (قسطی)

405,406

نیکم ہو پال

492

نکتی امام

141



پامر (Palmer)

42

جال الدین رومی صولاء

82,108,285,292,294,337

جال الدین سیوطی

264

جمال اشتر

242

جناح مسفر

363

جمہور لال نہرو، پنڈت

376,393,394

جوزف ہوروٹس (Josef Horovitz)

370

جوش ملیح آبادی

375,376,377,393,394,410,411

جہانگیر بادشاہ

490,491,496,497

جیک گولیس

318

جے۔ این چرنی

301



جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ

126,176,366

جارج سیل (George Cell)

306

جان اسٹوارٹ مل (فلسفی)

404,405,406

جہانی مسفر

42

جہانی کبیر

42

جیریکل امین علیہ السلام

61,68,69,78,80,171,182,193,

205,292,439,449

جریمے

504

جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

153,193,195

جعفر بن حرب

231

نجات بن یوسف

175,176,224,364,366

حنيفة بن ابي

53

حسام الدين ابو محمد عمر بن عبد العزيز بن مازة

بن قاري

368,369

حسان بن ثابت بن ابي

125

حسن بن ابي

176,185,231,443

حسن بن زباد بن ابي

242

حسن بن ابي بن ابي

293,359,360,427

حسن بن ابي

72,142,143,207,321

حسن

481

353

ق

چراغ حسن حسرت مولانا

505,506

چند دلال، لاله

360

ح

حاتم طائي

478

حارث بن حارث بن ابي

226

حارث بن كعبه

225

حاتم بن ابي ابي

112

حاتم بن ابي

358,359

حبيب الرحمن شرواني

374,487

حبيب الله بن حارث بن ابي

221

حسین کریمین رحمہ

206,321 خالد بن عبداللہ

349

حسین رحمہ

72,142,199,364,365,504 خالد بن ولید غزوہ بدر

136,154,196,204,205,322

حصہ بدر

183,207 خان اسلم خان

376

طلوئی، امام

243,267,268 خان جهان لودھی

491

محمدان قرمد

322,323,325 خانم، بی بی

497

میدی

128 خان محمد مولانا

276,277,278

حیان بن حکم رحمہ

156 خدیجہ رحمہ

68,69,70

حیدر علی آتش، خواجہ

412 خرم، شہزادہ (شاد جہاں بادشاہ)

495,496

خ

خضر علی

خالد بن سعید رحمہ

116,458

194

خالد بن ہشام

خالد بن سعید بن العاص رحمہ

301	دوست محمد قندھاری، خوابہ	101	علیہ ورجان
353	دینا تاجہ ہر دیال	219,220	خوابہ بنت سکیم بچان
	3	137	د
358,359	ذکا، باللہ دہلوی، مولوی		دارالعلوم
	ذوق	380	
421			دار قطنی (امام علی بن عمر)
129,281	ذہبی، حافظہ	112	داری
	ذی الحارج	166	
108			دارغ دہلوی
	ر	381,382,383	دارم علی، سکیم
	راڈ ویل (Rodwell)		
361		368	دجال
	رازی، امام		
41,266		47,48,61	درگا پرشاد
353	رام چندر	404	

434,437,478

راقی

رسالت مآب ﷺ، حضرت

292

46,49,53,54,55,56,57,59,60,61,

راکے بہادر پر شاہ

62,63,64,65,67,68,69,70,71,72,

378

73,80,89,90,91,92,94,96,99,100,

رحماء بن خلیفہ

104,107,114,115,116,119,120,

347

121,123,124,125,126,127,128,

رحماء بن محمد

129,130,133,134,135,136,137,

112

138,140,141,142,143,145,147,

رحمت علی، چچہ درہی

148,149,153,156,157,158,161,

353

162,163,164,165,166,170,171,

رسالت پناہ ﷺ، حضرت

172,174,175,176,177,178,180,

43,44,45,46,47,49,50,51,57,79,

181,182,183,184,185,186,187,

80,81,117,118,120,124,125,

188,192,193,194,195,197,198,

126,132,133,134,135,137,138,

199,200,201,202,203,204,205,

152,154,156,157,158,159,160,

206,207,208,209,210,211,213,

163,167,168,176,178,188,192,

214,216,218,219,220,221,222,

206,207,208,209,210,211,212,

223,225,227,244,247,252,258,

213,215,218,219,222,235,237,

259,262,266,281,282,284,286,

250,261,266,267,281,286,307,

288,300,307,316,321,326,330,

324,326,347,348,371,429,431,

82,108,385,386,408

ز

زیر بن الصوامع رحمہ اللہ

495

زیر بن عبدالمطلب رحمہ اللہ

447

زیر رحمہ اللہ

رحم

52,212

زکریا بن محمد انصاری

رقیہ بنت عمر رحمہ اللہ

264

زختری

رقیہ رحمہ اللہ

79,80,81,98

زمرہ رحمہ اللہ

رکن الدین محمود الاسولی بن عبید اللہ الملاحی

194

التوارزی

زیر و رحمہ اللہ

42

212

رملہ بنت ابی سفیان رحمہ اللہ

زیاد بن لویہ رحمہ اللہ

221,222

194

رنجیت سنگھ، راجہ

زید بن حارثہ رحمہ اللہ

379

208,209

روم، مولا نا

362	زید بن ثابتؓ
192,193	سراج الدین شیخ (عربین علی حقاری الہادیہ)
264,265	زید بن عمرؓ
207,208	سرخسی، بخش لائند
241,243	زین العابدینؓ امام
316,502,503,504	سریلنگھ
356	زنہب بنت بخشؓ
183,192,208	سعد بن ابی وقاصؓ
137,138,225,495	زنہبؓ (صاحبزادی صاحبہ)
90	سعدیؓ شیخ
407	سجاد حسینؓ مولانا
427	سعد بن مسیب
147,159,177,212,458	سجاد حسینؓ اخوانہ
371	سعد بن زیدؓ
503	سجاد (القب)
495	سقاویؓ امام
159	سقاہ (عماسی خلیفہ)
188,264	سرخشن پشاد و مہاراج
289	سفیان بن عیینہ

397	سنائی، حکیم	243	سجہ کبلی، شیخ
	تجرین ملک سلوکی	133	
369	سودا		سلمان فارسی رضی اللہ عنہ
415	سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا	122	سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ
		214	
138	سہل بنت مسعود بن اس بن مالک		سلیمان بن سلید
	انصار رضی اللہ عنہ	436	
176	سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ		سلیمان بن عبد الملک
		503	
153	سید احمد خان امر		سلیمان بن سوسہ
		330	
358,372	سید احمد شہید		سلیمان ثمودی، سید
		134,370,487,489	
274,276,301,402	سیواسی		سلیمان (صاحبزادہ خواجہ فرید الدین مسعود)
356		335,336	

316,359,360,370,372,487,492

شرعیل



شاہ عظیم آبادی

481

شرعیل بن حسن علی

506,391,392

شامی، امام

222,481,482

شرف الدین یحییٰ منیری، شیخ

266

شافعی، امام

341,342

شعیب علیہ السلام، حضرت

206,484

شام لال، نیرو، پنڈت

96

شس العلماء (لقب)

388

شامی، علامہ

372

شکر پادشاہ

167,319,366

شائق

378

شکر لال، سر

392

شاہ ارزاں

377

شورش کاشمیری

392

شاہ جہاں بادشاہ (غرم شہزادہ)

506

شوکانی

395,496,497,498

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

270

شوکت علی

73,85,266,292,301,502

شعلی نعمانی، مولانا

243,369	صدر الشیخ	387,388	شیرازی (حافظ)
339	صدرالدین عارف متقی	399	شیرشادوری
186	صفیہ رحمۃ اللہ سیدہ	491	طبری
40	صلاح الدین ابو بکر سلطان	264	صاحب کلبری، دیوبند
379	صمدی	290,291,333,338	صاحب روح المعانی
122	صہب روی بیگ	86,95	صاحب نورالانوار
447	صہبہ بیگم	226	صاحب دیوبند
194	شہاک بن قیس بیگ	269,270,369	صدرالدین قنوی، شیخ
204	شرار بن الازور بیگ	338,339	صدرالسعید
		369	

عمر بن سنان اکوع <small>رحمہ اللہ</small>	طہادی امام
214,215	
عائشہ <small>رحمہ اللہ</small>	149,167
52,68,69,70,71,94,95,124,126,	علی بن عبید اللہ <small>رحمہ اللہ</small>
139,168,177,183,185,220,228,	203,495
233,434,446,447,449	علیہ <small>رحمہ اللہ</small>
عباد بن بشر <small>رحمہ اللہ</small>	52,159,160,212
186	علیہ الجود (لقب)
عباس بن مرداس <small>رحمہ اللہ</small>	203
156	علیہ الخیر (لقب)
عباس شروانی	203
490,491	علیہ القیاض (لقب)
عباس <small>رحمہ اللہ</small>	203
153,191	علیہ بن خویلد اسدی <small>رحمہ اللہ</small>
عبد الجبار بن عمارث	204,205
46,47	علی بن حسین، ذاکر
عبد الجبار مغزی، تاجی	487
42	
عبد الجبار نعمان	عمر بن فہرہ <small>رحمہ اللہ</small>
318	212

115	عبدالحق محدث دہلوی
عبدالسلام ندوی، مولانا	290,339
487,488	عبدالحکیم سیالکوٹی، مولانا
عبدالصمد دہلوی، شاہ	401
367,402,502	عبدالحمد
عبدالحق نور	159
411	عبد الرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ (عبدالحکیم)
عبدالقادر دہلوی، شاہ	139,140,216,217,233
384,484	عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ
عبدالقادر رائے پوری، مولانا	137,212,495
276	عبد الرحمن بن مسلم خراسانی (ابو مسلم خراسانی)
عبدالحکیم، حاجی	
316	عبدالله
	366
491	عبد الرحمن بن ملجم مرادی
عبدالله بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ	320,321
136	عبد الرحمن جامی، مولانا
	502
عبدالله بن اکواء	
55	عبد الرزاق کاشانی، شیخ
	341
عبدالله بن بسر رضی اللہ عنہ	
	عبد الرشید نعمانی، مولانا

94,127,217,226,227,316,439,	170	
440		عبداللہ بن جحش
عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ	221	
122,123,124,170,227,228		عبداللہ بن جعفرؓ
عبداللہ بن عمرؓ	321	
101,126,147,171,181,201,207,		عبداللہ بن حنظلہؓ
224,225,226,227,228,364	315	
عبداللہ بن مبارک		عبداللہ بن زبیرؓ
365	227,347,364	
عبداللہ بن مسعودؓ		عبداللہ بن زید بن عاصم الہامانی
52,94,100,107,195,196,200,217,		الانصاریؓ
226,227,228,486	202	
عبداللہ بن مطاع بن عبداللہ بن قسطنطین		عبداللہ بن زید بن عبدہ بن علقمہ
481		الانصاریؓ
عبداللہ بن وہب امراکی	128,202	
55		عبداللہ بن زیدؓ
عبداللہ بن وہب بن مسلم	315	
129		عبداللہ بن سلامؓ
عبداللہ بن جحشؓ، ذاکٹر	122	
498		عبداللہ بن عباسؓ

431	صحیحہ	عبداللہ بن عیسیٰ (ابو بکر)	211
196	عثمان بن علقمہ رضی اللہ عنہ	عبدالمطلب	119,180
200,212,222,224,310,315,494	عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	عبدالمکب بن مروان	126,347,502
211	عثمان بن علقمہ (ابو قحافہ)	عبد الوہاب انصاری (تکیم زینا)	362,406
130	عروہ قشیری رضی اللہ عنہ	عبد الوہاب شعرائی شیخ	312
60	عزالدین بن عبدالحلیف بن عبدالمعز بن المعروف بآمن الماکب	عبید بن عمیر	60
116	عزراکیل رضی اللہ عنہ	عبید اللہ احرار خولید	43,401
87	عطاء بن یسار	عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ	225
171	علاف	عبید اللہ خولید	380
42		عتاب بن اسید اموی رضی اللہ عنہ	208

316	علی بن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما	340,341,342,343,344,345	علاء الدین سنانی
243	علی بن مدینی	499,500	علاء الدین ظہری
52,53,54,55,69,72,109,158, 198,199,203,206,207,212,217, 218,224,310,320,321,396,445, 446,447,448,449,454,495	علی بن ابی طالب	301	علاء الدین عبد الحزین بن احمد البخاری، امام علاء الدین شیخ
53	عمار بن ابی حمزہ	41	علم اللہ شاہ
61,188,438	عمر بن عبد الحزین	72,495,502	علی الحائری لاہوری، سید
369	عمر بن مازہ	386	علی القاری، مؤلف
363,364	عمر بن ابی حفصہ	387	علی بن ابی طالب
320	عمر بن ابی حفصہ	63	علی بن ہریرہ
	عمر بن ابی حفصہ		علی بن حجر عسقلانی

عبدی بن اطف الله بن مطهر بن شرف الدین	504
317	عمر بن محمد الشیبانی
عبدی (مسج) علیہ صحت	242
48,61,62,283,284,288,471	عمر بن خطاب (عروق اعظم) علیہ السلام
یعنی علامہ	52,60,61,100,101,122,126,131,
246,267,270	132,133,136,137,146,147,159,
عبدی (اسد اللہ خان)	160,191,192,193,194,196,197,
292,294,304,372,385,386,397,	202,203,204,205,206,207,208,
398,399,400,401,403,409,421,	209,210,211,213,217,219,225,
422,479	251,315,480,481,482,494
عمرانی امام	442
280,322,325,405	عمر بن العاص علیہ السلام
علامہ علی دہلوی مولانا	191,193,194,196,197
301	عمر بن امیہ علیہ السلام
علامہ مصطفیٰ قاسمی مولانا	221
85	عقودہ
علامہ بدائی مصطفیٰ امروہی	220
413,414,416	عوف بن مالک علیہ السلام
غیاث الدین فتحی سلطان	60

303,333,334,335,336,338

فعل، ذاکر

374,375

فیضانِ رحمت

318

فعل بن دین

136

ف

243

فاطمہ ران

فیاض حسین

68,69,70,72,207,444,445,448,

371

فیروز شاہ تغلق

454

فخر الدین چشتی نظامی

339,341,342

فیض الدین دہلوی، ششی

502

فخر الدین دہلوی

397

فیضی

330

فخر الدین رازی، امام

400

ف

405,472

فخر الدین عراقی، شیخ

قاسم بن قطلوبغا

338,339

264

فرزدق (ابو فراس، امام بن غالب حمیری)

قاسم بن قنوی، مولانا

503,504

266,294

فرعون

قاسم (شہید کربلا)

144,145,442

417

فرید الدین مسعود غزنوی

504	قاضی خان، الامام	کثیر بن ملح	248,249
315	قلاوہ خان	کریم خان	96
355,356	قدوس بن قمار علی خان	کریم خان	156
255	قرطبی، امام (ابو عبد اللہ انصاری)	کریم خان	105,106
228	قطب الدین بختیار خلجی، خواجہ	کریم خان	302,303,500
160,161,162	قیس بن عمارہ	کریم خان	198
42	کالے خان	کریم خان	400
61,122	کبیر بھائی، شیخ	کریم خان	267,268
65,219,220	کبیر الدین، شیخ	کریم خان	339
381,382	کبیر	کریم خان	

269,270,371

مالک بن ستان

279

کندی

201

مان سنگھ دروید

243

کنوہ میوند سنگھ پیدی سحر

490

مجاہد تاجی

376,377,378,393,394

ک

170

مہدوالف ثانی سرہندی

363,364

گاندھی کی

76,277,279,301,305,308,309,

ل

312,328,329,342,343,344,345,

لارڈ پارڈنگ

346

مجید لاہوری

353

لخت حسین

378

محب اللہ آلہ پادی شاہ

388

م

380

محب اللہ بہاری نقاشی

134,136,137,138,139

ماتع (عشت)

231,232

محمد یاقر امام

504

مادح

504

محمد بن ابراہیم بن ویدار (ابو عبد اللہ)

101,105,106,129,180,196,206,

مالک امام

159

محمد بن طلحہ

130

محمد بن ابوبکر

159

محمد بن عبدالرحمن بن ابی بکر

158

محمد بن ابی بن کعب

216, 217

محمد بن عبدالوہاب

315

محمد بن احمد بن عبدالعزیز بن عمر بن غزوہ

319

محمد بن عدی بن ربیعہ

369

محمد بن احمد

158

محمد بن علی

158

محمد بن اسماعیل بن مسلم

158

محمد بن محمد بن علی امام جزی

130

محمد بن ثابت بن قیس بن شامس

72

محمد بن ولید طرطوشی

315

محمد بن حسن الشیبانی حنفی امام

281

محمد بن ہدایہ الحنفی امام

484

محمد بن حران

40

محمد بن قسطنطنیہ سلطان

158

محمد بن خرقانی

336

محمد بن قادی حنفی امام

158

محمد بن سعد

محمد رضا آفندی	395	محمد طیف خان	492
محمد کرمانی سید	115	محمد ذکریا مولانا	333,334
محمد کسوراز سید	276,495	محمد سعید خان، ملحق	339
محمد مہدی اختر آبادی	1,2,34,36,115,273,274,275,		317
	276,277,278	محمد صادق خواجہ	279,280
محمد ہاشم نعمی، خواجہ	308	محمد عبدالسلام خان	278
محمد یوسف بخاری	491	محمد عبداللہ عثمان	250,484
محمد امام	487	محمد عبداللہ مولانا (خانقاہ سرانیہ)	499,500
محمد شہزادہ	278	محمد علی جوہر	97,69,222
محمد شرفی، حضرت	387,388	محمد عابدی حائری، سید	
محمد یار بادیک کاکھال	472		
(M.Marmaduke Pickrhall)			

125	مسلم بن عقبہ	361	محمود احمد برکاتی، حکیم
315	مسلم باہم	368	محمود بن محمد الملاحی الخوارزمی
163	مصطفیٰ خان شیخو نواب	42	محمود خان، حکیم
403	مظہر جان پائیں، مرزا	400	محمود صاحب، محدث
301,411	معاذ بن جبلؓ	369	محمود علی خان محمود راجپوری
60,193,194,195,196,210,220	معاذ بن حارث ابی طیسر انصاری	381,382	محمود غزنوی، سلطان
315	معاویہ بن ابی سفیانؓ	323	مرتضیٰ شیرازی
52,53,54,124,160,161,164,197		496	مردان بن حکم
206,210,213,214,222,225,320,			
481,482	معز الدین، شیخ	160,224,315	مسعود بن مرید
336	معصوم، خواجہ	243	مسروق

368

موسیٰ آسن ڈی ہرڈو

496,497

موسیٰ (بن عمران) حضرت

61,62,144,286,288,442

مومن خان مومن، حکیم

397,402,403

موبین سنگھ

355

مہاجر بن ابی امیہ

194

مہندری تاجپ، دلچ

355,357

میاں کالے

372

میر انیس

373,374,365,417

میر تقی میر

414,415,417,418,420,421,422,

423,424

279

محقق بن شان

315

محمین الدین امیری، خولجہ

303,338,500

مقدمی، علامہ

242

مقیم بن مالک بن امیہ

157

مفتوح

164

ملا صدرا

367,368

متنازل

496,497,498

مناوی شافعی، علامہ

264

موتی لعل، خولجہ

292

موروی، مولانا

281	میرزا محمد
373,374	نزاکت (رنگبو)
403	میرزا دلاوی خانلو
396	نسائی امام
166	میرزا شک
415	نصیر الدین دلاوی
328,329,339	میمونہ (ام المومنین)
434	نصیر الدین محمد بن حسن طوی خانلو
472	میمونہ (خادمہ)
153,154,434	نصیر حسین
392	نور شاہ درانی
317	نظام الدین اولیاء
328,329,333,334,335,336,338,	
374,403,500	نافع
181	نظام الدین فرنگی بھلی ملا
232	نہاشی
162,163,221	نظام حیدر آباد
361	نذیر نیازی
406	نعت اللہ
491	نور باد

394	نہرو	287	وکج بن الجراح
243	نوح علیہ السلام حضرت	62,96,442	ولید بن عبدالملک
349,503	نور احمد پسروردی ثم امرتسری مولانا	343	ولی - ڈی - سادو کر
356	نور محمد مولانا	214,215,460	بارون علیہ السلام حضرت
284,286,442	نور الدین جہانگیر بن اکبر بادشاہ	374	بارون الرشید
365,490	نور جہاں محلہ	496	باشم بن عبدالستاف
289	نہدیہ علیہ السلام	212	بہار بن الاسود علیہ السلام
89,90,91,92	واقفی امام	243	ہردال
353,354,355	واک بن جبر علیہ السلام	199	برقل
120	وہبہ کشی		

برگ و پال تخت، مثنیٰ	مثنیٰ علیہ السلام حضرت
291,292,293,294	283,284,286
بریل کے پری	عزیز الخیر (لقب)
356	210
برمن سنگھ	عزیز بن ابوسلمان بن علی
355	210
برہادی	عزیز بن سلام
355	347
ہشام بن عبدالملک	عزیز بن عبدالملک
503	503
تایون (بادشاہ)	عزیز بن معاویہ
401,491	84,116,201,315,326,346
حبیب (مثنیٰ)	یعقوب علیہ السلام حضرت
138	287
حوان (مثنیٰ)	یوسف علیہ السلام حضرت
134	284
حمید (مثنیٰ)	یوسف سوہانی
134,138	363
یاقی امام	یوسف مرزا
505	395,396

تہا کی شاعری

156	تہا کی	1	اسرائیلی
	تہا کی	490,491	
350,366		490,491	افغان
	تہا کی	پ	
202,368,369			تہا کی
	تہا کی	204,205	
61,175,315,346,347,349,366		485	تہا کی
	تہا کی	203	تہا کی
207			تہا کی
	تہا کی	137	
212			تہا کی
	تہا کی	161	
211			تہا کی
		485,486	

484

ط

طی

205

ع

عربہ

174,175

عکس

174,175

غ

غطفان

205

ق

قریش

197,483,485,486,487,504

قیس

485

ل

لودی

500

پ

پشان

490

ت

تاتاری

499

تفلس

500

خ

خدرہ

201

خدری

201

خرزج

201

ر

راہباری (ہندوؤں کا ایک فرقہ)

475

ش

شیبان

363	مین	م	مسر
		485,486	
486	بذیل	500	مفس
مقامات			
303,335	ابو حسن	آ	آذر بختان
	امیر آباد (ہندوستان)	497	
278			آسٹریلیا
	ادارہ تحقیقات فارسی باسلام آباد	356	
280			آکسٹورڈیج نورثی
	استنبول	273,276,353	
492,500			آگرہ
	استوائی توپ	400,495,501	
181			آیا صوفیاء
	اسکندریہ	318	
264		ا	اٹلی
	اشلیہ	471	

126	اردن	383	اصنہان
194,210,340	ام القرنی	438	اعظم گڑھ
49	اموی کعبہ	316	افریقہ
349	اودھ	270	افغانستان
401	باغ نذک	302,323,341,342,471	الجزائر
206	بنار	270	امرتسر
364,369	پار	343	امریکہ
89,126,145,200,447	برصغیر	353,355,356	انگلینڈ
270,282,373,387,406,413,490,		273,277	ایران
505	برطانیہ	109,341,471,742,797	أحد

392	بھوپال	471	برکے پور نوشی
357,492	بیت اللہ (سعد اللہ)	354	برہان پور
191,346,349,350,365,483,504	بیت المعمور	496	بصرہ
287	بیت المقدس	203	بغداد
346,350,500	بیضاء	323,499,500	جاذعہ
138	پاکستان	338	پٹنارہ
85	پاکستان	267,268	بہمنی
319,331,353,357,376,378,393,	پانی پت	278,363,377	بکال
489	پانی پت	375	بکدیش
371,427	پٹنہ	357	بہار

270	تیس	392	پنجاب
	﴿ ٥ ﴾	236,487	پنجاب یونیورسٹی، لاہور
368	نوبت	353	پنڈ دادھان
	﴿ ٦ ﴾	489	پارپ
356	جاپان	401,497	پارپ
115	جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی	﴿ ٧ ﴾	تاج محل
	چاند الا از ہر مصر	132,495,496,497	جھوک
361	جرمن ٹارن آفس	211	ترکی
357	جرمنی	264,340,361,492	توران
356	جرمنی کا عرب	497	تونس شریف
483	عراق	330,331	
90			

جنت	جنت
44,45,50,51,52,53,62,63,64, 65,71,95,96,97,103,110,155, 220,237,283,298,299,322,388, 493,494,495	146,356
جنت البقیع	جنت
196,201,209,326,327	191
جنت البقیع	جنت
326,327	503
جنت	جنت
193,194	191,340,486
جنت	جنت
44,50,51,52,61,62,63,65,96,283, 298,299,304,305,322,493	55
جنت	جنت
359	322
جنت	جنت
302	140
جنت	جنت

497,499,500

دعوت

322

حیدر آباد

278,294

ذ

362,492

خ

ذائیل

خراسان

278

(Detroit) ڈیٹرویت

369

خوارزم

357

ر

268

خیر

رام پور

214

381,382

و

راولپنڈی

دکن

232,354,427

362

روس

دشمن

471,497

روئے زمین

315,317,339

دہلی (دہلی)

496

293,294,302,334,335,336,348,

روم

353,354,358,359,360,372,374,

247

375,377,378,381,400,404,405,

ریاست بھوپال

406,407,409,427,479,483,484,

489	سیال شریف	492	ز
330,331		زیبہ	
	سیالکوٹ	194	
489,490		زمر	
	سیکر و منٹو	349,350	
355,357		س	
	سید اس	سان فرانسسکو	
264		355	
	ش	تکن	
	شام	361	
52,53,122,124,193,194,197,		سدرۃ المنتہی	
204,205,209,210,224,322,338,		287	
340,481		سرف	
	شاد جہان آباد	154	
497		سرحد	
	شکارگو	317,364,369,497	
357		سمتان	
	شمالی افریقہ	341	
471		سندھ	

عراق	شیراز
147,203,205,224,338,340,349	401,402
عرش معلی	سحرۃ سلیمانی
43	
عرقا	347,349
347,365	منعاه
علی گڑھ	193
374	صوبہ بہار
عمان	193
197	صوفی پر تنقید اینڈ پبلیک سبجکٹ منڈی
عمواس	بہار الدین
209	488
ع	ط
عاجراء	طائف
180	64,124,136
عاجور	طرابلس
162	471
عزنی	ع
323	عدن
	194

492		فدک	ل
115,368,387,388	کراچی	فرانس	139,224
496	سمنیر	فلسطین	353
489	کھرکھار	قہرہ	197
387	کفستہ	قبرستان	264,265,319
194,199	کندہ	قدس	252
55,196,199,289,320	کونہ	قزاق	46,47
489	کھجورہ	ھسین	265
355,357	کیلی فورنیا	کاپور	322
318,319	کیلی فورنیا یونیورسٹی		ک

369

محمدی القام



کجرات

288

عبد شورو

336

گولڑہ شریف

46,64,79,90,91,97,116,124,

330,331

126,128,133,134,135,138,143,



146,147,153,160,168,181,195,

لال قلعہ دہلی

196,200,201,205,208,209,220,

393,497

221,222,225,315,324,327,446,

لاکھنؤ جو تھوڑی مہالینڈ

447,481

370

مراکش

لاہور

270

مزدلفہ

41,353,362,379,406,489,496

لکھنؤ

365

مسجد

373,401,415,417,483

لندن

251,252

مسجد اقصیٰ

276,277,361

لیبیا

347

مسجد نبوی

471



مادر اماتیم

181,184,217

323,339

مشہد

395
مترجم

349

مصر

منہدی بہاء الدین 40,124,129,191,197,264,265,

488

319,320,340,471,472,481,486,

500
منہدی

347,349,365

مصطفیٰ آباد

383
میٹروپولیٹن

357

مقام ابراہیم علیہ السلام

میٹروپولیٹن اسلام آباد 162,191

216

مقام محمود

62
منیر صوبہ بہار

341

کد کرمہ

ن

49,64,89,90,137,153,154,160,

161,162,163,191,195,208,212,

135,136,138

233,320,327,347,349,481,483,

503,504
نیپال

236

لہار مانی

و

331,478

دانشین

ماتن

342,353,355,356,357,358,376,

353

384,392,393,395,399,471,475,

درجہ

492,496,499,500

489

ی

۰

نہیں

باشیہ

289

193,194,195,197,199,220,316,

بائیں

317

318

پہرے

ہرات

356,361,405,407,474

341

پاکستان

بندوستان

471

301,302,312,316,332,340,341,

مذہب و فرق (فرقے)

اشاعرہ

۱

40,325,501

احناف

اشعری

246,250

40,296

اسلام

اہل السنۃ والجماعہ

51

35,40,41,43,44,47,48,51,52,

انجیلی شیعہ

53,54,56,57,67,68,69,70,97,

322,323

=====

60,319,320

خارجیت

98,129,206,261,262,310,326,

330,339,386,488,501,502

319,320

المشقیق

خارجیت

41,261,262,367,396

48,55,56,57,60,262,263,326



رائفی (روافض)

323

بالمشقیق

48,55,56,98,133,326



56

بالمشقیق

سکھ

بدعت

357,377,379



51,292,293



شامی

جمہور

501

48

شید

مشی

41,42,262,322,371



294

خشیہ

سیرانی

42

46,119,120,121,248,498



سیرانیت

خارجی

48	مرحہ	51,120,121,122	ف	قدوسی
40,41,42,48,57,98,326	مترکہ	332	ن	قادیانی
42,98,326	مترکی	51	م	قدوسی
270,501	مواکک	326	ن	قراٹھ
320	نامی	322,323,325	ن	قرمطیہ
319	نامیہ	322	م	ماریچی
120,236,357,363,475	بندو (بندوؤں)	294,296	ن	ماریہ
51	بندوست	325,501	ن	نوی
	بیہودی	119,120		

51,121,122

119,120,121,188,259

بیہودیت

غزوات

214

نیت رضوان

211 غزوات السلاسل

197

بکے بمل

52,84, غزوات العشرہ

203

بکے صلیب

52,53,84,199,225 غزوات طائف

136

شہدائے اُحد

182 غزوات موت

209

صلح حدیبیہ

153,163,216 غزوات نہادہ

205

غزوات بدر

144,181,195,203,211,216 غزوات اُحد

144,201,211,216

غزوات حنوک

79,211 غزوات خندق

126,211,221

غزوات خیمین

181,203,210,211 فتح خیبر

195,196

غزوات خیبر


126,316	واقعہ کرچا	فتح مکہ	83,84,157,160,181,193,210,
	یوم التّمدّدان	واقعہ حروہ اتم	211,216,262,366,481
55			116,202,315
ماہ و سال			
100	پندرہویں صدی	اپریل	36
	تیرہویں صدی ہجری	اٹھارویں صدی عیسوی	
384			501
	بھاوی الاول	اکتوبر	
473			275
	بھاوی الثانی	اگست	
36,275			273
	جنوری	آنیسوی صدی	
492			498
	جولائی	بارہویں صدی ہجری	
278,364			384
	دسمبر	تیسویں صدی	
359,354,395,411			471

204	ذی الحج	عام الامدادہ	260,349
191	ذی القعدہ	فروری	153
370	ربیع الاول	گیارہویں صدی تک سوی	273,274
501	رجب	محرم	473
371	رمضان المبارک	نیا سال (New Year)	101,180,181,182,183,254,265
411	ساتویں ہجری	نومبر	365
359	تہر	نویں صدی ہجری	106
316	شعبان	1028ھ	357
317	شوال	1040ھ	427
496	طاہون مہماس	1048ھ	183,184

350	497	
	♣1401	♣1050
317,318	367	
	♣1415	♣1057
273,274	496	
	♣1417	♣1119
115,275	232	
	♣1435	♣1161
2,36,191	232	
	♣1636	♣1246
318	102	
	♣17	♣125
191	129	
	♣1748	♣13
232	208	
	♣179	♣1316
365	41	
	♣18	♣1395
191,204,209	318	
	♣1839	♣140

353		379,491	
	•1913		•1849
355		379	
	•1914		•1872
359,492		381	
	•1915		•1874
363		395	
	•1918		•1899
370		492	
	•1926		•1904
364,492		370,372	
	•1927		•1905
357		353	
	•1931		•1908
370		361	
	•1935		•1909
406		359	
	•1936		•1911
293,361		404	
	•1939		•1912

203	278	
40	1940	
198	278,487	
43	1950	
197	318	
5	1952	
221	319	
536	1994	
42,368	273	
54	1996	
209	275	
58	2005	
126	277,278	
582	2014	
472	2,36	
59	21	
126,326	205	
6	261	
153	241	
60	36	

328	757ھ	325,326	63ھ
116	797ھ	315	671ھ
209	8ھ	106	7ھ
265	860ھ	153,196	730ھ
163,200,204	9ھ	233	736ھ
317	901ھ	340	74ھ
		201	
			
319			آپ حیات
115	لن ملہ	416	آتش کدو وحدت
	احیاء علوم الدین (احیاء العلوم)	341	این غلدون اور امیر تیمور
280,281,405			

اشاریہ الشریعہ	اشارہ الاخیار مع مکتوبات
266	291,340
الطبقات الکبریٰ لابن سعد	اسرار الاشیات
370	367
المعروف والنہی	اعتقادناہ
340	502
القاروقی	اعلام المؤمنین
492	250
الغزالی	اعلام السنن
الغزالی	332
188	الاحیاء (ابن جوزی)
اصحاب النبی من الصحابہ والتابعین ومن	281
بعدہ ہم علیٰ مراتبہم فی کثرۃ النسخ	المعراج
228	233
اسماء الصحابہ ارباؤہما کل واحد من الاعداد	القریہ (ابن ہمام)
228	231
الانوار العظمیٰ	الحرز الثمین
231	72
بدایہ النبی	الحسن والحسين
72	

تاریخ ہند	502	یہم آخر
358,359		
تاریخ الامم	397	بدلی نظام
85		
تقویم کبر شای	265	
490		
ترہی		تاریخ آگرہ
215	498	
تاریخ انگریز		تاریخ انگریز
497	318,319	
تقویم الامم		تاریخ افغان
73,277	491	
تورات		تاریخ اداوی
132	491	
		تاریخ سندھ
The early hours.	489	
361		تاریخ شیر شای
The Indian War or	490	
Independence.		تاریخ ادوی
356	317	

354

ع

عائشہ بنت خننہ الغسانی

491

خطوط غلاب

292

غلامیہ اعراس

414

و

دستور دیات

277

دیوان کامل

341

ز

ذکاء اللہ آف دہلی

358

ر

روح الروح

316

روح المعانی، التفسیر

ع

جزء معتقی الرواة عن المرأة

495

Gadar Movement, Ideology,
Organization and Strategy.

356

ع

چمن امداد

404

چیل ماس

340

ع

چند اللہ الہیات

73,266

صدائق القبول ووجاہہ القبول

40

حل مشکلات

472

حلقہ مہدیہ

361	86,102	روحۃ القیومیہ
شرح اشارات	279	
472		زاد المعاد
شفا (پہلی جینا)		
405	164,165	زہد و انقادات
صحاح ستہ	280	
332		سلم
صحیح بخاری		
117,130,133,149,150,215,332,	215	سیر اعلام النبلاء
439,460		
صحیح مسلم	281	سیر الاولیاء
116,332		
مراۃ مستقیم	303	سیر الصحابہ کرام
277		
	487,488	سیرت النبی ﷺ
طبقات (حافظ ابن رجب مثلی)		
133	492	
	Saeed the Fisherman.	

43	قادی رضویہ	عقائد یزدوی
235,297,402	قادی عالمگیری	عقائد نسبی
248	قادی قاضی خان	عقائدات
55,130,149,150	فتح الہاری	عقائد رفتہ
226,232,263,264,265	فتح القدیر	عقائد شریا
270	فتوحات (ابن عربی)	عقیدہ وحسنہ
119,281,282,285,311	فتوحات کبیر	عقیدہ و محامد
282,285,311,339,380	فصوص الحکم	عیون الاخبار
322,325	فضائل الہامیہ	
296,501,502	فتا کبیر	قادی تاج العارفینہ
		245

124	مستند معاد یہ بن ابی سلیمان رحمہ اللہ	مبارق الانوار
116	مشارق الانوار	مشقی
215,278	مکتوٰۃ	مجموعہ معنقات شیخ سستانی
197	معنی ابن ابی شیبہ	مختصر (ابن عاصب)
374	مطلول	مخزون الفاغفہ
332	معارف القرآن	مرشد و مرید
231	مقائم الاصول فی علم الاصول	مرقاۃ شرح مکتوٰۃ
414	منہجہ اشعراء	مسلم الثبوت
266	مقاصد الشریعہ	مستند عبداللہ بن زید بن عبد ربہ بن مہدی
279	مکاشفات عینیہ	النصاری
		128

280	کتوبات (مجدد الباقی)	76,277,309,312,343
502	نظام الحکومت	مناقب الامتہ الاربعہ
407,408	تکلیفات (Tales)	منہاج
408	تکلیفات قرآنی	منہاج (قاضی ریشاوی)
408	تکلیفات ہندی	موطا کبیر
265	ہمایہ	میزان الحکومت
		نسب افغانہ
		توسیع
		جنگ (اخبار)

<p>غ (نذر) (اخبار)</p> <p>355,356,357</p> <p>م (معارف) (رسالہ)</p> <p>370</p> <p>ن (نکدوان) (کالم)</p> <p>378</p>	<p>ز (زبان) (رسالہ)</p> <p>360</p> <p>ح (حرف و حکایت) (کالم)</p> <p>378</p> <p>س (صوفی) (رسالہ)</p> <p>488</p>
<p>اورادو کا کف</p>	
<p>اللَّهُمَّ إِنَّا نَعْلَمُكَ.....</p> <p>428</p> <p>اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرٍ.....</p> <p>441</p> <p>اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَغْفِرُكَ.....</p> <p>458</p> <p>اللَّهُمَّ أَنْتَ اعْلَمُ بِي.....</p> <p>430</p>	<p>إِسْتَحْرَثْ بِأَمَامِ.....</p> <p>437</p> <p>اللَّهُمَّ اسْمِعْنَا خَيْرًا.....</p> <p>117</p> <p>اللَّهُمَّ رَبِّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ.....</p> <p>453</p> <p>اللَّهُمَّ إِنِّي عِلْمًا وَ إِيْمَانًا وَ نَيْبًا.....</p> <p>107</p> <p>اللَّهُمَّ كُنْ الْحَمْدُ.....</p> <p>461</p>

سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْحَيِّ الْحَقِّ.....

468

سُبْحَانَ رَبِّيَ وَ بِحَمْدِهِ.

465

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ أَشْهَدُ.....

466

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ.

466

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ.....

432

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْعَظِيمُ.....

439,440

مرگی کا مریض اور سورہ رحل.....

427

أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ الَّذِي.....

457

أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَ التَّوْبَ.....

457

بِسْمِ اللَّهِ عَلَى قَمِيٍّ.....

435

بِسْمِ اللَّهِ، اللَّهُمَّ تَابْ بِي بِذُنُوبِكَ.....

434

حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ.....

104

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَ تَبَّ عَلَيَّ.....

444

رَبِّ اغْفِرْ لِي.....

457

سُبْحَانَ اللَّهِ لَا شَرِيكَ لَهُ.....

467

سُبْحَانَ اللَّهِ وَ بِحَمْدِهِ عَدَدُ خَلْقِهِ.....

467

سُبْحَانَ اللَّهِ وَ بِحَمْدِهِ، أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ.....

468

سُبْحَانَ اللَّهِ وَ بِحَمْدِهِ لَا حَوْلَ.....

466

سُبْحَانَ اللَّهِ وَ بِحَمْدِهِ.....

465

اصطلاحات/محاورات

325	اصحابِ اعراف	67	آخرت
64	اصحابِ بدر	1	اہل
126	اصحابِ صفہ	264,493	اجرائے نبوت
447	الہام	51	اتباع
43,299	امریا المعروف دُجی من المنکر	67,250	احادیث
41	امیر المؤمنین فی الحدیث	48,57,67,68,69,258,332,502	ارتداد
53	اباؤ	239	ازلیت
479,480	انبیاء کرام علیہم السلام	309	استدراج
44,50,57,61,65,85,96,97,281,		298,325	اسرار و رموز
282,283,288,305,424,455,463,			

334	بزرگانِ چشت	478,494,506	انصار اللہ
	۲	315,316	اولیاءِ کرام علیہ السلام
319	شہری	44,57,62,75,86,87	دلِ بدعت
	۳	262,263	دلِ بدعت
52,53,60,61,96,109,122,123, 129,172	تاہلی (تاہمین)	64,75,315,316,319,417	دلِ بدعت
300	توکیہ نفس	50	استی
262	تقریب	49,50	آئی
67	تقدیر		ہازِ حقِ افعال
244	تخلید	328	بدعت (بدعات)
40,42,67,73,74,75,76	توحید	233,260,262	بدعتی
	توحید و سنت	60	

44	حفاظ	319	جسم فردش
304	حہہ	402	چشتیہ نظامیہ
251	حقوق اموار	330	چکنی ذلی
	ح	401	چند
330	حاکم الامور	379	حدیث
62,330	حکم بہت	250	حرام
51,67,129,180,277	خصی	270	حرث کا فر
46	خطائے سلفی	246,247	حضور
312	خلافت راشدہ	324,325	
53,54,147	خلافت عثمانیہ		

61	رسالت	42,316,317,472	ظلماتِ اربعہ
67	روزہ	200	ظلماتِ راشدین
254	رکعتِ ہاری تعالیٰ	42,126,206	علیہ راشد
41,48,94,97,98,102	زکوٰۃ	52,61,321	نفسی
103,253,255	ساک	234	خودکاشتہ نمودا
110	سقاہ	56	دعوتِ بندگی مشائخ
479,480	سید سکندر	332	دعوتِ بندگی مکتبہ مکر
499	سلاسلِ اربعہ	331	رحم
276	سلسلہ ہشتیہ	479	رحم

479	302,303,329,343	سلسلہ چشتیہ صابریہ	سوکن
479,480	331,333	سلسلہ چشتیہ نظامیہ	سہروردیہ
329	331,333,337,502	سلسلہ سہروردیہ	سیدنا استقلال
455,460,461,462	338	سلسلہ عالیہ چشتیہ	شرب
	333	سلسلہ عالیہ محمدیہ نقشبندیہ	شرب باللہ
73	274	سلسلہ عالیہ نقشبندیہ	شرب فی الرسائلہ
241	43,290	سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ	شعاعت
97,241,307	277,278	سلسلہ قادریہ	شعاعت صوفی
44,45,47,51,58,59,60,61,62,	276,343	سلسلہ نقشبندیہ	شعاعت عظمیٰ
63,64,65	301,380	سوتن	

493,494

صحابی بیٹوں

62

شہادت کبریٰ

53,61,91,122,123,126,174,216,

45,47,57,62,64,492

431,494

شہداء

صدقہ نظر

57,62,65

103

شیعہ سنی

صدیقین

317

62



مقامات باری تعالیٰ

صاحب قرآن

40

498

صوفیاء کرام علیہم السلام

صحابہ کرام علیہم السلام

86,102,280,292,299,300,305,

41,52,53,54,55,57,60,79,83,

306,307,310,337,341,346,385

84,85,89,90,94,95,100,101,



109,120,121,122,123,125,126,

ضعیف

127,129,133,134,141,146,158,

256

163,165,168,172,175,178,184,



197,200,201,202,203,208,210,

طالبان

212,213,216,217,218,226,228,

319

250,259,266,272,322,326,364

طوائف

429,449,458,461,484,487,488,

257,258,259,260,261,263,265,	503	
266,267,269,270		طوائف
	402,404	فقد شئی
369		عہد اراحد
		فنون الخلیفہ
401,402,404	227	
		عشرہ مبشرہ
	126,203,494	قاریہ
329		غریب
		قلب الاقطاب
493	256	غیر مقلد (غیر مقلدین)
		تقسیم (برتن)
146	251	
		قیاس
250		قاجر
	220,237,315	قیامت
50,54,56,57,58,59,60,67		قاسق
	67,237,253,315,321	قدم
309		فتہائے کرام (فتیہ) فتیلا
	231,239,242,245,247,248,256,	

270



مہر

کتاب و سنت

333

44,250,307

مہرین

کشف (مکاشفات)

251,256

43,97,299,304,306,310

مہر

کلمات نبوت

134

306,310

مہر

کلمات دلائل

479

306,307,310

مراقبہ ذات

نکھر اپار

110

161

مہر



35,174,204,205

مقصود

مردود آگاہ

236

291



مردود منورہ

ماتریبی

324

301

مستامن

مادری

246

289

مشاجرات صحابہ کرام علیہم السلام

مہاج

52	موضوع	206	مشائخ چشت (چشتیہ)
256	مونٹ	302,329,334,335,336,338	
479,486	مہاجرین	503	معصوم
315,316	میتاق غایب	252	مقلد (مقلدین)
244	مؤلفہ القلوب	251	مکرور
226	ن	259	ممسوک الدار
	نہوت	282	منافقت
48,54,55,204,205,442	نہی	66,67	منافقین (منافق)
50,75	نقشبندی	66,67,79,96,97,326	مکر
208	نقشبندی مجددی	256	مود (مودین)
380			

341,342,343,344,345,380,412,
416



ہاشمی

289

ہفت ٹواں رحم

(A Herculean Task)

35



تہوار

397

شب بارات

427

شب معراج

94,192,478

عید الفطر

183

لیلة القدر

182



دھند

43,44

وحدۃ الشہود

312,337,340,341,342,343,344,

345,346,380,416,

وحدۃ التوحید

56,286,297,337,338,339,340,

خوبیہ صاحب کی چیزیاں

397

دھند

397

دوالی

397

رجب میں خیرات

397

سحر ہوئی

397

سلوک

397

ہار صاحب کا مہینہ

397 واقعہ معراج

94,211

ہار صاحب کی چھڑیاں

397 ہولی

397

مردوں کی تارک

طب

عالمون

بخار

209,210

436,437

کلورنیل

مہلہری

483

244

کوڑھ

جوش

244

482,483

لاہوری نمک

جوارش

489

482,483

مرگی

جوارش چالٹوس

427

482

لسیان

روح الذهب

276

362

نہ

شوگر

482,489

357

شرب الامل

391

ایاز قد ر خود شناس

35 حکوں حکوں احوط تا

391

پا حان کھا اور نام حمد فضل

327 بکو نام اکابر

332

پارپ شیراز ماست

401 انور وئی دوراست

374,375

شیر شہر پھرے اور گر گر گھوے

چانور

لی (لیوں)

اڑو ح

235,295,373,374

297

بندروں

اونٹ (اونٹوں)

368

100,102,191,247,449,475

ہم

اٹو

235

235,236

چند

شیر

235

415

چھپلی

کبرا (کبری)

177

143,144,170,499

کتوں (کتے)	ٹپر (ڈنڈل)
367,409	164
مقصود	ذنب (ڈنپے)
236	143,144,283
محوزا (محوڑے)	ساپ
46,382,412	297,483
لمبا پتھر	سور
188	248,367
مرغ	شیر
415,499	329
نیل گائے	کیڑوں
235	412
باقی (بھٹی)	کیڑا بازی
415	412
<hr/>	
دھل	چاند
473,474	75,260,325,473
زیرہ	دھار ستارہ
474	473

473	مرغ	473	سرطان
474	مشتری	75,127,165,267,393,473	سورج
472	عطارد	472	علم نجوم
473	میزان	474	قطب

اشعار

عربی

إِنْ كَانَ لِي عِنْدَ سَلَمَى قَبُولٌ
 فَلَا إِلَهَ إِلَّا بِمَا يَقُولُ الْعَدُولُ
 36 —————
 خَوْفٌ غَرِبْتُ، لَيْسَ الرُّخْصَةُ وَالْهَدَى
 تَبَايَعُ عَقُوفُ، مَبِيعُ الْخَوْفِ وَالْوَفَا
 34 —————
 فَمَا أَنْتَ إِلَّا أَعْيَنْتَ بِعَطْنِكَ سُؤْلَهُ
 وَفَرَحْتَ نَالًا مُتَتَهَى الْمُلْمُ الْخُفَا
 479 —————

قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَوْلَ مُعْرِفٍ
 مَعْرِفِي جَمَادَى وَ جَاءَ نَارِ حَبِ
 —————
 473
 هَذَا الَّذِي نَعْرِفُ أَتَطْعَمُهُ وَمَعَانِي
 وَتِلْكَ نَعْرِفُهُ وَأَسْجُلُ وَتَحْرُمُ
 —————
 504
 يَا رَبِّ أَتَطْعَمُهُ فَتُخْرَجُ عَنْهَا
 مِنْ عِبَادِكَ الْخَالِي وَأَتَى الْوَقْفِ
 —————
 63

فارسی

بیا اے ہم نفس باہم بنالیم
 من و تو کشتہ شان جمالیم
 —————
 221
 حکمت اشیاء فرنگی زاود نیست
 اصل او جز لذت ایجاد نیست
 —————
 474
 خدے او نقش صد امروز زلیست
 تا بیاد صبح فرداے بدست
 —————
 162

دریں محفل کہ افسون فرخ از خود ربیب او را
لگا پودہ سوز آورد، ولے دانے راز او را
سرے شمر کے لیے حفاظتیں مل 293

دوستوں را کہا کئی محرم
تو کہ با دشمنان نظر داری
412

دی شیخ با چراغ ہی گشت گرد شہر
کز دیج و دو طوم و انعام آرزوست
نعلوں کے لیے حفاظتیں مل 108

ر رازی حکمت قرآن بیاموز
چرانے از چراغ او بر افروز
را کے لیے حفاظتیں مل 331

ز من بزم تہجد کنارہ می کردی
یا بخاک من و آدمیہ نم نگر
409

من کردم خلق تا سوے کسم
بلکہ تا بر بندگاں جوے کسم
285

میان ما و بیت اللہ رحمت
کہ جبریل امیں را ہم خبر نیست
292

نہت حق نے تہا کو ہر مکان مولوی
ہاں مگر نسوار قلم در دہان مولوی
505

دا کرد چشم چوں پے دیدار مرتضیٰ
خندید شش غنچہ و کارش تمام شد
396

وقت عزیز رفت، بیا تا قضا کنیم
عمرے کہ بے حضور صراحتی و جام رفت
399

یاراں ز مہربانی دانند، ہرچہ دانند
ما خوب می شناسیم، اسے درود، آنچه مانیم
396

اردو

۱

آج نہیں جن کو اور دھندے ساتی
ادام کے وہ بٹتے ہیں پھندے ساتی
393

آکے سجادہ نقیص قیص ہوا میرے بعد
نہ رہی دشت میں خالی کوئی جا میرے بعد
اور میرے لئے دھندلے گئے 422

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم
اب جو ہیں خاک، ابنا یہ ہے
424

آگے کو کے کیا کریں سب طبع دراز
یہ ہاتھ سو گیا ہے، سرخانے دھرے دھرے
419



اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے
دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں
419

اس بلانے جاں سے آتش دیکھیے کیوں کر بنے
دل سوا شیشے سے ہڑک، دل سے نازک خوئے دوست
413

اعضاء بدن سب مضطرب ہیں اس دل کے شہادت پانے سے
لشکر میں عظیم برپا ہے، سردار کے مارے جانے سے
506

اور دل قفس کو جلانے کو پھولوں نے یہ کہلا بھیجا ہے
آتا ہے اگر تو آجاؤ ایسے میں ابھی شاداب ہیں ہم
391

اے نازشِ آدمِ صلِ صلِ
اے نرسلِ خاتمِ صلِ صلِ
————— (مکمل نمبر 29، صفحہ 40)

ایک ڈھیری راکھ کی تھی صبح جاگے میرے پر
برسوں سے جلتا تھا، شاید رات جلتا کر رہ گیا
423 —————



بت خانے کھود ڈالے مسجد کو ڈھائیے
دل کو نہ توڑے یہ خدا کا مقام ہے
413 —————

بس کہ رہتا ہے پار آنکھوں میں
ہے نظر ہے قرار آنکھوں میں
————— (مکمل نمبر 403، صفحہ 40)

بستیِ قبا پر تیری مر گیا ہے
کفنِ میر کو دہلیچو زعفرانی
424 —————

بہت تیر پھر ہم جہاں میں رہیں گے
اگر وہ گئے آج شب کی سحر تک
424 —————

ہے مجھے کیا کہے کوئی انسان آپ کا
خاموش کچھ سمجھ کے ہے دیوانہ آپ کا
392



پڑا وہ اسے دل دلائے، چٹائی سے کیا حاصل
مگر پھر تاب زلف پڑھن کی آزمائش ہے
36



تجھے آہا، سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار تو ثابت وہ سیارا
333

ترقی طلب کیجئے ہر گزری
خدا ہے نہایت ہے، راہ اس کی بڑی
345

تری آہ کس سے خبر پائے
وہی ہے خبر ہے جو آگاہ ہے
420

میں سے سمجھنے لے، مسد کو، آن کر قرآن
اگر کہیں کہ مٹا، اٹھ کے، چاندنی کا جھول
350

تم بھی کچھ اپنے باپ کی اس دم مدد کرو
آفت میں آج ہے پھر طیفم صمد
————— مرزا شاعر کے لہو حجاز کی نغمہ 417

تم رات وعدہ کر کے جو ہم سے چلے گئے
بحرِ تب سے خواب میں بھی نہ آئے، بھٹلے گئے
————— میر تقی میر کے لہو حجاز کی نغمہ 414

﴿ ٨ ﴾

نکد و کچھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے
476 —————

﴿ ٩ ﴾

جب اہل ہوش کہتے ہیں افسانہ آپ کا
سنتا ہے اور ہنستا ہے دلیوانہ آپ کا
392 —————

ہم خاک کی کا جہاں پردہ اٹھا
ہم ہوئے وہ ، میر ، سب وہ ہم ہوا
419 —————

جن جن کو تھا یہ عشق کا آزار، مر گئے
اکثر ہمارے ساتھ کے بنار مر گئے
419 —————

جنس بازار معاصی، اسد اللہ اسد
 کہ سوا تیرے کوئی اس کا خریدار نہیں
 304

جوہ ہے، بخشش ہے، دل نوازی ہے
 ہر ایک طرح غلاموں کی سرفرازی ہے
 285

جنگی کچھ کہتی میں چھپی بھی، ملی نلک کہ دل میں بھی بھی
 یہ جہانگ پکھ میں اس کی ہے نہ چھری میں ہے نہ کندھ میں
 420

تی ڈھا جائے ہے حر سے آہ
 رات گزرے گی کس خرابی میں
 421



چندن پڑا چہار کے نت اٹھ کوئے چام
 رو رو چندن مئی پھر سے پڑا لچ سے کام
 379

چلے ہیں مہڑے پٹائی ہے کشتی جسی ہے چولی پٹنسی ہے مہری
 قیامت اس کی ہے نلک پوشی، ہمارا جی تو، پہ نلک آیا
 421

ج

حدیث زلف دراز اس کے منہ کی بات بڑی
 کبھو کے دن ہیں بڑے یاں کبھو کی رات بڑی
 423

د

خم کو توڑ دیں گے یہ کھلونے دیکھو
 چرے جیسے پئے بچھونے دیکھو
 394
 خوش رہتے ہیں چار دیو کی تارا کے منگائی مانتے قدرت
 نے ہم کو خم و زو نہ اندیشہ کالا ہے خوب فراغت
 416
 خوشا وہ دل کہ ہے جس دل میں آرزو تیری
 خوشا دماغ جسے تازہ رکھے یو تیری
 413

ز

دانت گرے اور ٹکڑے گیسے ٹنڈے بوجھ نہ لے
 ایسے بڑھے تیل کو کون پاتھ، ٹھس دے
 304
 دل جو تھا اک آبلہ، پھون گیا
 رات کو سید بہت کونہ گیا
 423

دلی میں آج بیک بھی ملتی نہیں انہیں
 تھا کل ملک دماغ جنہیں تخت و تاج کا
 424

دوسرا مجھ سا کوئی لا نہ سکے گی دنیا
 378

دے مارا اس نے ہیڈ دل کو زمین پر
 کہتے ہوئے کہ ”جائیے! میرا نہ آپ کا“
 393

۱

وصوفہ دے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں ٹایپ ہیں ہم
 تعبیر ہے جس کی حسرت و غم اے ہم نشو و خواب ہیں ہم
 391

۲

رات بحر شمع سر کو وطن رہی
 کیا چٹنے نے التماس کیا
 418

رات دن تھکھا ہے، میلہ ہے
 مہر و ماہ کا کٹورا بچا ہے
 398

رقیبوں کا جانا کہاں دیکتا تو
 سماں یہ میرے گھر میں آیا تو دیکھا
 403

رونے سے اور عشق میں بے باک ہو گئے
 دھوئے گئے ہم ایسے کہ بس پاک ہو گئے
 399

رہے کیا مصطفیٰ آباد میں دایم
 وہ سارے لطف تھے غلہ آشیوں کے ساتھ
 383

س

سب عزیز و آشنا نا آشنا ہو جائیں گے
 قبر میں بچہ چیتے ہیں، جدا ہو جائیں گے
 395

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے
 کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں
 288

سر لون کا ، منہ پیاز کا ، انچور کی گردن
 416

سننے ہو قتنا پھولوں نے کیا شور عناول سن کے کہا
 ان کی تو ہے چاہت دہن کی چپ تک کہ زرا شلاب ہیں ہم
 391

نیکہ را کو دیجیے جا کو یکہ سہائے
نیکہ نہ دیجیے باندا جو گھر بنے کا جائے
173



شاید وہ عاشقوں کو سمجھتا ہے بوم محض
رکھتے ہیں جو وہ کی قننا جفا کے بعد
236

شہد تاج نہیں کچھ میر کی استادی میں
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں
422



صاف آتش میں کود پڑا، جل جا
کچھ ٹوٹے سے اے پتنگ نہ پوچھ
415



ظہور آدم خاکی سے یہ ہم کو نشین آیا
تراشا اگمن کا دیکھئے، غلوت نشین آیا
412

ع

عالم کسی حکیم کا ہاتھ ظلم ہے
کچھ ہو تو اعتبار بھی ہو کائنات کا

420

غ

غالب کہ دلِ خستہ شبِ بھر میں مر جائے
یہ رات نہیں وہ جو کہانی میں گزر جائے

423

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول تاج
”آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں“

422

ج

فرشتہ موت کا چھتا ہے گو بدن تیرا
ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

296

ق

قلمِ پاؤں اللہ کہہ سکتے تھے جو رخصت ہوئے
خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گو رکن

328



کاٹا نہا کر مل کا اور ہدی کا گھام
سوکن نہی ہے ہون کی اور ساتھی کا کام

480

کل تم جو بزم غیر میں آنکھیں پڑا گئے
کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے

397

کہتا ہے کون تارِ بلبل کو ہے اثر
پدے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے

290/26

کھوئے ہیں اس نے جڑوں پہنی کے بند
جہ کر رکھے جسم سے کہہ دو، قہائے گل

403

کیا ڈھونڈ رہے ہو وہ درختے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تم دیکھ کے جس کو بھول گئے اسے دل دھکا وہ خواب ہیں ہم

391

کیا کیا عذاب اٹھائے ہیں اندوہ عشق کے
ہر نام اب تو کچھ بھی نزاکت نہیں رہی

404

کیوں نہ میں قربان ہوں، جب وہ کہے جار سے
ہم کو جفا کا ہے شوق، اہل وفا کون ہے؟
404



گرچہ ہے طرز تغافل پردہ دار راز عشق
پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے
398

گری حتی جس پکل بجلی وہ میرا آشیں کیوں ہو
111



لاکھ دینے کا ایک دینا ہے
دل ہے دعا دیا تو نے
381

لایا ہے مرا شوق مجھے پردے سے باہر
میں ورنہ وہی غلوطی راز نہاں ہوں
420

لذت سے نہیں خالی جانوں کا کھپا جانا
کب خضر و مسیحا نے مرنے کا حرا جانا
421

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگرہ شیشہ مری کا
424

م

مال ہے نایاب اور گاہک ہیں اکثر بے خبر
شہر میں کھول ہے مائی نے، دکاں سب سے الگ
477-303
محمد کا دشمن علی کا عدو
نہ کہہ لکھ حسنین اپنے کو تو
388

مراشورن کے جو لوگوں نے کیا پوچھا، تو کہے ہے کیا
جسے تیر کہتے ہیں صاحبزادے وہی تو خانہ خراب ہے
421

مرغان قفس کو پھولوں نے اے شاد یہ کہلا بیجا ہے
آتا ہے اگر تو آجاء ایسے میں ابھی شاداب ہیں ہم
391

مسافر یہ حیرا دشمن نہیں
342

مستانہ جو میں نے قدح بھنگ چڑھایا در عالم وحشت
جب شعر پکارا کہ بنیا و مریا لب دیکھ طراوت
416

مسجد کے زیر سایہ اک گھر بنا لیا ہے
یہ بندہ کینہ ہمسایہ خدا ہے
400

مصارف کی طرف سے مطمئن ہوں میں بہر صورت
کہ ابر سلطان جہاں نیگم زر افشاں ہے
اس نند کے ہاتھ خدا کے لیے عذرا، میر 493
میر دریا ہے سنے شعر زبانی اس کی
اللہ اللہ رے طبیعت کی روانی اس کی
420

میر صاحب زمانہ ہزک ہے
دونوں ہاتھوں سے تھامے دستار
418

میر کے شعر کا احوال کہوں کیا غالب
جس کا دیوان کم از گلشن کشمیر نہیں
422

میرا اس ہے نکلاں کو پایا جان
کچھ ہمارا اگر سراغ لگا
419

سے خانے کا محرم بھی محرم نہیں ہے

83—

سے خانے کا محرم بھی محرم رہے گا

83—

ن

نا مناسب ہے خون کھولنا

پھر کسی اور وقت مولنا

376—

نچھڑ گاہ عشق میں افراد صید سے

روح الامین کا نام شکار یوں ہوا

419—

نظر آتی ہیں ہر سو صورتیں ہی صورتیں مجھ کو

کوئی آئینہ خاندہ کا رخا نہ ہے خدائی کا

413—

نگاہ قلب میں جب تک سرور ہوتا ہے

یہ بندہ والد عبدالغفور ہوتا ہے

411-410—

نہ تھا اگر تو شریک محفل قصور مرا ہے یا کہ تیرا

میرا طریقہ نہیں کہ دکھ لوں، کسی کی خاطر مئے شہانہ

110—

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نہ ہوا نہ ہوا تیر کا انداز نصیب
ذوقِ یاروں نے بہت زور غزل میں مارا
421

نہ پوچھ نہ مرہم جراثیمِ دل کا
کہ اس میں ریزہ الماس جزوِ اعظم ہے
28

نہیں معلوم اب کے سال سے خانے پہ کیا گزری
ہمارے توبہ کر لینے سے بیانے پہ کیا گزری
411



وہ دل روشن کہ تھا سارے زمانے کا چراغ
گور پر مہری بنا ہے اب سربانے کا چراغ
414

وہاں تو صبح سے شام تک کنورا بجتا ہے
396



جر شیریں میں کہیں کہ کائے گا
کوہ کن یہ پہاڑ سی راتیں
423

ہر لکھ نیا طور، نئی برق جلی
اللہ کرے مرحلہ شوق نہ ہوئے

110—

ہر چہ رام پور میں گھبرا رہا ہے داس
کس طرح جائے کلب علی خان کو چھوڑ کر

382—

ہوش والوں سے جو سنتا ہے فسانہ حیرا
بیٹھا منہ پھیر کے ہنستا ہے دوانہ حیرا

392—

ہے جو صاحب کے کف دست پہ یہ پچھنی ڈلی
زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہیے

401—

ہے دو روجوں کا ٹھین ہیکر خاکی میرا
رکتا ہے بے تاب دلوں کو مرا ذوق طلب

نعل ہادی کے لیے دعا، نعلین 362, 363

ی

یا ایک نیاز اس سے کیوں کر کوئی بر آدمے
آتا ہو سو طرح سے جس کو کہ ناز کرنا

414—

یہ جو مہلت، جسے عمر کہتے ہیں
دیکھو تو! انتظار سا ہے کچھ

419

کیا جانا کہ کچھ نہ جانا ہائے
سو بھی اک عمر میں ہوا معطوم

418

طوبیٰ ریسرچ لائبریری
اسلامی اردو، انگلش کتب،
تاریخی، سفرنامے، لغات،
اردو ادب، آپ بیتی، نقد و تجزیہ

toobaa-elibrary.blogspot.com